میرزا غازی بیگ ترخان

اور اس کی

بزم ادب

سید حسام الدین راشدی

میرزا
غازی بیگ ترخان

اور اس کی

بزمِ ادب

میرزا غازی بیگ ترخان

اور اُس کی

بزمِ ادب

سیّد حسام الدین راشدی

انجمن ترقی اردو پاکستان
بابائے اردو روڈ کراچی-۱

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
ACC NO 62386
★ MAILSI ★

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو۔ شمارہ ۳۴۶

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

اشاعت اول ۱۹۸۰ء

طابع انجمن پریس، شومارکیٹ کراچی

قیمت پچیس روپے

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

Masood Faisal Jhandir Library

فہرست

تصاویر



میرزا غازی بیگ ترخان

حرفے چند

اختر حسین (ہلال پاکستان)
صدر انجمن ترقی اردو

زیر نظر کتاب اردو، سندھی اور فارسی کے ممتاز محقق سید حسام الدین راشدی کی تقریباً ربع صدی کی تلاش و تحقیق کا نتیجہ ہے، جس میں انھوں نے سندھ کی ادبی تاریخ کے ایک اہم باب کو قلم بند کیا ہے۔

میرزا غازی بیگ ترخان عہد اکبری و جہانگیری کے نامور امرا میں سے تھا۔ اگرچہ اس کی امارت کا سکّہ سندھ سے قندھار تک رواں تھا؛ لیکن اس کی شہرت کا اصل سبب علم و ادب کی سرپرستی ہے۔ وہ نہ صرف خود ایک شاعر تھا، بلکہ اس نے اپنے دربار میں بعض ایسے شعرا بھی جمع کر لیے تھے، جو فارسی ادب کی تاریخ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اسے طالب آملی، مرشد بروجردی اور طالب اصفہانی جیسے بڑے شاعروں کی علمی رفاقت حاصل تھی اور یہ بات بجائے خود غازی بیگ کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

راشدی صاحب نے غازی بیگ کے حالات زندگی اور اس کے دربار سے متعلق شعرا کے بارے میں یہ مفصل کتاب لکھ کر کئی جہتوں میں رہنمائی کی ہے۔ سب سے پہلی اور اہم بات تو یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعے برصغیر ہند و پاکستان کی فارسی شاعری کے ایک خاص گوشے پر

روشنی پڑتی ہے، متعدد اہم شعرا کے حالات پہلی مرتبہ پوری تفصیل سے سامنے آئے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی بعض غیر معروف شعرا کو بھی گوشۂ گمنامی سے نکال کر متعارف کرایا گیا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ فارسی زبان جو پاکستان کے تمام علاقوں کا مشترک تہذیبی ورثہ ہے، اس کی خدمت صوبہ سندھ نے کسی طرح بھی دوسرے صوبوں سے کم نہیں کی۔ بلکہ زیر نظر کتاب کے مطالعے کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سندھ کا فارسی ادب، برصغیر کے ادبیات میں ایک وقیع اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کتاب کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ راشدی نے سندھ کے فارسی شعرا کے بارے میں یہ کتاب اردو زبان میں لکھی ہے۔ وہ اگر چاہتے تو اسے سندھی یا فارسی میں بھی لکھ سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے اس گراں قدر کتاب کے ذریعے اردو کے سنجیدہ ادب میں اضافہ کر کے اردو سے اپنی قدیم اور لازوال محبت کا ثبوت دیا ہے۔

راشدی صاحب نے انجمن ترقی اردو میں میرے رفیق کار کی حیثیت سے ہمیشہ انجمن کے کاموں میں گہری دلچسپی لی ہے، اور اس کا تازہ ترین ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت کو انجمن کی طرف سے پسند فرمایا ہے۔ اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب علمی حلقوں میں مقبولیت حاصل کرے گی۔

چند باتیں

شاہ حسین بایقرا کی وفات (۹۱۱ھ) پر جب تیموریوں کی بساط بکھری اور ان کے شہزادوں کو شیبانی خان نے ہرات کے دارالسلطنت سے مار بھگایا (۹۱۳ھ)، اس وقت وہ تمام صوبے جو اس سلطنت کے زیر نگیں تھے، مختلف فاتحین کے قبضے میں چلے گئے، بڑے حصے پر محمد خان شیبانی نے قبضہ کیا، کچھ صوبے شاہ اسمٰعیل صفوی کے ہاتھ لگے، اسی لپیٹ میں کابل و قندھار کا ٹکڑا بابر کے حصے میں آگیا، اور وسط ایشیا کی محکم اور وسیع و عریض سلطنت، جس کی بنا تیمور نے ڈالی تھی جب ختم ہونے پر آئی تو یوں پارہ پارہ ہو کر سلطانی تاریخ کے مختلف بابوں میں بکھر گئی۔

ہندی مغلوں کی سلطنت کی داغ بیل وہیں اسی موقع پر بابر نے کابل اور قندھار پر قبضہ کر کے ڈالی، جس کے نتیجے میں ہندوستان میں از سر نو اولاد تیمور کی ایک عظیم سلطنت، تاریخ کے صفحات پر ابھری اور نکھر آئی۔

کابل اور قندھار پر شاہ حسین بایقرا کی طرف سے اس کے امرا میں سے ایک خاندان حکومت کر رہا تھا، جو ارغون کہلاتا تھا، امیر ذوالنون اس خاندان کا بانی تھا جو ۹۱۳ھ میں شیبانی اور تیموری شہزادوں کی جنگ میں مارا گیا جس کے بعد اس کا بیٹا شاہ بیگ کابل اور قندھار پر حکومت کرنے لگا۔ بابر نے اسی شاہ بیگ ارغون سے ملک کا یہ حصہ چھینا، جس نے وہاں سے آوارہ ہو کر کوئٹہ اور سبّی پر قبضہ کیا اور پھر سندھ کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ۹۲۸ھ میں پورے سندھ پر قابض ہو گیا اور اپنے

خاندان کی حکومت کی دوبارہ طرح ڈالی۔

شاہ بیگ اس نئے ملک اور اس نئے قبضے سے زیادہ دیر تک فائدہ اٹھا نہیں سکا، عمر نے وفا نہ کی اور سندھ پر قبضہ کرتے ہی وفات پاگیا جس کے بعد اس کے بیٹے شاہ حسین ارغون نے ۹۲۸ھ سے لے کر ۹۹۲ھ تک سندھ پر حکومت کی۔

ویسے تو شاہ بیگ بھی کچھ قابل ستائش مزاج کا آدمی نہیں تھا، مگر اس کو اتنا موقع مل ہی نہ سکا کہ کابل اور قندھار میں شکست کھانے کی تلخی اور غصے کی آگ سندھ کے باشندوں پر اتار سکے لیکن۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ کے مصداق اس کے بیٹے شاہ حسین نے اپنے ۴۲ سالہ دور حکومت میں ملتان سے لے کر ٹھٹھہ کا پورا ملک اچھی طرح روند ڈالا اور ملتان، اچ، بکھر، سیوھن اور ٹھٹھہ کے شہروں، قریوں اور قصبوں تک کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ شیبانی، شاہ اسمٰعیل اور بابر نے جو کچھ وہاں کیا تھا اس کا حساب کتاب اس نے یہاں کے مکینوں اور مکانوں سے مع سود چکا لیا۔

یہ شخص ۹۶۲ھ میں جب لاولد مرا تو سندھ دو حصوں میں بٹ کر اس کے دو قوی امیروں کے ہاتھ میں چلا گیا، بالائی سندھ فاضل کوکل تاش کے بیٹے سلطان محمود کے قبضے میں آیا جس کا مرکز بھکر بنا اور زیریں سندھ جس کا دارالسلطنت ٹھٹھہ کا تاریخی شہر تھا، وہ مرزا عیسیٰ ترخان کے حصے میں آیا۔

مرزا عیسیٰ کے آبا و اجداد دراصل تیموریوں کے ساتھ پشتی امرا تھے، جو ایک مدت کے بعد جب تیموریوں میں ضعف آیا تو ارغونوں کا ضمیمہ بن گئے۔

مرزا عیسیٰ کا دور (۹۶۲ – ۹۷۳ھ) قدرے اطمینان کا دور رہا، لیکن اس کے بیٹے مرزا محمد باقی کا زمانہ پھر ایک قیامت بن کر آیا اور اس نے نہ فقط یہاں کے لوگوں کو تہس نہس کیا بلکہ اپنے خاندان کا بھی جتنا صفایا کر سکتا تھا کر لیا۔ اتنا خون بہایا کہ آخر خود بھی دیوانہ ہو گیا، اور جنون میں خودکشی کر لی (۹۹۳ھ) اس کا بیٹا پاینده بیگ جو صحیح الدماغ نہیں تھا۔ اس کا جانشین ہوا، لیکن مملکت کا اصل کاروبار اس کے بیٹے مرزا جانی بیگ کے ہاتھوں میں رہا۔

جانی بیگ اگر بہتر نہیں تھا تو اتنا برا بھی نہیں تھا، اس نے خون کے بہت سارے داغ دھوئے، لیکن کہاں تک دھوتا؟ ۹۹۳ھ میں اس نے انتظام سنبھالا ہی تھا کہ سات برس کے بعد ۱۰۰۰ھ میں خان خانان مرزا عبدالرحیم خان نے آکر سندھ کی علیحدہ حکومت ختم کر کے اس کو اکبر کی سلطنت میں ملا دیا اور مرزا کو اپنے ساتھ لے جا کر دربار اکبری میں بٹھا دیا۔

اس کتاب میں اسی مرزا جانی بیگ کے بیٹے مرزا غازی خان ترخان کا حال لکھا گیا ہے۔ جس نے اکبر اور جہانگیر کے دور میں نہ فقط سندھ سے لے کر قندھار تک حکمرانی کی اور اپنی امیری کی ٹھاٹھ دار مسند سجائی، بلکہ شعر و سخن اور داد و دہش کی یوں دھومیں مچائیں کہ جہانگیر سے لے کر ایران کے شاہ عباس تک کے درباروں میں اس کی علم دوستی، سخن پروری اور زر بخشی کے چرچے سنائی دیئے اور داستانیں بیان ہوائیں۔ ہندوستان سے لے کر ایران تک کے گوشے گوشے میں آوازے پھیل گئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ کئی ایک نامی شعرا اور ارباب علم و ہنر، اپنے اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر، اس کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے

مرزا غازی کو نظر کھا گئی اور جوانی میں اس کا انتقال ہو گیا، اگر طبعی عمر نہ سہی، زندگی کی ذرا سی مہلت اور ملتی، تو ہماری ادبی تاریخ میں اس کا دربار اکبر اور جہانگیر جیسے بادشاہوں کی ٹکر کا، جائے ادب ہونے کی وجہ سے، اگر نہیں شمار کیا جا سکتا تو پرورش علم و ہنر میں خان خاناں جیسے علم دوست اور ادب پرور امرا سے تو یقیناً بہتر جگہ پا جاتا۔

مرزا غازی کی داستان حیات اور اس کے دامن دولت سے وابستہ اہل علم و فن کے حالات جمع کرنے اور لکھنے کی ابتدا، آج سے کئی سال پہلے، بلکہ کم و بیش اس پر بیس بائیس برس بیت چکے ہوں گے کہ میں نے کی تھی، اور کئی سال ہوئے کہ اس کے سوانح حیات کا ایک خاکہ تیار کر کے مجلہ اردو میں بھی چھپوا دیا تھا، لیکن یہ دلچسپ داستان اس حد تک بکھری ہوئی ہے کہ اس کو یکجا کرنا اور پھر کتاب کی صورت میں لے آنا، اتنی مدت میں باوجود ہر ممکن کوشش کے بھی، مجھ سے ممکن نہ ہو سکا۔

مرزا کی اپنی زندگی کے بہت سے پہلو معلوم نہیں ہو سکے، اس کے اپنے دیوان تک کا موجود ہونا ابھی تک کسی کے علم میں نہیں۔ جن تذکروں اور کتابوں میں اس کا منتشر کلام اور احوال ہے ان میں سے کئی ایک دسترس سے باہر تھے، قندھار کے پورے دور کے واقعات اور حقائق پر اندھیرے کا پردہ پڑا ہوا ہے، اسی طرح جو اہل علم اور اصحاب کمال اس سے وابستہ تھے، ان میں سے اگرچہ بعض کے نام اور حالات ملے ہیں، لیکن اس فہرست کی ابھی کتنی اور کون سی کڑیاں سامنے نہیں آئیں، یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

بہر حال تجسس اور تلاش میں، میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے، جو کچھ سرمایہ جمع ہو سکا ہے اہل علم اور اصحاب دانش کے سامنے حاضر ہے۔ ویسے بھی کوئی علمی کام کتنا ہی کامل کیا جائے، لیکن حرف آخر کا حکم نہیں رکھتا، اس لیے اپنے موضوع پر میری یہ حقیر سی کوشش بھی حرف آخر نہیں کہی جا سکتی۔

(سید) حسام الدین راشدی

اسلام آباد

۲۵-۸-۱۹۷۰ء

پس نوشت

کتاب کی طباعت کے دوران میں سفر میں رہا، اس وجہ سے آخری پروف میری نظر سے نہیں گزر سکے۔ جن عنایت فرما کے ذمے یہ کام ڈالا تھا، وہ بھی پروف ریڈنگ کے دوران ذہنی طور پر عالم سفر میں رہے۔ اس وجہ سے کہیں کہیں، خصوصاً فارسی اقتباسات میں کتابت کی اغلاط رہ گئی ہیں، اس کے لیے میں خوانندگانِ محترم سے معذرت خواہ ہوں۔ مزید تحقیقی کاموں کے لیے میرے دیے ہوئے اقتباسات کو اگر اصل کتب حوالہ کی روشنی میں ملاحظہ کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

س - ح - ر

(۱)

میرزا جانی بیگ کی وفات

اور

میرزا غازی بیگ کی مسند نشینی

سندھ کے ترخان خاندان کے آخری خود مختار فرماں روا میرزا جانی بیگ نے سنہ ۱۰۰۰ھ میں شکست کیا کھائی، بلکہ بڑی کشمکش کے بعد مجبور ہو کر ملکی مصلحتوں کی بنا پر سندھ کی حکومت میرزا عبدالرحیم خان خاناں کے حوالے کر دی اور خود فاتح سپہ سالار کے ہمراہ اکبری دربار کی طرف چلا۔

میرزا جانی، جیسا کہ ملا عبدالباقی نہاوندی نے لکھا ہے ۲۴ رجمادی الثانی سنہ ۱۰۰۱ھ کو دربار اکبری میں پہنچا[۱]۔ کچھ تو خان خاناں کی تعریف اور سفارش سے اور کچھ جانی بیگ کی خود اپنی رفتار اور گفتار سے اکبر بادشاہ اتنا متاثر ہوا کہ سندھ[۲] کو میرزا جانی بیگ

---

[۱] مآثر رحیمی ۲: ۳۷۶ و اکبر نامہ ۳: ۶۳۳-۶۳۴

[۲] ..... در زمان میرزا شاہ حسن ارغون این ولایت (سندھ) را شش سرکار کردہ بودند۔
(۱) سرکار بھکر (۲) سرکار سہوان (۳) سرکار نصرپور (۴) سرکار چاچکان (۵) سرکار ٹھٹھہ (جاری)

کی جاگیر قرار دے کر اُس کی حکومت پھر اُسی کے سپرد کر دی۔

جانی بیگ خود تو وہیں دربار میں رہا اور اپنے امرا کو سندھ کی طرف واپس کیا تاکہ مملکت کا انتظام کریں اور اس کے اکلوتے فرزند میرزا غازی بیگ کی تربیت اور تعلیم کا بندوبست کریں۔ چنانچہ شاہ قاسم ارغون، خسرو خاں چرکس، بہائی خاں، ملا گدا علی عرب کوکہ، اور ملا جمال الدین" لشکر بسیار کے ساتھ سندھ کی طرف روانہ ہو گئے۔

خان خاناں میرزا عبدالرحیم سندھ سے واپس جاتے وقت دولت خاں لودھی[۱] کو سندھ کا قائم مقام حاکم بنا کر گیا تھا جس وقت جانی بیگ کے امرا نیا فرمان لے کر سندھ کی حدود میں داخل ہوئے تو دولت خاں بکھر میں تھا۔ انہوں نے وہیں فرمان اس کے حوالے کیا اور حکومت سندھ کا جائزہ اس سے لے لیا۔

لشکر کشی اور جنگ نے ملک کی حالت خراب کر دی تھی، خوں ریزی، آشفتگی، اور مسلسل جنگ و جدل سے کئی شہر ویران اور منہدم ہو چکے تھے۔ خود دارالسلطنت ٹھٹھہ بھی ان اثرات سے نہ بچ سکا تھا۔ شاہی محل، سرکاری امرا اور شرفائے شہر کی حویلیاں برباد ہو گئی تھیں۔ مرزا جانی بیگ کے امرا نے انتظام ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے خراب شدہ شہروں کی اصلاح اور ٹھٹھہ میں حویلیوں اور شاہی محلات کی درستی اور مرمت کا

جاری) (۲) سرکار چاکر ہالہ و جون — سرکار بھکر اول مدت عساکر ظفر مآثر حضرت عرش آشیانی (اکبر) افتادہ بود و سرکار سیوان و بندر لاہری بعد از فتح تھتہ دگر ننش میرزا جانی ترخان۔ حضرت عرش آشیانی داخل ممالک محروسہ بادشاہی نمودند۔ و تتمہ چہار سرکار را در جاگیر میرزا جانی مرحمت فرمودند — (مسیر شاہجہانی ص۲۰)

[۱] طاہری ص۲۰۵ سے دولت خاں لودھی شاہو خیل امرائے اکبری میں سے تھا خان خاناں کے ساتھ سندھ کی مہم میں شریک تھا۔ ۱۰۰۹ھ میں دردِ قولنج سے احمد نگر میں فوت ہوا۔ خان جہاں لودھی جہانگیری اور شاہجہانی عہد کا نامور امیر اس کا بیٹا تھا۔ دیکھ۔ مآثر الامرا، ۲: ۵ و ۱: ۷۱۶

بندوبست کیا جیسا کہ تاریخ طاہری کے مصنف نے لکھا ہے۔

— بوطن اصلی ہر کس متوطن گردیدہ، خانہ وحویلی سوختہ وخراب گشتہ، را آباد نمودہ، موافق فرمودہ صاحب خود پرداخت ولایت نمودہ گرفتند[۱]

میرزا جانی بیگ تقریباً آٹھ برس زندہ رہا، سندھ کا انتظام اس کے امراء غائبانہ چلاتے رہے۔ اور میرزا غازی کی تعلیم و تربیت بھی ہوتی رہی میر طاہر نے لکھا ہے:

— مدت ہشت سال بدین منوال با ہشت ہزار (سوار) میرزا در بندگی حضرت۔ کہ شرف و سعادت بزرگان بآستان ایشانست بود، و متعلقان در ملک حکومت بملازمت والاگہر ارجمند میرزا غازی بیگ ترخان داشتند[۲]

میرزا جانی کا انتقال، ۲۷ رجب سال ۱۰۰۹ھ میں برہان پور میں ہوا اور اس کی میت ٹھٹہ لاکر دفن کی گئی۔[۳]

میرزا کے انتقال کے بعد بقول مآثر رحیمی:

— شاہ قاسم ارغون، کہ امیر الامرا بود، و خسرو خان چرکس کہ مالیک میرزا جانی بود، و منصب وکالت میرزا جانی بہ او متعلق بود، باتفاق اعیان سندھ، میرزا غازی را کہ در سن چہار سالگی (؟) بود بساعت میمون و طالع سعید بہ سلطنت برداشتند[۴]

میرزا غازی کی مسند نشینی کے سلسلے میں ایک روحانی بزرگ کے ارشادات گرامی

---

۱ طاہری ص ۲۰۸

۲ طاہری ص ۲۰۸

۳ میرزا کی نعش اکبر کے حکم پر خواجہ محمد توربیگی ٹھٹہ لایا اور ایک جدا مقبرہ میں دفن کی گئی مقبرہ کی مغربی دیوار پر محراب کے سر در پر یہ کتبہ ایک سطر پر پتھر پر کندہ ہے: (۱) فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب (۲) تاریخ میرزا جانی بیست هفتم ماہ رجب ۱۰۰۹ھ (مکلی نامہ ص ۱۹)

۴ مآثر رحیمی ج ۳ ص ۳۴۹

بھی سننے کے قابل ہیں۔ مخدوم نوح ہالائی رحمۃ اللہ کے ملفوظات۔

۔ دلیل الذاکرین مصنفہ حاجی پنھور ۔ میں لکھا ہے کہ ایک دن مخدوم نوح کے فرزند ارجمند مخدوم ادھم ثانی نے حاضرین مجلس سے پوچھا:

۔ میرزا جانی رخت حیات بدار البقا فرستاد' بجائے او بر تخت سلطنت کدام شخص اجلاس خواہد کرد؟۔

اور تو کسی صاحب نے کچھ نہ کہا لیکن شیخ احمد سید یحییٰ لکعلوی جو خوارق میں مشہور و معروف تھے۔ دوزانو ہو کر ادب کے ساتھ مخدوم ادھم کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور بولے:

۔ دستار سلطنت ایں دیار از خدمت رسالت پناہ میرزا غازی یافت ۔ [1]

میرزا جانی کی وفات پر ملک میں بہت تشویش، انتشار اور انتظار کے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ جب اس کی میت فرمان شاہی کے مطابق خواجہ محمد قور بیگی برہان پور سے ٹھٹہ لایا تو اس وقت بقول مصنف تاریخ طاہری:

۔ مردم سپاہی و شہری کہ ہنوز از حادثہ ماضی آرام و آسائش نہ یافتہ بودند' مضطرب و متفکر گشتند کہ بازچہ بلاو محنت بریں مردم رو خواہد آورد' ہر یک مرگ میرزا ' مردن خود پنداشتہ [2]

اس سے ظاہر ہے کہ میرزا جانی کے انتقال کے بعد ملک میں انتشار کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ملک کے روحانی پیشوا بھی تشویش کا اظہار کر رہے تھے۔

---

[1] دلیل الذاکرین۔ قلمی صہ ۱۲۴ - ۱۲۳

[2] طاہری صہ ۲۰۸

میرزا غازی کے حق میں اکبر بادشاہ کی طرف سے بھی حکم صادر ہوا، جیساکہ مآثر رحیمی میں ہے:

— در برہان پور، نیز خلیفۃ اللٰہی فرمان واجب الاذعان بنام میرزا غازی عنایت نمودند کہ بدستور میرزا والی سندھ بودہ باشد۔[1]

حکم ہوا کہ یہ فرمان بابا طالب اصفہانی بطور ایلچی ساتھ لے جائے اور میرزا غازی اور اس کے امرار کو نوازشات اور عنایات شاہی سے سرفراز کرے، اور واپسی میں میرزا غازی کو اپنے ساتھ لیتا آئے تاکہ نوجوان حاکم اپنے بادشاہ کی آستان بوسی سے معزز اور مکرم ہو۔ ملا عبدالباقی نے لکھا ہے کہ سعید خاں کو بھی بادشاہ نے ۲۰ ہزار فوج کے ساتھ میرزا کو لینے کے لئے روانہ کیا۔

بابا طالب اصفہانی اور سعید خاں کی روانگی کو ملا نہاوندی نے ایک ساتھ فرمان شاہی کے سلسلے میں ملا دیا ہے۔[2] حالانکہ یہ دونوں جدا جدا موقع پر سندھ میں آئے اور ان کی آمد جداگانہ اغراض کے ماتحت تھی، جیساکہ آئندہ صفحات میں بیان کیا جائے گا۔ اکبر نامہ کے مصنف نے اس فرمان اور میرزا غازی کی تخت نشینی کا ذکر ۱۰۰۹ھ کے واقعات میں ان الفاظ میں کیا ہے:

— گیتی خداوند، از قدر دانی، الکائے اورا بہ پور او، مرزا غازی باز گذاشت۔ و منشور والا و گران مایہ خلعت فرستاد۔[3]

یہ منشور اور گراں مایہ خلعت بابا طالب سندھ میں لایا تھا۔

---

[1] مآثر رحیمی ۲ : ۳۵۰

[2] مآثر رحیمی ۲ : ۳۵۰

[3] اکبر نامہ ج ۳ ۔ ص ۷۸۳

(۲)

میرزا غازی کی عمر

ملا عبدالباقی نہاوندی نے میرزا جانی کی وفات ۲۸ رجب سنہ ۱۰۰۷ھ بتائی ہے جو غلط ہے، اور تخت نشینی کے وقت مرزا غازی کی عمر "چہار سالگی" لکھی ہے[1]، جب کہ دوسرے مورخ اس کی عمر ۱۴ سال بتاتے ہیں۔ ممکن ہے عبدالباقی کی اس عبارت میں کتابت کی غلطی سے "چہاردہ سالگی" کو "چہار سالگی" لکھا گیا ہو۔ اکبر نامہ، لب تاریخ سندھ اور کتبے کی رو سے مرزا جانی کی وفات (۲۷ رجب) سنہ ۱۰۰۹ھ میں ہوئی اور غالباً اسی سال مرزا غازی تخت نشین ہوا۔ اگر اس وقت اس کی عمر ۱۴ سال کی مان لی جائے تو اس لحاظ سے اس کا سال ولادت سنہ ۹۹۵ھ یا ۹۹۶ھ قرار پاتا ہے۔ طاہر نسیانی اپنی تاریخ طاہری میں لکھتا ہے:

"ہر کرا حق سبحانہ و تعالیٰ بزرگی و اقبال می دہد، بہ خوردی در جبہہ او علامت

---

[1] رحیمی ج ۲، ص ۳۵۰

سنر دگی نهد، چون میرزا جانی بیگ جسد خویش از صحبت جان بے جان داشتہ در حجاب خاک خواب دراز نمودہ، و میرزا محمد غازی ترخان بسن شانزدہ سالہ بر مسند حکومت درجائے او منصوب گردید .... [۱]

مآثر الامراء نے سعید خاں کی بکھر میں آمد ۱۰۱۱ھ میں بتائی ہے اور لکھا ہے کہ مرزا غازی اس کے ہمراہ ۱۰۱۳ھ میں بہ عمر ۱۷ سال بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اگر ۱۰۱۳ھ میں اس کی عمر ۱۷ سال کی تھی تو اس لحاظ سے بھی اس کی ولادت کا سال ۹۹۶ھ ہونا چاہیئے۔ مرزا غازی کے تمام سوانح نویس، سوائے ایک مآثر الامراء کے جس نے اس کی وفات کا سال غلطی سے ۱۰۱۸ھ لکھا ہے، متفق ہیں کہ ۱۰۲۱ھ میں ۲۵ سال کی عمر میں مرزا غازی نے انتقال کیا۔ اس لحاظ سے اس کا سال ولادت ۹۹۶ھ ہوا۔

بہر حال مرزا غازی کی ولادت ۹۹۵ھ سے ۹۹۷ھ تک کسی سال ہوئی بندھ پر اکبری قبضہ ہونے کے وقت اس کی عمر ۴، ۵ سال کی تھی۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۱۳، ۱۴ سال کی تھی اور ۲۵ برس کے سن میں اس کا انتقال ہوا۔

---

[۱] تاریخ طاہری۔ ذکر میرزا غازی۔ نسخۂ خطی مطبوعہ میں "بسن" کو "بیس" سمجھا گیا ہے (صـ ۲۱۰)

(۳)

ابتدائی مشکلات

مرزا غازی کو صغر سنی کی وجہ سے تخت نشین ہوتے ہی اندرونی مشکلات سے سابقہ پڑا، مرزا جانی کے امرا جو سات آٹھ برس تک بلا شرکت غیرے سندھ پر حکومت کر چکے تھے، اس ناتجربہ کار اور کم عمر فرماں روا کو بے دست و پا کر کے حکومت کو حسب سابق اپنے ہی تصرف میں رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی سازشوں کے جال اور دھڑے بندیوں کی بساط بچھ گئی۔

امرا کو سازشوں میں مصروف دیکھ کر ملک کے زمیندار اور عوام بھی گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ مملکت کے باشندے ایک تو مسلسل مصیبتوں کی وجہ سے پہلے ہی پریشان تھے، اب اس نئے حکمراں کی کم سنی اور ناتجربہ کاری کو دیکھ کر اور زیادہ دلگیر ہو گئے۔ ملک پر قدیم امرا کا اثر تھا، اس لئے عوام نے یہ اندازہ لگایا کہ انہیں میں سے کوئی امیر، صاحبِ اختیار بن جائے گا اس لئے وہ بھی امرا کی طرح سازشوں اور دھڑے بندیوں میں منقسم ہو گئے۔

ان سازشوں میں ترخان خاندان کا قدیم ملازم اور امیر خسرو خاں چرکس، اور دربار کا
بااثر امیر، شاہ قاسم ارغون سب میں پیش پیش تھے۔ ان کی تقلید میں سلطنت کے دوسرے
کمتر ارکان اور اہل کار بھی ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ مثلاً ملا گدا علی، بہائی خاں وغیرہ۔

میرزا غازی کا بخت اگر یاور نہ ہوتا تو جو طوفان ملک میں اٹھا تھا وہ اس کم عمر، ناتجربہ
کار اور بے یار و مددگار حاکم کو تنکے کی طرح اڑا لے جاتا۔

تاریخ طاہری کے مصنف نے ان تمام حالات کو مفصل لکھا ہے، امرا کی فتنہ پردازیوں
اور مرزا کی دشواریوں کو جزئیات کی حد تک بیان کیا ہے۔ اس وقت جو ماحول تھا اس کے متعلق
اس تاریخ سے چند عبارتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں تاکہ حالات کا صحیح نقشہ ذہن میں آجائے۔
میرزا غازی جب اپنے امیروں سے تنگ آ گیا تو اس نے سوچا کہ:

ـــ اگر کسی قابل امیر امور ملکی بہم رسد او را معاملات ملک و ملک کہ از پدرش ماندہ، سپارد
و از جنگ آن کہنہ گرگان، یعنی وکیلانِ پدر، بدر آورد۔ چرا کہ چنین صاحبزادہ تیز فطرت
را از بی دانشیِ خود خورد سال پنداشتہ در نظر نمی آوردند ـــ

ان قدیم امرا کی بے اعتنائی اور خودسری اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ معمولی ملازم بھی نافرمانی
کرتے شرماتے نہیں تھے۔ اس کی انتہا یہ تھی کہ میرزا کے مویشیوں اور گھوڑوں تک کو وقت پر دانہ
اور گھاس نہیں دیا جاتا تھا۔ بے زبان جانور چار چار دن تک بھوکے پیاسے اصطبلوں میں
بندھے رہتے تھے۔ مصنف لکھتا ہے کہ:

ـــ در ابتدائے کار، وکیلان پدرش کہ میرزا را خود پروردہ بودند، چنان می پنداشتند کہ
این طفل نادان باشد، از و، ہیچ نخواہد شد، بلکہ عار از خدمت او می داشتند ـــ

ایک روز کا واقعہ لکھتا ہے:

ـــ یک روز عرب کوکہ . . . . ایشان را در سواری دید، و خود بطواف میرزا جانی بیگ
آمدہ بود، باز گردیدہ در کنار مسجد در آمدہ بہ بہانۂ نماز نشست و میرزا نیز از فرط فترت،

دریافت کہ این کدام فوج سواران از من خود را در گوشہ گرفتہ روبرو نیامدہ از ہمین راہ عبور داشت —

لوگوں نے بتایا کہ یہ فلاں شخص ہے جس نے اس طرح دانستہ تجاہل کیا ہے!

بہائی خاں اور ملاگد اعلی جو اس کے باپ کے زمانے کے امیر تھے اور جنہیں مرزا جانی بیگ نے آگرہ سے اپنا وکیل اور مختار بنا کر بھیجا تھا، ان کی کیفیت یہ تھی:

— از رعونت و نخوت در ہم و معاملات دخل نمی کرد کہ عمر عزیز را چگونہ بدین طفل ناآزمودہ کار ناہموار را مصروف نماید۔ [1]

اور امیروں نے اپنی طرف سے ایک شخص احمد بیگ مہرنگ[2] نامی کو مقرر کر دیا کہ:

— او باحوال میرزا پرداختہ باشد، معاملات جزوی بدانش و قوف خود سرانجام نمودہ بسمع سامی رسیدہ باشد، و مہام کل، اگر میرزا نیز حکم فرماید تا ازین استفسار نمایند، در انصرام آن نہ کوشد، کہ صاحبزادہ خورد سال چہ از کار بزرگ می داند، موجب برہم زدگی حکومت و ولایت خواہد بود۔ [3]

میرزا احمد بیگ کا تقرر ان تمام معاملات نے مرزا غازی کو پریشان کر دیا۔ ملک میں روز بروز اس کا اثر زائل ہو رہا تھا، روپیہ کی آمدنی کم ہوتی جا رہی تھی۔ فوج اور ملازم تنخواہیں نہ ملنے کی وجہ سے سست، کاہل اور نافرمان ہو گئے تھے۔ ان مشکلات کی وجہ سے آخر کار میرزا غازی نے اپنے ایک بہی خواہ امیر میرزا احمد بیگ کو سلطنت کا مختار کار اور وکیل کل بنا کر تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا اور اس کو حکم دیا کہ:

---

[1] طاہری ۲۱۵

[2] میرے خطی نسخے خواہ مطبوعہ ہیں — مہرنگ — ہے، ممکن ہے یہ — مہرکن — ہو۔

[3] طاہری ۲۱۵

ـــ شمارا موافق معاملات امور ملکی و مالی نپداشته، مہام کلی وجزوی درولایت علی الاستقلال حوالۂ ایشان فرمودیم، نوعی کمر اخلاص بسته بانصرام مساعی آرند، که وانمود طلبان چند، انگشت اعتراض بر کار ایشان دراز ندارند، ورخنہ درحکومت می اندازند ان شاءاللہ تعالیٰ، آنچہ مدعائے خاطر آن دولت خواہ خواہد بود، ہم چنان نمودہ خواہد شد. اما این ہمہ خود بینان راچنان در پای حساب آوردہ شرمسار وشرمندہ دارند کہ از ما ملاحظہ سبب را نمایند. [۱]

احمد بیگ نے عرض کیا کہ:

ـــ اگر سایۂ اقبال شاہ بر بندہ بی مقدار عاطفت گستر خواہد بود! والتفات روز بروز افزوں خواہند فرمود! توجہ عالی، بمثابہ پرداخت مہام خواہد شد کہ سپاہی درست و خزانہ وولایت بمرتبہ معمور خواہد گشت، کہ صاحب بدولت آفرین خواہند فرمود. کسی کہ ازین نادولت خواہان جریان امرا ایشان نخواہد شد، لسزائی وجزائی شائستہ خواہد رسید، انشاءاللہ تعالیٰ! ازین بدگمان بے اعتقاد ناموافق منافق چند را چنان روزہا خواہد انداخت کہ از کردار ناہموار منفعل وشرمسار گردیدہ، بر صائب رائے صاحب تدبیر و معاملات ملک ودفترت لبعضی بندگان تربیت طلب دیدۂ حیرت وحسرت خواہند کشاد [۲]

میرزا احمد بیگ نے اس کے بعد ایک اور درخواست بھی کی اور کہا کہ:

ـــ غرض گویان از روی غرض درباب بندہ عرض نمایند، تا تفحص وتمیز نشود، مسموع نہ فرمایند! ونوشتہ بدست خاص بدین مضمون مرحمت شود کہ درسخن صلاح دید اوکسی دیگر دخل ندارد ـــ

---

[۱] طاہری ص ۲۱۶

[۲] طاہری ص ۲۱۶

تاریخ طاہری کے مولف نے لکھا ہے کہ جب یہ نیا تقرر عمل میں آیا اور احکام صادر ہوئے اور ان گرگوں کو پتہ چلا جو ملک کو بکری سمجھ کر اپنے اپنے چنگال میں دابے ہوئے بیٹھے تھے، تو یک لخت خواب خرگوش سے بیدار ہو کر متحیر و متفکر ہو گئے۔ سب سے زیادہ بہائی خاں کو طیش آیا، اور:

— از پائے تا سر بآتش حسرت و حیرت سوخت۔

وہ نافذ شدہ حکم ہاتھ میں لے کر مرزا غازی کے محل کے دیوان خانے میں پہنچا اور میرزا احمد بیگ سے کہا۔ اس بیوقوف صاحبزادے کے کہنے پر تم نے اپنے آپ کو کیسے بیوقوف بنایا ہے کہ احکام صادر کرنے لگے ہو!

احمد بیگ نے مناسب اور موزوں جواب دیا تو بہائی خاں نے تن کر کہا:

— او طفل نادان است! از معاملات ملک چہ خبر دارد! این مہمات وابستۂ ما مردم است، پدرش ہم اورا و ہم ولایت را بمایان سپردہ بود کہ در آنچہ خیریت و خیر خواہی این سلسلہ دانستہ باشد آنچنان نمایند۔

احمد بیگ نے جمعیت خاطر اور بڑے اطمینان اور اعتماد کے ساتھ جواب دیا:

— ملک میراث اوست، نہ میراث شما! بہر کہ سپارد بخود میداند، فردا نیک و بد از و درخواست خواہد فرمود۔

بہائی خاں نے کہا:

— مگر ما مردم را عزل دانستہ تر انصب کردہ است؟ —

جواب ملا کہ:

— از بندگی ایشان استفسار باید داشت تا معلوم مفہوم شود۔ ؎

؎ طاہری ص ۲۱۹

اس وقت ایک خادم مولہ نامی کو جو دربار سے دولت رائے کا خطاب حاصل کر چکا تھا بہائی خاں نے میرزا غازی کی خدمت میں دریافت حال کے لئے بھیجا۔ وہاں سے جواب آیا کہ:

— شمارا در مہام خود تصدیعہ نمی توانیم داد کہ بسیار خدمت میرزائے مرحوم نمودہ اید! الحال، از دولت ما فراغت دارند کہ حکم حکم ماست! بہر کہ دستوری می فرمائیم، دیگران را متابعت او واشتنی باید کہ بندگان را بجز اطاعت و حکم برداری محبت و قدرت نیست! بصلاح دولت خود درین دیدہ ایم کہ بہ جمیع معاملاتِ ولایت بدست اوی رسیدہ باشد و شما ہم متابعت نمائید کہ اختیار ما بدست اوست — ۱؎

اس غیر متوقع جواب سے نہ صرف بہائی خاں کے ہوش ٹھکانے لگ گئے بلکہ دوسرے امیر اور بے پروا اہلکار بھی بقول صاحب تاریخ طاہری

— از گوش پنبہ غفلت بر آوردہ بہ ہوش آمدند — ۲؎

اب بظاہر تو یہ لوگ خاموش ہو گئے لیکن درپردہ سازشوں اور توڑ جوڑ میں مشغول ہو گئے تاکہ:

— اگر تفرقہ و پریشانی و قصور و فتور پدید آید، و از جائی فتنہ قائم شود، متانت و برتری ما بہ میرزائی خودکام و خورد سال بظہور رسد — ۳؎

ملکی معاملات کی اصلاح ابتدائی مشکلوں پر قابو پانے کے بعد میرزا احمد بیگ نے ملکی معاملات کی طرف توجہ کی۔ فوج کو از سر نو درست کیا، ایک مدت سے فوج کی تنخواہیں وقت پر نہیں دی جاتی تھیں وہ باقاعدگی کے ساتھ جاری کیں، عوام کو خوشحال بنانے کی تجویزیں

۱؎ طاہری ص ۲۲۰

۲؎ طاہری ص ۲۲۰

۳؎ طاہری ص ۲۲۱

سوچیں اوران پر عمل کیا۔ شرفا اور مستحق لوگوں کے مسدود شدہ وظائف پھر سے جاری کئے، ایوانِ حکومت کی کارکردگی میں اس طرح اصلاح اور تیزی پیدا کی کہ ہر عرضی گذار اور داد خواہ معروضہ پیش کرنے کے بعد تین دن کے اندر اندر اپنی دادرسی کو پہنچ جانے لگا۔

جاگیرات کا نظام بھی نئے سرے سے درست کیا۔ قبل ازیں تمام جاگیردار جاگیروں کی پوری آمدنی ہضم کر جاتے تھے اور سرکاری مطالبات کی ادائی، خرابی فصل کے بہانے سے ٹال جاتے تھے اس قسم کے لوگوں اور اہل کاروں کی جاگیریں ضبط کر کے خالصۂ سرکار میں شامل کر دیں۔ اس سے دوسرے جاگیرداروں کو عبرت ہوئی اور وہ دیانت دار اور ایماندار بن گئے۔

ان تمام نئے اور موثر انتظامات کی وجہ سے ملک میں سکون محسوس کیا جانے لگا۔ ملک کی سرسبزی اور خوشحالی بڑھنے لگی، رعایا میں جان آگئی، نا امیدی اور مایوسی کی وجہ سے جو انتشار کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، وہ رفتہ رفتہ دور ہوتے لگی۔ مملکت پر اپنے نوجوان حاکم کے تدبّر اور اندازِ حکمرانی کا سکّہ بیٹھنے لگا۔

میرزا غازی ان حالات کو دیکھ کر مطمئن ہو گیا اور اپنے باتدبیر اور نیک نہاد وزیر کو سلطان کے لقب سے سرفراز کیا۔

بغاوتوں کی ابتدا معزول شدہ امرا اور بے دخل کارندے پہلے تو اس انتظار میں خاموش بیٹھے رہے کہ ان کے بغیر اس برباد شدہ سلطنت کا انتظام نہ میرزا غازی سے سنبھل سکتا ہے اور نہ اس کے مختارِ کل احمد بیگ سے، اس لئے جلد ہی پھر انہیں کو عنانِ اختیار و اقتدار سونپی جائے گی۔ لیکن انتظامِ مملکت کی گاڑی جب بغیر رکاوٹ کے تیزی سے چلتی نظر آئی اور ان کی طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت درپیش نہ ہوئی تو انہیں تشویش پیدا ہوئی کہ اگر کچھ مدت اور یہی صورتِ حال رہی اور انتظامِ ملکی کی بنیادیں پختہ ہو گئیں تو پھر یہ سب لوگ گلدستۂ طاقِ نسیاں ہو کر رہ جائیں گے۔ لہٰذا انھوں نے اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کیا اور ملک میں انتشار پھیلانے اور فتنے برپا کرنے کی ترکیبیں کرنے لگے۔

مخالفین اس کے لئے ملک میں مواد موجود تھا، خود میرزا غازی کے خاندان میں دو افراد ایسے تھے جو اپنے دل میں سلطنت حاصل کرنے کی دبی دبی سی آرزو رکھتے تھے، ایک تو میرزا عیسیٰ ترخان (ثانی) تھا جو ٹھٹھہ ہی میں رہتا تھا اور سندھ کا طاقتور قبیلہ سمیجہ جو اس کا ننھیال تھا، ہمدرد اور طرفدار تھا۔ دوسرا شخص میرزا منظفر بن میرزا باقی ترخان تھا، جو میرزا غازی کا چچا تھا اور ایک عرصے سے کچھ کے راجہ کے ہاں مقیم تھا۔

شاہ قاسم خاں ان دو کے علاوہ امرا کا ایک اور خاندان بھی تھا جو مرزا غازی کے عدم التفات کی وجہ سے اپنا اقتدار کھو چکا تھا، اور دوبارہ اپنا اثر و رسوخ حاصل کرنے کا آرزومند تھا۔ یہ شاہ قاسم خاں کا خاندان تھا۔

شاہ قاسم خاں خود اور اس کا بیٹا امیر ابوالقاسم سلطان، دونوں ترخانی عہد کے با اثر اور ذی اقتدار فوجی سردار، امیر اور جاگیردار تھے۔ گذشتہ دور میں اس خاندان نے بڑے بڑے فوجی اور ملکی کارنامے انجام دیئے تھے۔ میرزا جانی کے زمانے میں عمرکوٹ کے راجہ سودرہ کو شاہ قاسم خاں نے مغلوب کر کے عمرکوٹ حاصل کیا تھا۔ نصرپور کا علاقہ سالہا سال سے اس کی جاگیر میں چلا آتا تھا۔ علاوہ اس کے حکمران خاندان سے ان کی رشتہ داری بھی تھی۔ میرزا غازی کے والد میرزا جانی بیگ نے شاہ قاسم خان ارغون کی لڑکی سے شادی کی تھی جس کے بطن سے ایک لڑکا میرزا ابوالفتح پیدا ہوا۔ شاہ قاسم کے لڑکے ابوالقاسم سلطان کی لڑکی پہلے ابوالفتح سے منسوب ہوئی تھی اور اس کے انتقال کے بعد میرزا غازی سے بیاہ دی گئی تھی۔

ابوالقاسم سلطان بے مثل بہادر اور بہت بڑا جنگجو تھا۔ "تاریخ طاہری" میں اس کے متعلق لکھا ہے:

— ہر طرف کہ رجوع می داشت فتح می گردید، الحق جائے آں داشت کہ ازاں حین

بازکہ حسام در دست گرفتہ ہیچ جا شکست نخوردہ بود۔ دکارہا کردکہ دراں عہد مہیان

نواحی کسی یاد نداشت۔ چنانچہ درحیات میرزاے مرحوم (مرزا جانی) سودھائے عمرکوٹ را شکست دادہ، بے دخل ساختہ، در قلعۂ الیشان درآمدہ، چند شبان روز خانہ ہائے راجپوتان مع زنان آنہا تقسیم نمودہ بہ نوکران خود داد۔ وگاوکشی بمرتبہ داشت کہ تمام چاہ و تالاب ہندوان از جیفۂ آن مالامال ساخت۔ [1]

پھر لکھتا ہے کہ اس نے اپنی بہادری، مردانگی اور سپاہیانہ فن کاری کی ایسی دھاک بٹھا دی تھی کہ:

— اگر اتفاقاً یک طرف میل سواری می داشت، ہر طرف مردم ملاحظہ می کردند —

یہ بہادر اور ذی وقار خاندان، جس نے ایوان حکومت کو قائم رکھنے میں ایک مضبوط ستون کا کام انجام دیا تھا، اب میرزا غازی سے روگرداں ہو گیا تھا۔ خسرو خاں چرکس، بہائی خان اور گدا علی وغیرہ تو احمد بیگ کے تقرر کے بعد ہی سے حکومت کا تختہ الٹنے کی فکر میں تھے۔ تاریخ طاہری کا مؤلف ان کے متعلق لکھتا ہے:

— حسودان چند، کہنہ کار از تشویر خجالت، خود را معزول پنداشتہ شروع شورش در اطراف و جوانب ولایت ساختند —

ملک میں عام فتنہ و فساد پھیلنے سے پہلے ان لوگوں نے خود شہر ٹھٹھ میں بلوے کرانے شروع کر دیئے تاکہ سب سے پہلے دارالسلطنت کا امن وامان غارت ہو جائے، اور اس کے اثرات سے یہ فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ ایک دن ندیم کوکہ اور قاسم علی کوکہ کو ایوان حکومت کے احاطے میں دیوان خانے کے اندر محمد علی سلطان کابلی اور اس کے بیٹے محمد معین اور خالو صبور علی نے بلاوجہ اور بے قصور دن دھاڑے شدید زخمی کر دیا اور اس حرکت کے بعد وہ دیوان خانے سے نکل کر اپنے گھر تک بڑے اطمینان کے ساتھ چلے گئے، لیکن کسی کو ہمت نہ پڑی کہ ان

---

[1] تاریخ طاہری صہ ۲۲۸

کو گرفتار کرلے۔[1]

میرزا غازی نے جب ان کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا تو دوٹوک جواب دے کر اس کو واپس کر دیا۔ شہر میں انتشار پھیل گیا لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے اور باہم دست و گریباں ہو گئے۔ میرزا غازی کے آدمی بڑی شکل سے حالات پر قابو پا سکے اور مجرموں کو ان کی حویلی کے قریب قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح چند اور بھی اس قسم کے واقعات رونما ہوئے جس کی وجہ سے انتظام میں خلل پڑنے لگا۔

مرزا غازی احمد بیگ سلطان کو اپنا دلوان مقرر کر کے خود:

۔ در محل "عشرت گاہ" و "دلکشا" کہ در آن حین نو بنا فرمودہ بودند بہ دلبران دلخواہ و ندیمانِ غم کاہ، گاہ بے گاہ بہ عیش و طرب ۔۔۔[2]

مشغول ہو گیا تھا، ان واقعات سے چونک اٹھا اور چاہا کہ ان تمام شورہ پشتوں کا ایک ہی دفعہ قلع قمع کر دے چنانچہ سب سے پہلے خسرو خاں چرکس کو ختم کرنے کا ارادہ بلکہ اہتمام کیا۔ لیکن میرزا علی ترخان کے ذریعہ، جو اس اہتمام کے وقت موجود تھا۔ خسرو خاں اطلاع پا کر بچ گیا۔ میرزا غازی نے عیسیٰ ترخان کو تہہ تیغ کرنا چاہا، لیکن وہ ٹھٹہ سے نکل کر سیہجہ قبیلے میں جا کر پناہ گزین ہو گیا اور انتظار کرنے لگا کہ:

۔ امروز فردا فتنہ قائم خواہد گشت و مرا نیز از ملک یک گوشہ ۔۔۔۔۔

---

[1] طاہری ص ۲۲۶

[2] طاہری ص ۲۱۷

(۴)

ابوالقاسم سلطان کی بغاوت

میرزا غازی ابھی مقامی امرا کے قلع قمع کرنے کی تدبیر کر ہی رہا تھا کہ نصرپور[۵] کے علاقے میں ابوالقاسم سلطان نے بغاوت کا علم بلند کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ابوالقاسم سلطان نے سوچا کہ اگر میں اس وقت اور موقع سے فائدہ اٹھاؤں تو کسی کی یہ مجال نہیں کہ میرے مقابلے میں کامیاب ہو سکے۔

۵ـ روایتاً یہ بات تحفۃ الکرام میں ہے کہ سلطان فیروز تغلق کے ایک امیر نصر نے اس شہر کو آباد کیا۔ سانکرہ (شاخ دریائے سندھ) کے کنارے پر ایک قلعہ بنوایا، پانی کی وجہ سے یہ شہر جلدی شاداب اور سرسبز ہو گیا۔ کثرت سے باغات تھے۔ ترخان سرداروں نے اس شہر کو سرسبز ہونے کی وجہ سے بہت پسند کیا اور اس میں سکونت اختیار کی، نصرپور تجارت و صنعت و حرفت کا بھی مرکز تھا، اس وقت بہت چھوٹا سا قصبہ رہ گیا ہے۔ دریا کی شاخ خشک ہونے کی وجہ سے اس کی مرکزیت ختم ہو چکی ہے۔

—تمام حکومت ملک بدست ما خواہد آمد، کدام کسے است کہ روبروے ما شمشیر خواہد کشید۔

فتح کے بعد جو پروگرام ابوالقاسم کے ذہن میں تھا اس کا نقشہ تاریخ طاہری کے مولف نے اس طرح کھینچا ہے:

—میرزا فرزند ماست، چند دیہہ بدو جاگیری سازم و پیش خود نگاہ می دارم، باقی یکسر بہ تحت تصرف ما خواہد شد. غلامان مع حویلی و فرزندان واملاک بہ لفران و خاصہ خیلان خویش می بخشم۔

غرض، بغاوت کی ابتدا یوں کی کہ ایک قافلہ تاجروں کا جو ٹھٹھہ سے جیسلمیر کی طرف جا رہا تھا جب نصر پور کے قریب سے گذرا تو اس کا تمام مال و اسباب لوٹ کر ٹھٹھہ کی طرف واپس بھیج دیا۔ ٹھٹھہ پہنچ کر قافلہ والوں نے مرزا غازی سے فریاد کی مرزا غازی نے ابوالقاسم سلطان کو ایک خط لکھا اور اس کو تنبیہ کر کے قافلہ والوں کے مال کو واپس کر دینے کی تاکید کی، خط میں لکھا:

—در عہد حکومت ما بر شما چہ مناسب و لائق بود کہ باوجود چنین پیوند خاص و اخلاص چنان دست درازی داشتہ می خواہید کہ رخنہ ای در نام و ناموس ما اندازند. اگر کسی دیگرے چنین امر ناشائستہ و نالائق بظہور می رسید، ایشان عمدۂ دولت خواہی و ستون عمارت حکومت و عزت ما گردیدہ، روز سیاہ بران می آوردند. برخلاف گذشتہ انسانیت و آدمیت شعار شیوہ خویش ساختہ متاع موی الیہ باز دہند۔

اور آخر میں لکھا کہ:

—این نوبت ازین فعل ناہموار ایشان درگذشتیم و من بعدہ، مردم خود را منع از بدفعلی خواہند داشت کہ لائق نیست۔

اس خط کا کوئی اثر نہیں ہوا؛ مال و اسباب واپس کرنے کے بجائے ابوالقاسم نے لکھا کہ — آپ کے اور میرے درمیان آئندہ 'رین بارگاہ' حد فاصل ہے. اس طرف

میری حکومت اور اس پار آپ کا عمل رہے گا۔ اگر آپ نے زیادہ چون وچرا کی تو میں اپنی سرحد کنار علی جان[۱] تک لے آؤں گا۔"

اس کے بعد اس نے وہ ہنگامہ برپا کیا کہ الامان والحفیظ آمد ورفت کی تمام راہیں مسدود ہوگئیں، میرزا غازی کے تحصیلداروں اور تمام شقداروں کو وہاں سے نکال باہر کیا، "تاریخ طاہری کا بیان ہے کہ:

— فتنہ بمرتبۂ قائم ساخت وحادثہ بمرتبۂ انداخت کہ راہ آمد وشد کشتی وخشکی مسدود ساخت، امن وامان از مفتوحی آں نشاں در گوشۂ کمان ودم شمشیر نہان گردیدہ —

شہر ٹھٹہ کی تباہی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

— چون در مردانگی ودلیری از خوردی باز علم والف بود، شہری وسپاہی، خورد وبزرگ از تاخت بیدریغ او، دریغ بر حال خویش می خوردند کہ الحق، اگر بے اختیار تاخت بدین صوب آرد، کیست کہ روبروئے او گردیدہ از عہدۂ مصافش برآید —

ٹھٹہ اور ملک کے دوسرے گوشوں میں جتنے شورہ پشت امیر اور راندۂ درگاہ ملازمین تاک میں تھے، سب نے سمجھا کہ:

— نان مادر روغن افتاد، اَلآن وقت ماست، میرزا را زبون خود خواہیم ساخت —

---

[۱] ٹھٹہ کے قریب ایک نہر تھی جو سمجھے کے باغوں کو سیراب کیا کرتی تھی۔ عطا ٹھٹوی نے اپنے اشعار میں اس کو یاد کیا ہے۔

عطا ز بخت بناز دکہ زاتفاق رسید ۔۔۔ میان نہر علی جان بہ بیش بحر دگولاب)
کہ بود ہر قدمش موج موج دریا لئے ۔۔۔ کہ بود گام بگامش چو عکسِ ماہ ابرآب)

— دیوان عطا ٹھٹوی ص ۱۴۴

لشکر کشی ان حوصلہ شکن حالات میں کہ چاروں طرف مخالفت اور بغاوت کی آگ سلگتی جارہی تھی، خوف وہراس سے سپاہیوں اور شہریوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے، میرزا غازی اپنے لشکریوں کو لے کر باغی کی سرکوبی کرنے کے لئے محل "دلکشا" اور عشرت گاہ سے برآمد ہوا۔

میرزا غازی کی فوج کی تعداد مورخ نے نہیں بتائی جو کچھ بھی تھی وہ افتاں وخیزاں نصرپور کی طرف قدم اٹھا رہی تھی، ٹھٹہ سے میرن کا تیاز تک اس فوج نے جس شان سے راستہ طے کیا اس کی تصویر تاریخ طاہری نے یوں کھینچی ہے:

۔۔ منزل بمنزل خندق کنان و احاطہ کنان از بیم و یاس آن ننتان لیطانی وچوکی نشان می رفتند۔ ہر شب ہراس از حد می داشتند کہ مبادا او (ابوالقاسم) در راہ شب خون آرد۔ ؎

مولف تاریخ طاہری خود ابوالقاسم سلطان کے متعلق یہ رائے رکھتا تھا:

۔۔ واقعی انسانیت ودبدبۂ دلاوری او بجائی بود کہ چنین کارہا از انگشت چپ، ترکش بند، فروترین او می آمد۔ اکثر مردم عام وچہ مردم خاص نیز از رعب چنین می پنداشتند کہ اگر نیم شب از یک طرف تاخت نمود، حاجت تردد دیگر نبود۔ از بس کثرت لشکر باہم دیگر می افتادند۔۔

ابوالقاسم سلطان کو جب معلوم ہوا کہ مرزا غازی کا لشکر شب خون کے خوف سے سخت ہراساں ہے تو میرن کا تیار کی منزل پر کہلا بھیجا کہ:

۔۔ ابوالقاسم ازین قسم زبون نیست کہ از جمعیت لشکر شما اندیشیدہ بہ شب خون کوشش نماید۔ ازین وجہ تاحال شبخون نیاوردہ کہ صف جنگ خواہد نمود و در

؎ تاریخ طاہری ص ۲۳۱

روز روشن میدان از خونِ یلان زنگار رنگ خواہد ساخت۔ ؎

مرزا غازی کے لشکر نے شاہ گڑھ پہنچ کر قلعہ کے سامنے پڑاؤ ڈالا اور جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ابوالقاسم سلطان پر اس لشکر کا کوئی اثر نہیں تھا، وہ بدستور اپنے لاف و گزاف میں مصروف تھا۔ تاریخ طاہری کا بیان ہے:

— ابوالقاسم سلطان نیز در عین ہوا پیش گاہ صبوحی زدہ، بر برج بارہ می نشست و بہ نزدیکان خود از مستی شراب و نخوت جاز ہمین سخن لاطائل می بیود کہ والدہ میرزا جانی بیگ اگر مع ولایت در کابین ما آید، با بہ عقد پدر خود شاہ قاسم خان برآریم۔ و دیگر دختران محمد باقر و جمیع ترخان کہ در محل ایشان است بر برادران و خویشان قسمت نمودہ می دہیم و زنانِ مقربانِ او بہ نزدیکان خویش بر سپاریم۔

صلح ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی مگر حالات روز بروز جنگ کو قریب تر لا رہے تھے۔ ابوالقاسم سلطان کے بوڑھے، دور اندیش اور تجربہ کار باپ، شاہ قاسم خاں نے جنگ کو ٹال دینے اور صلح صفائی کرا دینے کی کوشش شروع کی۔ اس کے لئے یہ وقت سخت مشکل کا تھا، ایک طرف اپنا سر پھرا بیٹا تھا جو سندھ کا حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا، اور دوسری طرف اس کے ولی نعمت کا نور نظر تھا۔ بقول مؤلف تاریخ طاہری:

— اگر طرفداری فرزند خود نماید، در ہمہ عالم شہرت حرام نمکی یابد، واگر ننماید، مردود و مطعونِ آن حق ناشناس شود۔

آخر بڑی کد و کاوش کے بعد شاہ قاسم خاں صلح کرانے میں کامیاب ہوا۔ شرطیں یہ طے ہوئیں کہ: ابوالقاسم سلطان کے پچھلے تمام قصور معاف کئے جائیں اور اس کی جان بخشی ہو۔

؎ تاریخ طاہری ص ۲۳۲

اس کے ساتھ اس کے متعلقین کے قصور بھی معاف ہوں. یہ شرطیں قرآن مجید پر تحریر کی گئیں اس کے بعد ابوالقاسم اپنے باپ اور بھائی مقیم سلطان کے ساتھ میرزا غازی کے حضور میں اس انداز سے پہنچا:

— ازبس دماغ رعونت ہا در سرا وجبلی واقع گشتہ بود، در مجلس کہ در آمد، ہیچ کس را از جملۂ انسان نمی شمرد —

بظاہر تو ملک خانہ جنگی سے بچ گیا، لیکن نہ ابوالقاسم کے دماغ سے فتور گیا اور نہ میرزا غازی کے دل کا میل اترا. کلام مجید درمیان میں آگیا تھا اس لئے مرزا کو بظاہر شرائط صلح کا احترام رکھنا پڑا.

مرزا غازی کا لشکر ابھی اسی جگہ پڑاؤ ڈالے موجود تھا. ابوالقاسم کبھی کبھی مرزا غازی کی خدمت میں سرسری طور پر حاضر ہو جاتا تھا لیکن اس کے کر و فر نخوت و پندار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا. اس دوران میں مرزا غازی نے اس کے انداز اور افتاد طبع کا اندازہ لگالیا اور فیصلہ کرلیا کہ یہ کانٹا کسی طرح سے راستے سے ہٹا دینا ضروری ہے. شرائط صلح میں اس کی جان بخشی منظور کرچکا تھا، اس لئے ابوالقاسم کو قتل کرانا خارج از بحث تھا. البتہ اس کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر بینائی سے محروم کر دینا اس کو ہمیشہ کے لئے بے ضرر بنا سکتا تھا.

ابوالقاسم کو نابینا بنانا اس زمانے میں ندیاں بھرپور چل رہی تھیں. ایک دن مرزا غازی خاں نے تفریح کا پروگرام بنایا. کشتی میں سوار ہو کر دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچا اور سبزہ زار میں محفل سجائی. ابوالقاسم سلطان کو کہلا بھیجا کہ وہ "چنیسر نامہ"[۱] لے آئے تاکہ اس

---

[۱] سندھ کے اس نیم تاریخی داستان کو جس میں کونرو اور چنیسر کے عشق کی روئداد بیان کی گئی ہے راقم نے تصیح کے بعد سال ۱۹۵۶ء میں شائع کیا ہے. یہ بیگلار نامہ کے مؤلف ادرکی بیگلار کی تصنیف ہے جس نے اس کو ابوالقاسم سلطان کے نام پر معنون کیا ہے.

سبزہ زار میں لطف سخن اٹھایا جائے۔

ابوالقاسم سلطان "چنبیر نامہ" لے کر کشتی میں سوار ہوا۔ جب اس کی کشتی بیچ دریا میں پہنچی اس وقت بابا علی یا باغ علی نامی ایک تنومند شخص نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے دوسرے شخص نے اس کے سر سے دستار اتار کر اس کی مشکیں کس لیں۔ تیسرے شخص نے اس کی کمر سے تلوار اور خنجر نکال لیا، اور وہیں کشتی میں سلائیں گرم کر کے اس کی آنکھوں میں پھیر دی گئیں۔

محمد علی سلطان کو اس سازش کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی۔ اس نے ابوالقاسم سلطان کے نام ایک خط لکھا جس میں اس سازش کا پورا حال لکھا تھا۔ مگر ابوالقاسم سلطان کی بد بختی آ چکی تھی، قسمت پلٹ گئی تھی، وہ خط اسے راستے میں دیا گیا مگر اس نے بغیر پڑھے خط کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔

اس کے بعد مرزا غازی کے حکم سے سرکاری سپاہی ابوالقاسم سلطان کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور تمام لشکر کو تہ و بالا کر دیا۔ سوائے ایک جعفر علی ارغون کے جو بہادری سے لڑتا ہوا گرفتار ہوا باقی سارے کا سارا لشکر بغیر مقابلے کے بھاگ کھڑا ہوا۔

ابوالقاسم سلطان اور اس کے ساتھی جعفر علی ارغون کو میرزا غازی کے حکم سے عرب کوکہ کا ملازم دریا خاں ٹھٹھہ لے گیا اور وہاں اپنے ہاں قید رکھا۔ ابوالقاسم سلطان کی تلاشی لی گئی تو محمد علی سلطان کا بلی کا وہ رقعہ نکلا جس میں اس نے ابوالقاسم کو اس سازش کی اطلاع لکھی تھی۔ مرزا غازی نے اس کو توپ دم کرا دیا۔

جب یہ ہنگامہ ختم ہوا تب تمام شورہ پشت مایوس ہو کر بیٹھ رہے۔ میرزا یحییٰ ترخان، جو ایک مدت سے اس فتنہ و فساد میں اپنی حکومت کے خواب دیکھ رہا تھا، نا امید ہو کر سیجہ قبیلہ سے نکل کر سیدھا آگرہ کی طرف اکبری دربار میں پناہ لینے کے لئے روانہ ہو گیا۔ میرزا غازی جب اس کارروائی سے فارغ ہو کر ٹھٹھہ پہنچا تو بقول صاحب تاریخ طاہری:

— مردم کہ او را خورد سال پنداشتہ در نظر نمی آوردند چون بید از بیم... لرزیدن گرفتند —

(۵)

باباطالب اصفہانی کی آمد

میرزا غازی جب اس انتشار میں مبتلا تھا اور ابوالقاسم سلطان کی مہم پر ٹھٹہ سے غیر حاضر تھا، اس وقت باباطالب اصفہانی ٹھٹہ پہنچا۔ اکبر بادشاہ نے میرزا غازی کے لئے خلعت، پروانہ اور امرا کے لئے انعامات دے کر اسے ٹھٹہ بھیجا تھا۔ اکبر نے باباطالب کو یہ بھی ہدایت کی تھی کہ واپسی میں میرزا غازی کو ساتھ لیتا آئے تاکہ وہ خوردسال شاہی دربار میں حاضر ہوکر مزید نوازشوں اور مراحم خسروانہ سے فیض یاب ہو۔ ماثر رحیمی کا بیان ہے:

— باباطالب اصفہانی را برسم ایلچی گری منفر شودہ کہ بہ تتہ رود و میرزا غازی دو کلائے اورا بنوازشات بادشاہی سرفراز ساختہ بہ دربار آورد — [۱]

باباطالب[۲] ٹھٹہ میں میرزا غازی کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ تاریخ طاہری کا

---

[۱] ماثر رحیمی، ج ۲، ص ۳۵۰

[۲] حالات کے لئے دیکھئے تذکرہ شعرائے کشمیر تالیف راقم الحروف ص ۶۶ وفات کا سال ۱۰۳۰ھ ہے

بیان ہے:

— بابا طالب ایلچی، درین اوقات از دار الخلافہ رسیدہ بود، و تمام این واقعات بحضور او گذاشت، و ہمیشہ استعجال بر آمدن با اعلیٰ حضرت می نمود، امّا چون می دانست کہ معاملات ملک این جرد آدمی ابتر و پریشان است، رعایت نیز نگاہ می کرد، ملکہ دستش ازین قسم نمی رسید کہ او را تحکم نمودہ بر آرد — [1]

اس خلفشار میں میرزا غازی کے تقریباً دو برس ضائع ہو گئے۔ ۱۰۰۹ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور ۱۰۱۱ھ تک مہمات ملکی میں مصروف رہا۔ جب ابوالقاسم سلطان کی بغاوت ختم ہوئی اس وقت اسے کسی قدر سکون حاصل ہوا اور دوبارہ ملکی نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ تاریخ طاہری میں لکھا ہے کہ:

— در دو سال بعد از فوت پدر رونق ولایت بمرتبہ ای داد کہ اہل سندھ را از داد و دہش ..... آباد ساخت۔ اکثر اوقات شبہا در شہر مخفی سیری می کرد و احوال ہر یک از نیک و بد معلوم کردہ باحوال او می پرداخت —

جام ہالہ کی بغاوت اسی دوران میں ایک اور چھوٹی سی بغاوت ملک کے ایک حصے میں نمودار ہوئی۔ جام ہالہ کھور ولد جام دلیسر، گگرالہ کا جاگیردار، بلکہ ایک طرح سے خود مختار حاکم تھا۔ سندھ کا یہ حصہ ٹھٹھہ اور جیسلمیر کے درمیان تھا۔ جام نے ملکی انتشار سے فائدہ اٹھا کر شورش شروع کر دی۔ خوش قسمتی سے جام کا ایک عزیز، جام داؤد، اس سے کٹ کر میرزا غازی سے آملا۔ اس کی امداد سے میرزا غازی کے لشکر نے بغاوت کا فوراً سدباب کر دیا۔ اس شورش کو ختم کرنے کے بعد میرزا غازی نے اس علاقے کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ جام داؤد کو اس کی خدمات کے صلے میں دیا اور باقی دو حصے سرکاری

---

[1] تاریخ طاہری ص ۲۳۹

خالصے میں شامل کر دیئے۔

میرزا غازی کی خوش بختی اور اقبال مندی تھی جس کی وجہ سے وہ ان مہموں میں اتنی جلد کامیاب ہوگیا ورنہ کم عمری اور ناتجربہ کاری کے ساتھ ساتھ جب کہ تمام درباری، پرانے امیر، ذاتی ملازم اور ملک کے سربرآوردہ لوگ مخالفت پہ تیار تھے تو یہ بات امکان سے باہر نظر آتی تھی کہ وہ آسانی سے سب پہ قابو حاصل کرلے گا.

(۶)

سعید خان چغتہ کی آمد

یہ تمام واقعات، جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے، سنہ ۱۰۱۱ھ تک کے ہیں۔ بابا طالب اصفہانی کو ٹھٹھ میں رہتے ایک مدت ہو چکی تھی۔ میرزا غازی کی جائز اور ضروری مصروفیت اسے دربار کی حاضری سے روک رہی تھیں، ادھر دربار میں اس کی غیر حاضری کی وجہ سے چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں، غالباً میرزا عیسیٰ ترخان جو سندھ سے بھاگ کر دربار میں پہنچ چکا تھا، اس کا بھی ان سرگوشیوں کے پھیلانے میں کچھ حصہ رہا ہو گا۔ چنانچہ اکبر بادشاہ کا دل مکدر ہو گیا اور میرزا غازی کی غیر حاضری کو نافرمانی پر محمول کر کے سعید خاں چغتہؒ کو لشکر کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ حالات کا جائزہ لے اور میرزا غازی کو فوراً دربار میں لا کر حاضر کرے۔ یہ سنہ ۱۰۱۱ھ کا واقعہ ہے، جیساکہ مآثر الامراء کی اس عبارت سے ظاہر ہے:

— در سنہ ۱۰۱۱ھ مرزا غازی در ٹھٹھ بعد مردن پدر خود جانی بیگ خیال خودسری

لہ دیکھئے مآثر الامراء ج ۲ ص ۳۰۴

پیش گرفت، عرش آشیانی ملتان و بکھر را بہ جاگیر سعید خان تنخواہ فرمود، اورا برسر میرزا تعین کرد۔ [۱]

"خیالِ خودسری" اور "برسر میرزا تعین کرد" کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دربار کی فضا میرزا غازی کی طرف سے مکدر ہو چکی تھی۔ مآثر رحیمی کے الفاظ یہ ہیں:

— سعید خاں چغتائی کوکہ را با بیست ہزار سوار مقرر نمودند کہ رفتہ میرزا غازی را بپایہ سریر خلافت مبسر آورد۔ [۲]

اس عبارت میں "ببیست ہزار سوار" کے تیور درباری جذبات کی غمازی کر رہے ہیں۔ سعید خاں کے ساتھ ساتھ میر ابوالقاسم نمکین کے نام جو اس زمانے میں بکھر میں موجود تھا، میرزا غازی کو لانے کے لئے فرمان جاری ہوا۔ اکبر نامہ کا مصنف سال ۱۰۱۱ھ (۴۷ سال اکبری) کے حالات میں لکھتا ہے:

— بابوالقاسم نمکین فرمان نافذگشت میرزا غازی را با خسرو خان غلامے کہ معتمد اوست روانہ درگاہ والا سازد۔ [۳]

اکبر بادشاہ ابھی تک اس خیال میں تھا کہ خسرو خاں غلام، میرزا غازی کا معتمد ہے۔ اس کو کیا خبر تھی کہ اس معتمد غلام نے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں! اور اپنے فرائض منصبی کو کہاں تک بجالایا ہے!

بہرحال بابا طالب اصفہانی ابھی تک ٹھٹھہ میں فروکش تھا کہ ۱۰۱۱ھ میں سعید خاں چغتائی بھی بیس ہزار سواروں کے ساتھ یلغار کرتا ہوا بکھر پہنچ گیا۔ تاریخ طاہری

---

[۱] مآثر الامراء، ج ۲، ص ۴۰۴

[۲] مآثر رحیمی، ج ۲، ص ۳۵۰

[۳] اکبرنامہ ج ۳، ص ۸۱۶

میں اس کی آمد کی اطلاع اس طرح درج ہے :

— درین وقت خبر آمدن سعید خان اشتہار یافت کہ بگر فتن ایشان از آں جا متعین گردیدہ. اگر بسطوع و طور خویش دریافت او نمودہ ، ملک و مردم او مامون خواہند ماند والا باز ولایت پائمال لشکر ہند خواہد گشت —

کم عمر، مصیبت کا مارا میرزا غازی پریشان ہوگیا. اکبر کی ایک فوج ملک کو روند کر اس کے باپ کو لے گئی تھی. ابھی اس پائمالی کے اثرات زائل نہیں ہونے پائے تھے کہ دوسری فوج اس کو لینے کے لئے سرحد تک آپہنچی. دربار کے صحیح احکام اور سعید خاں کی آمد کا اصلی مطلب ابھی معلوم نہیں ہوا تھا. اہل ملک نے اور خود میرزا غازی نے بھی اس کی آمد کو دوسری جنگ کا پیش خیمہ سمجھا.

جنگ کی صورت میں، میرزا غازی نے خیال کیا کہ "لکی"[1] کے پہاڑ پر ایک مضبوط قلعہ بنا کر اپنی حفاظت کی جا سکتی ہے. لیکن اس میں بڑے خرچ کی ضرورت تھی. علاوہ ازیں مقابلے کے لئے پامردی اور استقلال بھی لازمی تھا جس کے لئے ملک تیار تھا اور نہ میرزا غازی کی خواہش تھی کہ ان حالات میں ملک اور رعایا کو مصیبت میں مبتلا کرے.

---

[1] لکی کے پہاڑ سیوہن کے قریب ہیں.

(۷)

دربار میں روانگی کی تیاری

میرزا غازی کو جب سعید خاں چغتہ کے بکھر پہنچ جانے کی اطلاع ملی تو اس نے بکھر جا کر سعید خاں سے ملنے کا ارادہ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر بکھر سے سعید خاں اس لاؤ لشکر کے ساتھ ٹھٹہ آئے گا تو ملک لشکر زدگی سے تباہ ہو جائے گا، لہٰذا اس نے فوراً بکھر جانے کی تیاری کی اور ملک کا انتظام چاروناچار خسرو خاں چرکس کے حوالے کیا اور عرب کوکہ اور والہ قلی دلیوان کی تحویل میں اپنا لشکر دے کر ملک کی حفاظت کے لئے چھوڑا۔ شاہباز خان، احمد بیگ سلطان، لطف اللہ سلطان، خواجہ امیر بیگ بخشی اور خسرو خاں کے بیٹے سبھائی خان کو ساتھ لے جانے کے لئے تیار کیا۔

روانہ ہونے سے چند روز قبل "فتح باغ"[1] میں آکر ٹھیرا اور وہیں بیٹھ کر سفر کی تیاریوں میں مصروف ہوا۔

---

[1] فتح باغ نہر ایں (شاخ نہران) کے کنارے پر تھا۔ اس کے کھنڈر اور آثار ابھی تک موجود ہیں۔ جنوب رویہ شہر ماتلی (ضلع حیدرآباد) سے آٹھ میل پر۔

ابوالقاسم کا فرار ابوالقاسم سلطان عرب کوکہ کی حویلی میں قید تھا اور دریا خاں اس کی نگرانی پر متقرر تھا، حویلی بہت مضبوط تھی اور چوکی پہرے کا انتظام بھی معقول تھا۔ تاریخ طاہری کا بیان ہے کہ عرب کوکہ نے :

— دریا خان افغان خدمت گار خویش را با جماعت دیگر بر دپاسبان گزاشت۔
باوجود خانہ ہائے چناں محکم کہ طبقہ طبقہ و در در داشتہ، درون و برون چوکے گماشتند۔[1]

اس کے ساتھ قیدی سے بہت اچھا سلوک بھی روا رکھا گیا تھا، اس کے آرام و آسائش کا ہر طرح لحاظ کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ :

— رعایت آن فتنہ وقت ازیں قسم می داشتند کہ بدان کوری خواہ عورت و مرد اگر طلب می کرد، کسے مانع نمی شد۔[1]

پھر لکھا ہے کہ :

— اگرچہ چون باز چشم دوختہ، محبوس بود اما از نشاط و طرب کہ دلش می خواست کمی و کوتاہی نداشت۔[2]

روزانہ رات کو ابوالقاسم سلطان کی بہن شاہ بیگم جو میرزا جانی مرحوم کی زوجہ تھی، شیرینی بھیجا کرتی تھی۔

جب میرزا غازی "فتح باغ" میں جا ٹھیرا تھا تو اس بہادر نابینا کو قید سے رہائی پانے اور ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کرنے کی سوجھی۔ چنانچہ اس نے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کا منصوبہ بنایا۔

---

[1] تاریخ طاہری ص ۲۴۴

[2] تاریخ طاہری ص ۲۴۵

اس کے لئے روزانہ رات کو فیرنی آتی تھی ایک روز اس نے فیرنی کی تاب میں بجائے فیرنی کے رسّی منگوائی، اور رات کو اس رسی کو بادگیر سے باندھ کر بندی خانے کے کمرے سے باہر اتر گیا "پنبہ واہی" میں اس کے لئے کشتی تیار تھی اس میں سوار ہو کر دریا کے دوسرے کنارے پہنچ گیا۔ وہاں پہلے سے دو اونٹوں کا انتظام کر رکھا تھا، ان پر سوار ہو کر راہ فرار اختیار کی۔ طاہری کے مؤلف نے حیرانی کے ساتھ لکھا ہے کہ:

— کسے در خاطر این خطرہ ہرگز نبود کہ آن بے چشم تنہا تواند زین خانہ ہا کہ سر بفلک بودہ اند، بجز بادگیر کہ ازاں گربہ با حیلۂ روباہی می برآید، وراہ دیگر ندارند، تواند برآمد — ۱؎

جس طرح وہ نکلا ہے اس کی تصویر یوں کھینچی ہے:

— دران طور جائے پر صفا کاشی اندود گچ آلود کہ مگس بران پا زندی لغزد کھت (کھاٹ)، را کنارہ دیوار درون خانہ نہادہ، بر طاق سوار گشت و از آنجا نردبان بربالائے خانہ بود برآمد، چوں در طبقہ بوم رسید کہ بالاتر ازان محل دیگر نبود دریچہ خورد کہ در روز نفران بدو نشان دادہ بودند۔ تنہا بچشم کور در نیم شب آن را یافتہ طناب بہ بیخ لبنہ سر دریچہ ساخت در ریسمان بیرون تافت. تن لقد ادو جسم جسیم خویش بزور کتف و دست چپاں برآورد کہ بعض جا پوست اعضاء آن عیار عالم برآمد۔ چون ازان روزن مانند ریسماں بسوزن درگذشت، دست بر ریسماں گرہ ناک نہادہ انگشت پارا دران بند داشتہ آہستہ آہستہ بزمی صر در آمدہ، کہ اندیشۂ اہل بینش اندرین حال حیراں ماند — ۲؎

۱؎ تاریخ طاہری صـ ۲۴۵

۲؎ تاریخ طاہری صـ ۲۴۶

جمعہ کی رات کو یہ فراری ہوئی تھی، دوسری صبح کو جب ہندو پوجا پاٹ کے لئے ادہر سے گذرے تو انہیں بادگیر سے لٹکتی ہوئی رسّی نظر آئی۔ انہیں شک گذرا اور چوکیداروں کو اس کی اطلاع کی۔ اس اطلاع پر جب اندر دیکھا بھالا گیا تو معلوم ہوا کہ قیدی تو ندارد تھا، البتہ ایک چارپائی دیوار سے لگی ہوئی تھی جس پر چڑھ کر قیدی بادگیر تک پہنچا تھا۔

ابوالقاسم سلطان کی چابکدستی کا کمال یہ تھا کہ نہ صرف خود رہائی حاصل کی بلکہ اپنے ساتھی جعفر علی ارغون کو بھی، جو دوسری حویلی میں قید تھا، نکال کر اپنے ساتھ لیتا گیا۔

میرزا غازی کو "فتح باغ" میں یہ اطلاع پہنچی، بہت پریشان ہوا۔ ملک کا انتظام خسرو خان کے ہاتھ میں دے چکا تھا، خود ملک سے باہر جا رہا تھا جہاں سے واپسی کے متعلق اس کو کوئی یقین نہیں تھا۔ ابوالقاسم سلطان کے آزاد ہو جانے سے ملک کے اندر جو اندیشناک صورت حال پیدا ہو سکتی تھی وہ صاف عیاں تھی۔

ابوالقاسم سلطان کے فرار ہو جانے سے مرزا غازی کو جو تشویش ہونی چاہیئے تھی وہ تو تھی ہی مگر اس سے اہل شہر کی حالت بھی دگرگوں ہو گئی، مولف تاریخ طاہری کہتا ہے کہ:

— از رعب آن بے بصر، صاحب دبدبہ، اضطراب در سپاہی و شہری چنان پیدا گشت کہ گویا ہزار لشکر ہمین زمان از جائے بر شہر خواہند ریخت — [1]

دریا خاں جس کی تحویل سے قیدی فرار ہوا تھا اس کی حالت یہ تھی:

— آن بیچارہ از بیم خوردن خانمان متفکر و حیران بود کہ اگر او را بدست نخواہد آورد، اہل و عیالش را بدیگران خواہند بخشید و خود خوراک کدام سگان تشنہ خون می گردد —

شہر میں پھیلی ہوئی افواہوں اور چہ میگوئیوں کی آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی روئداد مصنف

---

[1] تاریخ طاہری صہ ۲۴۷

نے یوں لکھی ہے:

— فقیر بگوش خود از مردم شہر ٹھٹھہ آن روز ہمین استماع می داشت کہ امثال ابوالقاسم ہنر بر را حوالۂ روباہان می سازد و ہرچہ از زبان اہل بازار و اصناف می آمد، می گفتند و ٹھٹھہ کہ او را بدست آورد، ہمان مردم بدان زبان صد انواع مدح او می گفتند کہ چہ خوش بہادر و دلاور ے و مردانہ بود کہ او را گرفتہ آوردہ۔ آرے عزت و خواری قہر و لطف بدست ارادہ باری است۔ در یک ساعت خوار را عزیزے سازد و عزیز را خوارے گرداند۔ کسے را مجال و یارائے دم زدن نیست — ۱؎

دریا خاں غریب مفرور قیدیوں کی تلاش میں دیوانوں کی طرح نکلا۔ "ساموئی" ۲؎ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس طرف چار شتر سوار ابھی ابھی گئے ہیں۔ آخر بڑی دوڑ دھوپ اور تلاش و جستجو کے بعد ان کو جا لیا۔ جعفر علی ارغون تو مقابلہ کرتے ہوئے وہیں مارا گیا، ابوالقاسم سلطان بہت حیلوں اور کوششوں کے بعد گرفتار ہوا۔

جعفر خاں ارغون کے سر کو نیزے پر رکھ کر شہر میں تشہیر کی گئی اور پھر اس کو عبرت کی خاطر ایک چوراہے پر لٹکا دیا گیا۔ ابوالقاسم سلطان کو کڑی نگرانی میں قید میں رکھا گیا۔ میرزا غازی کو جب یہ اطلاع ملی تو اس نے سجدۂ شکر ادا کیا، عرب کوکہ کو سروپا معہ اسپ خاصہ عنایت کیا گیا، اور دریا خاں کو تنخواہ میں اضافہ کے ساتھ خلعت بھی عطا کی گئی اور اسے اپنی ملازمت خاص میں رکھ لیا۔

۱؎ تاریخ طاہری صہ ۲۴۸

۲؎ مکلی کے پائین پرانا شہر جو اب ویران ہے۔

(۸)

میرزا غازی اور ابوالقاسم نمکین

جس دور میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا، میر ابوالقاسم نمکین سہوان کا گورنر تھا۔ سعید خاں کو روانہ کرتے وقت اکبر نے، جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، میر ابوالقاسم نمکین کو بھی فرمان بھیجا تھا کہ وہ خود ٹھٹھہ جا کر مرزا غازی کو وہاں سے نکالے اور دربار میں پہنچا دے۔ چنانچہ میر ابوالقاسم تیاری کر کے سہوان سے ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہوا، اس وقت سعید خاں دربیلہ میں منزل انداز تھا۔ میر ابوالقاسم نمکین نے چاہا کہ سعید خاں سے پیشتر ٹھٹھہ پہنچ کر مرزا غازی کو ساتھ لے اور دریا کی طرف روانہ ہو جائے۔ اس غرض سے وہ نصر پور تک پہنچا اور میر عطاء اللہ مشہدی کو اپنے آنے کی اطلاع دینے کی غرض سے مرزا غازی خاں کے ہاں بھیجدیا۔ یہ پیام پہنچتے ہی مرزا غازی نے ابوالقاسم نمکین کو کہلا بھیجا کہ میں خود دربار جانے کے لئے پابہ رکاب ہوں اور عنقریب آپ کے پاس سہوان پہنچ رہا ہوں! اس لئے آپ یہاں تک آنے کی زحمت نہ کریں۔ چنانچہ میر ابوالقاسم نمکین سہوان واپس چلا گیا اور چند روز کے بعد مرزا غازی بھی سہوان پہنچ گیا۔

میرک یوسف ابن ابوالقاسم نمکین، نے "مظہر شاہجہانی" میں اس سلسلے میں جو لکھا ہے،

وہ درج ذیل ہے:

"وچون میرزا جانی فوت شد، میرزا غازی پسر او در ٹھٹھہ بود، برائے تسخیر او سعید خاں را حضرت عرش آشیانی ملک بھکر و ملک سیوی جاگیر دادہ فرستادند۔ او آمدہ در پرگنہ دربیلہ نشست۔ و پیر غلام (ابوالقاسم نمکین) را فرمان صادر شد کہ خود رفتہ میرزا غازی را سزاولی کردہ، از ٹھٹھہ بر آوردہ بحضور فرستند۔ بنا بر آن او استعداد لشکر خوب کردہ، حسب الحکم می خواست پیش از سعید خان خود را بہ ٹھٹھہ رسانیدہ، میرزا غازی را سزاولی نمودہ بجانب دار الخلافت آگرہ برآرد چنانچہ تا نصر پور کہ ناف ملک ٹھٹھہ است، رفت۔ و میر عطاء اللہ مشہدی را از ملازمان خود کہ در فضیلت شعر و خط دخل تمام داشت، ایلچی کردہ پیشتر فرستاد کہ این خبر را میرزا غازی شنیدہ در جواب نوشت کہ من حکم حضور را قبول دارم، شما برگشتہ روید و من در تعاقب شما می آیم۔ و پیر غلام (ابوالقاسم نمکین) مراجعت نمودہ بہ سہوان آمد، و متعاقب او میرزا غازی رسید۔ و پیر غلام (ابوالقاسم نمکین) او را ہمراہ کردہ پیش سعید خان آورد۔ و از آں جا ہر سہ باہم متفق شدہ روانہ دار الخلافت آگرہ شدند۔"[1]

سعید خاں سے ملاقات میرزا غازی کے سہوان پہنچنے کے بعد ابوالقاسم نمکین[2] بھی اس کے ہمراہ ہو لیا، سہوان سے کوچ کر کے یہ دونوں سعید خاں کے پاس پہنچے جو دربیلہ میں مقیم تھا۔[3]

---

[1] منظر شاہجہانی صہ ۱۱۱ - ۱۱۲

[2] اس فرمان کا ذکر اکبر نامہ میں بھی ہے جو آگے آ رہا ہے ابوالقاسم نمکین (متوفی ۱۰۱۸ھ) کے لئے دیکھئے ماتم کی کتاب "تذکرۂ امیر خانی"

[3] ذخیرۃ الخوانین میں ہے کہ سعید خاں سے میرزا غازی کی ملاقات موضع ستیا رجہ (توابع سرکار بھکر) میں ہوئی۔ (خطی صہ ۲۱۳)

ملاقات کے دوران میرزا غازی نے سعید خاں سے اپنی مشکلیں بیان کیں اور دبیر کرنے کے اسباب بنائے۔ سعید خاں اس نوجوان فرماں روا کے حالات، اس کے خلوص اور سعادت مندی سے بہت متاثر ہوا۔ تاریخ طاہری کا بیان ہے:

— نواب، آن بخت مسعود را بچشم فرزندی دیدہ تلطف و سلوک پدرانہ بنوع و نہج کردن گرفت کہ ہیم خاطر او مبدل بہ امید گردید۔ و بہ فرزند رشید خویش سعد اللہ خان کہ ناصیہ دولت او چون آفتاب اندر چرخ چہارم رخشان و تابان است، می درخشید چنان اشارت عیان و پنہان فرمود کہ بدین گوہر بحر خاندان اصالت و آدمیت یاری و برادری صوری و معنوی ہمیشہ و ہمہ وقت از اندازہ افزون مبلاشتہ باشد، "تا غمگین و دل گیر نباشد ہمہ وقت ہر دو گلدستہ باغ جوانی و جوان بختی شاخسار پر بار کامگار و کامیابی بہ شکار و چوگان بازی شغل بلیغہ می داشتند۔ [۱]

تحفۃ الکرام میں بھی اس حقیقت کو اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے:

— خان مذکور بحالش متوجہ تمام گردیدہ بہ فرزند خود مرزا سعد اللہ گفت: از ناصیۂ این جوان آثار اقبال جلوہ گر است، و ترا با او عقد اخوت بستم باہم برادری صوری و معنوی ممتد نمائید۔ [۲]

ماثر الامرا کا مصنف اس کی تصدیق ان الفاظ میں کرتا ہے:

— و با سعد اللہ خان لپرش کہ خالی از کمال نہ بود صحبت مرزا کوک شدہ — [۳]

---

[۱] تاریخ طاہری ص ۲۴۱ - ۲۴۲

[۲] تحفۃ الکرام، ج ۳، ص ۸۲ - ۸۳

[۳] ماثر الامرا ۳ : ۳۴۶

(۹)

دربار کی طرف روانگی

جب سندھ سے کوچ کرنے کا وقت آیا تو جانے سے پہلے میرزا غازی نے اپنی مملکت کے انتظام کو بدلنا چاہا۔ خسرو خاں چرکس کی تحویل میں مملکت کا انتظام چھوڑنے کے بجائے اسے ہمراہ لے جانا ضروری سمجھا کیونکہ خطرہ تھا کہ:

— اگر بجا گیر خواہد بود، آیا بعد از ما نفاذ امر دارد یا نہ۔ کہ بحضور ما نیز موافق رائے خویش کار می نماید۔ در غیبت ازین بتر خواہد کرد —

مرزا احمد بیگ سلطان، جس کو مرزا غازی خسرو کے بجائے اپنا قائم مقام کرنا چاہتا تھا اس کی کیفیت یہ تھی:

— اگر از رکاب صاحب خدمت سمہ اختیار خواہم نمود، رسوا خواہیم گشت کہ مردم بوسیہ ہمہ بخان وابستہ اند وعاقبت معاملہ، صاحب نیز معلوم نیست کہ کجا خواہد انجامید پس لائق چنانکہ از رکاب محروم نماند — [1]

---

[1] تاریخ طاہری صہ ۲۵۱

خسرو خاں جرکس سانتھ جانے پر رضامند نہیں تھا اور احمد بیگ سلطان سانتھ جانے پر مصر تھا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ خسرو خاں ٹھٹھہ میں قائم مقام کی حیثیت سے کام کرتا رہے اور احمد بیگ بھی وہیں رہ کر فوج اور مالی معاملات کی نگہداشت کرے جس میں خسرو خاں کو مداخلت کا حق نہیں ہوگا۔

دربار میں باریابی مرزا غازی ۱۰۱۳ھ میں آگرہ پہنچا۔ صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے کہ ۱۷سال کی عمر تھی جب وہ شرف اندوز ملازمت ہوا۔ تاریخ طاہری اور لُبِّ تاریخ سندھ کے مصنف نے بھی ۱۰۱۳ھ میں اس کا دربار میں پہنچنا بتایا ہے۔ اکبر نامہ سال ۱۰۱۳ھ (۵۰ سال جلوس اکبری) کے واقعات میں لکھتا ہے کہ:

— چہاردہم مہر ماہ الاہی (۱۰۱۳ھ) سعید خان با پور خود و ابوالقاسم نمکین ملازمت نمود۔ و میرزا غازی پور میرزا جانی ترخان از ٹھٹھہ آمدہ جبین بسجود آستان اقبال نورانی ساخت۔ و گزیدہ پیش کش بہ نذرانہ گذرانید۔ ہشتم دہم، بہ میرزا غازی و ابوالبقا اوزبک گوہر مرصع و بہ عابدی خواجہ جبہ ضمر مرحمت شد۔ ؎

تاریخ طاہری کا مولف دربار میں باریابی کی کیفیت یوں بیان کرتا ہے:

— دو ہزار و سیزدہ سن جلوس، بہ خاک بوسی قبلۂ آستان اعلیٰ حضرت عرش آشیانی بہ دارالخلافت آگرہ، مشرف شد۔ افتخار کونین و مباہات کائنات حاصل داشت۔ چون آن والی ولایت حقیقی و مجازی بصورت و معنیٰ اورا از جملۂ صادقان اخلاص آئین یافت، منظور نظر کیمیا اثر فرمودہ شمشیر خاصہ بدو عنایت نمودہ۔ از یمن الطاف و مرحمت بہ منصب پدر ممتاز و سرفراز داشتہ، دستور سابق صوبہ سندھ بجاگیر

؎ مآثر الامراء ج ۳ ص ۳۴۶

؎ اکبر نامہ ج ۳ ص ۸۲۹ و تذکرہ امیر خانی ص ۳۲

اد منقرر و مفوض فرسوده۔ ؎۱

میرزا غازی کو وہاں چند مہینے نہیں گزرے تھے کہ اکبر بادشاہ کا انتقال ہوگیا (۱۱ جماد الثانی ۱۰۱۴ھ) اور جہانگیر تخت نشین ہوا۔

خسرو خاں کی بے راہ روی خسرو خاں نے مرزا غازی کے غیاب میں اپنی سابقہ ریشہ دوانیاں پھر شروع کر دیں۔ اسے احمد بیگ سلطان کا وجود کھل رہا تھا اور کسی نہ کسی طرح یہ کانٹا راستے سے ہٹا کر اپنے لئے میدان صاف کرنا چاہتا تھا۔

اس نے اپنے داماد شیخ کالہ (نواسہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی) اور قاسم خاں چرکس سے مشورہ کیا۔ طے یہ پایا کہ ارغون اور ترخان قبیلوں کو برانگیختہ کر کے احمد بیگ کو اس طرح ذلیل و رسوا کر دیا جائے تاکہ اس کو یہاں رہنے کی ہمت اور جرأت نہ ہو۔

ان سب کا خیال یہ تھا کہ میرزا غازی کا آفتاب اقبال دربار میں پہنچ کر غروب ہو جائے گا، اور سندھ کی سرزمین ان کی ریشہ دوانیوں کے لئے وقف رہے گی۔ لہٰذا وہ احمد بیگ کی ٹھٹہ میں موجودگی، اپنے اغراض کے خلاف سمجھ رہے تھے شیخ کالہ اور قاسم خاں چرکس نے بقول تاریخ طاہری:

؎ جماعت ارغون و ترخان شبا شب پیش خود طلب داشتہ، چنین قرار نمودند کہ اگر ایشان دراین جا راسخ قدم خواہند گشت و بہ مہام ملک دخل پیدا خواہند داشت! از جاگیر ہر یک چہارم حصہ موافق ضابطہ کہ از ہشت ماہ سالیانہ، "ششماہ" قرار دادہ ہمہ اند، خارج خواہند ساخت۔ لائق آنکہ فرداً فتنہ قائم سازند کہ کار الیشان بکرسی نہ نشیند۔ ؎۲

؎۱ تاریخ طاہری ص ۲۴۲

؎۲ تاریخ طاہری ص ۲۵۲

دوسرے دن صبح کو جب میرزا احمد بیگ، مرزا جانی بیگ مرحوم کی والدہ کے سلام سے فارغ ہو کر دیوان امارت میں واپس آ رہا تھا، اس وقت اس پر حملہ ہوا۔ احمد بیگ نے حالات کا اندازہ لگا کر وہاں سے اپنی حویلی کی راہ لی۔ فسادی وہاں بھی پہنچ گئے، آخر بچنے کی جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو قاسم خاں کی امداد طلب کی۔ شاہ قاسم خاں حویلی میں پہنچا اور اسے ساتھ لے کر اپنی جاگیر نصر پور کی طرف چلا گیا۔

احمد بیگ سلطان وہاں سے عمر کوٹ اور جیسلمیر کے راستے سے آگرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ خسرو خاں چرکس کے آدمیوں نے وہاں تک تعاقب کیا لیکن وہ بہ عافیت تمام منزلیں طے کرتا ہوا اپنے ولی نعمت مرزا غازی کے ہاں پہنچ گیا۔

جہانگیر کا عہدِ حکومت

اور

میرزا غازی بیگ ترخان

ترخان نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ:

ــ بعد از اندک مدت حضرت اکبر بادشاہ متوجہ ملک بقا شد، وحضرت نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ بر سریر سلطنت وخلافت جلوس فرمود۔ اول کسی کہ بہ سعادت مبارک بادی استسعاد یافت، مرزا غازی بود' بعد ازان امرائے دیگر۔ [1]

جہانگیر کے حضور میں مرزا غازی کی پیشی کچھ ایسی ساعت سعید میں ہوئی کہ اس کے بعد بادشاہ کی خاص توجہ اور عنایات ہمیشہ مرزا پر مبذول رہیں۔

خسرو کی بغاوت | جہانگیر کو اپنی حکومت کے پہلے ہی سال اپنے بیٹے شہزادہ خسرو کی بغاوت سے سابقہ پڑا۔[2] مرزا غازی ابھی تک دربار میں موجود تھا، ایک روز جب کہ

---

[1] ترخان نامہ صـ ۸۷

[2] ۸ رذی الحجہ ۱۰۱۴ھ کو خسرو آگرے سے بغاوت کا ارادہ کرکے فرار ہوا اور لاہور کی طرف چلا گیا۔

جہانگیر بغاوت فرو کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا، درباریوں سے کہا کہ مرزا غازی بھی حکمراں خاندان کا فرد ہے، امور جہاں بانی سے ضرور واقف ہوگا، کیوں نہ اس سے بھی اس مسئلے میں رائے لی جائے؟ تجربہ کار پرانے امیروں نے کہا کہ ابھی وہ بچہ ہے، تجربہ نہیں کیا مشورہ دے گا؟ جہانگیر نے کہا:

— آخر والی زادہ است، ہر آئینہ رائش منحرف از صواب و ثواب نخواہد بود۔

مرزا غازی کو بلا کر پوچھا:

— غازی مرزا، درین مہم چہ گوئی۔

مرزا غازی نے کہا:

— ہرچہ رائے عالی تقاضا فرماید ہمان صواب باشد!

جہانگیر نے اصرار کیا:

— آخر بگو ترا چہ بخاطر می رسد!

مرزا غازی نے عرض کیا:

— قبلۂ دین و دنیا! ہرگاہ این کہترین غلامان را از راہ نوازش باین خصوصیت مختص می فرمایند، آنچہ بخاطر می رسد وقتی عرض کنم کہ یک پائے مبارک در رکاب آرند!—

جہانگیر خود عزم سفر کئے ہوئے تھا جب مرزا غازی نے بھی یہی اشارہ کیا تو کہا:

— نمی گفتم سردار زادہ است در تدبیر غلط نمی کند!—

جہانگیر کی میرزا پر عنایات یہی صفات تھیں جن کی وجہ سے مرزا غازی کے ساتھ جہانگیر کی دلچسپی بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچی کہ اس کو اپنی "فرزندی" میں داخل کیا، یہ نہایت غیر معمولی اعزاز تھا جو کسی اور امیر کو نصیب نہیں ہوا تھا۔

ذخیرۃ الخوانین میں لکھا ہے کہ:

— حضرت جنت مکانی، جہانگیر بادشاہ، مرزا غازی بیگ را مخاطب بہ فرزندی ساختہ ہفت ہزاری ذات و سوار سہ اسپہ و دو اسپہ منصب دادہ، صوبہ ملتان ہم بجاگیر ایشان تنخواہ نمودند و فرمان بخط خاص با ایں عبارت می نوشتند کہ — فرزند ارجمند، سر بلند، بابا غازی بیگ بہادر ترخان! — و روز بروز مراحم خسروانہ بحال او در تزاید بود — [1]

ترخان نامہ کے مصنف سید محمد جمال بن سید جلال الدین حسینی شیرازی نے یہ کتاب مرزا غازی کے انتقال کے ۴۰ - ۵۰ سال کے بعد مرزا محمد صالح بن مرزا عیسیٰ خاں ترخان ثانی کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اس سلسلے میں یہ کتاب مستند ہے، وہ مرزا غازی اور جہانگیر کے تعلقات کو وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے:

— حضرت جہانگیر بادشاہ، جرات و چستی و چالاکی مرزا غازی پسندیدہ، البسر عنایت و عاطفت آمدہ او را بخطاب فرزندی، منصب پنج ہزاری و دوازدہ ہزار سوار سرفراز فرمودہ بر ولایت ٹھٹہ، مملکت قندہار در جاگیر او اضافہ فرمود — [2]

خسرو کے تعاقب میں جہانگیر لاہور آیا، مرزا غازی بھی دوسرے امرا کی طرح اس کے جلو میں لاہور تک پہنچا۔ اس سلسلے میں اس نے نہایت شائستہ خدمات انجام دیں۔ طاہری میں ہے کہ:

— بادشاہ چہار دانگ ہند تعاقب او (خسرو) فرمود۔ مرزا آنچہ لازمہ بندگی بندگان یک رنگ بے درنگ از دل و جان بجا آوردہ خود را در سلک خاصان این بارگاہ منسلک ساخت۔ و سر انجام کار بہ نتیجۂ نیک رسید — [3]

---

[1] ذخیرۃ الخوانین - قلمی — صد ۱۶۱

[2] ترخان نامہ صد ۹۰

[3] تاریخ طاہری۔ ذکر مرزا غازی

خسرو کے ساتھ ہمشیر مرزا غازی کی نسبت

جہانگیر ۱۸ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ کو تخت نشین ہوا۔ مرزا غازی کو دربار میں حاضر ہوئے کئی مہینے ہو چکے تھے۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد خود مرزا غازی کی یہ خواہش ہوئی کہ وہ اب وطن واپس ہو جائے، اور اس کے لئے اجازت حاصل کرے۔ تزک جہانگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غازی نے سعید خاں چغتہ کو، جو اسے سندھ سے لایا تھا، ذریعہ بنا کر اپنا مدعا بادشاہ تک پہنچایا۔ چنانچہ جہانگیر نے اپنے پہلے سال کے روزنامچہ میں لکھا ہے:

— درہمین ایام عرضداشت سعید خان بر رخصت مرزا غازی کہ حاکم زادہ ولایت ٹھٹہ بود رسید، فرمودم کہ: چون پدر من ہمشیرۂ او را بہ فرزندی خسرو نامزد نمودہ اند، انشاءاللہ تعالےٰ چو این نسبت بوقوع آید او را رخصت خواہم نمود۔ ؎

یہ نسبت غالباً مرزا جانی کی زندگی میں ہوئی ہوگی۔ عقد ابھی نہیں ہوا تھا کہ مرزا جانی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد مرزا غازی اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دربار میں اس وقت حاضر ہوا جب خود اکبر رخت سفر باندھے دنیا سے کوچ کرنے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ اب چونکہ مرزا غازی موجود تھا اس لئے جہانگیر نے چاہا کہ عقد ہو جانے کے بعد وہ وطن واپس جائے۔ معلوم نہیں عقد ہوا یا نہیں کیونکہ اس عرصے میں خود خسرو نے اپنے باپ جہانگیر سے سرکشی کی اور جہانگیر کو اس کے تعاقب میں نکلنا پڑا۔

وطن کی طرف واپسی

خسرو کی بغاوت فرو کرنے کے سلسلے میں جہانگیر نے مرزا غازی سے بھی مشورہ کیا تھا رائے یہی قرار پائی کہ اس مہم پر خود جہانگیر کو نکلنا چاہیے، چنانچہ جہانگیر جب آگرہ سے نکلا تو مرزا غازی بھی اس کے ہمراہ چلا اور بقول میر طاہر اس سلسلہ میں شائستہ خدمات انجام دیں۔ ۱۰۱۵ھ میں قندھار پر ایران کے ہمسایہ قبیلوں نے لشکر کشی کی اس وقت جہانگیر

؎ تزک جہانگیری۔ نولکشور ۹-۱۰۔ بیورج ۳۰

لاہور میں مقیم تھا۔ خسرو کی بغاوت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مرزا غازی کے تذکرہ میں ایک جگہ یہ فقرہ آیا ہے کہ:

— اما درین راہ کہ مرزا محل خود (دختر برادر شریف خاں اتکہ) در ملتان متمکن ساختہ متوجہ بدین صوب (یعنی قندھار) گشت —[۱]

ملتان کا صوبہ جہانگیر نے بطور جاگیر کے مرزا غازی کو عنایت کیا تھا۔ اس لئے جب اس کو قندھار جانے کا حکم صادر ہوا تو اس نے اپنے محل کو ملتان میں چھوڑا اور قندھار کی طرف روانہ ہوا۔

اپنے تزک میں جہانگیر نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

— آخرالامر بہ آگرہ آوردہ (یعنی غازی را) کہ بشرف پابوسی والد بزرگوارم سرفراز گردانید، در آگرہ بود کہ حضرت عرش آشیانی شنقار شدند و من بر تخت دولت جلوس نمودم۔ بعد از انکہ خسرو را تعاقب نمودہ بہ لاہور داخل شدم، خبر رسید کہ امرائے سرحد خراسان جمعیت نمودہ بر سر قندھار آمدہ اند و شاہ بیگ حاکم آنجا در قلعہ متحصل شدہ منتظر کمک است۔ بآں ضرورت فوجی بسرداری میرزا غازی و دیگر امرا و سرداراں بہ کمک قندھار تعین شدند —[۲]

اس عبارت سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے کہ ۱۰۱۳ھ میں مرزا غازی آگرہ پہنچا۔ لاہور تک جہانگیر کے ساتھ رہا، تا آنکہ ۱۰۱۵ھ میں قندھار کی شورش فرد کرنے کے لئے کمک روانہ ہوئی۔ اس میں مرزا غازی کو بھی شریک کیا گیا۔ اس نے اپنی بیوی کو جو غالباً اس دوران میں اس کے عقد میں آئی ہوگی، ملتان چھوڑ کر قندھار کی راہ لی۔

---

[۱] طاہری ص ۲۵۵

[۲] تزک جہانگیری۔ نول کشور ص ۱۱۰۔ بیورج ۲۲۳

(۱۱)

قندھار کے مسائل اور معاملات

اس زمانے میں مغل سلطنت کی طرف سے قندھار کے صوبے پر شاہ بیگ حکومت کر رہا تھا۔ قندھار کے ہمسایہ ایرانی سرداروں نے ۱۰۱۵ھ میں شورش کی[1] اور قلعہ قندھار کا محاصرہ کر لیا۔ جہانگیر نے اپنی توزک میں لکھا ہے کہ:

— چہار شنبہ نہم محرم (بقول ترجمہ بیورج ۸ محرم) جشن اولین نوروز بہ مبارکی بہ قلعہ لاہور در آمدم۔ جمعے از دولت خواہان، معروض داشتند کہ معاودت بدار الخلافت آگرہ درین ایام کہ فی الجملہ خللے در صوبہ گجرات، دکھن و بنگالہ واقع است، بصلاح دولت اقرب خواہد بود۔ این کنگاش پسند خاطر من نیفتاد، چہ از عرائض شاہ بیگ خان

---

[1] صاحب تحفۃ الکرام نے لکھا ہے کہ — در ہزار و پانزدہ بموجب حرام نمکی حیدر، ملازم شاہ بیگ خان (حاکم قندار) لشکر خراسان بقندار رسید (ص ۷۰ خطی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ بیگ کے خود اپنے ملازم کی شہ پر ایرانی لشکر قندھار پر چڑھ آیا تھا۔

حاکم قندھار، لبعضے مقدمات معروض افتادہ بود، دلالت بران می کرد کہ امرائے سرحد قزلباش برانساد، چندے از لقایائے لشکر میرزایان آنجا کہ ہمیشہ محرک سلسلۂ خصومت ونزاع اند، و ترغیب نامجات درگرفتند، قندھاریان طائفہ می نویسند، حرکتی خواہد نمود. بخاطر رسید کہ مبادا اشتفار شدن حضرت آشیانی، و مخالفت بے ہنگام خسرو، داعیۂ آنہارا تیز ساختہ، بر سر قندھار یورش نمایند. بحسب اتفاق آنچہ بخاطر آفتاب اشراق پرتو انداختہ بود، از قوۃ بہ فعل آمد. حاکم ہرات وملک سیستان، و جاگیرداران این نواحی بہ کمک ومدد حسین خان حاکم ہرات[1] بر سر قندھار متوجہ گشتند[2]

پھر لکھتا ہے:

"شاباش بر ہمت ومردانگی شاہ بیگ خان کہ مردانہ قائم کردہ قلعہ را مضبوط و مستحکم ساختہ وخود بالائے ارک سیوم از قلعہ مذکور چنان نشست کہ بیرونیان، علانیہ بہ مجلس اورا می دیدند، و در مدت محاصرہ میان نہ لبستہ، سر وپا برہنہ، مجلس عیش و عشرت ترتیب می دادے وہیچ روزے نبود کہ فوجے در برابر لشکر غنیم از قلعہ بیرون نمی فرستاد، وکوششہائے مردانہ بہ تقدیم نمی رسانید. تا در قلعہ بود چنین بود. لشکر قزلباش طرف قلعہ را احاطہ نمودہ بودند[3]

اس طرح تقریباً ایک سال قندھار میں شورش رہی اور جس وقت یہ واقعات جہانگیر کو لاہور میں معلوم ہوئے اس وقت شاہ بیگ قلعہ میں محصور تھا اور قلعہ کے چاروں طرف

---

[1] شاملو

[2-3] ترک۔ ص۔ ۳۴

غنیم کی فوجیں محاصرہ کئے ہوئے تھیں۔ جہانگیر لکھتا ہے کہ جب میں نے واقعات کی اطلاع پائی:

— چون این خبر در لاہور رسید ظاہر شد کہ توقف درین حد: دا ترب و اصلح بودہ۔ درحال فوجے کلانے بہ سرداری میرزا غازی و ہمراہی جمعے از منصب داران و بندہ ہائے درگاہ مثل قرابیگ کہ بہ خطاب "قراخانی" و تختہ بیگ کہ بہ خطاب "سردارخانی" سرفراز گردیدہ بودند، معین گشتند۔[1]

یہ خطاب بہت بڑا اعزاز تھا جو میرزا غازی نے جہانگیر کی غیر معمولی توجہ اور عنایت خاص کی بدولت، پرانے تجربہ کار امیروں اور بڑے بڑے سپہ سالاروں کی موجودگی میں پایا۔ قندھار کی مہم معمولی نہیں تھی۔ بہت سے سردار اور سپہ سالار موجود تھے جو اس مہم پر جا سکتے تھے۔ میرزا غازی ان کے مقابلے میں بچہ تھا، پھر بھی اسی کا انتخاب ہوا اور ساتھ ہی منصب اور نقارے وغیرہ سے بھی سرفراز کیا گیا۔ جہانگیر نے لکھا ہے کہ:

— میرزا غازی را بہ منصب پنج ہزاری ذات و سوار، سرفراز ساختہ ونقارہ عنایت کردہ۔[2]

اس سلسلے میں جہانگیر میرزا غازی کے حالات بھی بیان کرتا ہے کہ:

— میرزا غازی ولد میرزا جانی ترخان، کہ بادشاہ ملک ٹھٹہ بود، و بہ سعی عبدالرحیم خان خاناں سپہ سالار، درعہد حضرت عرش آشیانی، آں دیار مفتوح و ملک ٹھٹہ درجاگیر او کہ منصب پنج ہزاری ذات و سوار مقرر گشتہ بود، تفویض یافت۔ و لعداز فوت او، میرزا غازی پسرش بہ منصب و خدمت پدر سرفراز بود۔ آبا و اجداد اینہا

---

[1] تزک جہانگیری صہ ۳۴

[2] " " صہ ۳۴

ازامرائے سلطان حسین میرزا بالیقرا والی خراسان بودند، دراصل از سلسلۂ امرائے
صاحب قران اند — [1]

اس کمک کے سلسلے میں جو انتظامات کئے گئے ان کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

— خواجہ عاقل بخدمت بخشی گری این لشکر مقرر گشت، چہل و سہ ہزار روپیہ
مدد خرچ گویا بہ قراخان، و پانزدہ ہزار روپیہ بہ نقدی بیگ و قلیچ بیگ کہ از
ہمراہان میرزا غازی بودند، مرحمت شد —

اس کے بعد لکھتا ہے کہ:

— بہ جہت رفع این خدشہ، ارادۂ سیر کابل توقف لاہور را بخود قرار دادم —

---

[1] تزک جہانگیری صد ۳۴

(۱۲)

قندھار کی طرف روانگی

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں، میرزا غازی ملتان میں اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر قندھار کی طرف چلا۔

چند سال وطن سے غیر حاضر رہنے کی وجہ سے ملکی انتظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ خسرو خاں چرکس نے احمد بیگ سلطان کو سندھ کے حدود سے نکال دیا تھا، مالی اور انتظامی امور اب اس کے اور اس کے متعلقین کے قبضے میں تھے۔ روپیہ پیسہ سب کا سب وہیں خورد برد ہو رہا تھا۔ میرزا غازی کے طلب کرنے پر بھی اس کو حسب ضرورت روپیہ نہیں بھیجا جاتا تھا۔

جس وقت قندھار کی مہم پیش آئی اس وقت وہ سخت مالی مشکلات میں مبتلا تھا۔ تاریخ طاہری کا بیان ہے کہ:

— از بے سرانجامے کہ ہنوز از جاگیر نہ خزانہ نہ لشکر بالیشان رسیدہ بود، آزار بسیار می کشید۔ علی الخصوص دران وقت کہ قرہ خان[1] از روئے ہزل و ہذیانات

---

[1] رک: تاریخ مظہر شاہجہانی ۶۱ - ۱۰۷ - ۱۰۸ - ۱۱۳ - ۲۸۷

ہمین می گفت کہ مرزا بدین مددے واستمداد رو بہ دیے ترکمان خواہد شد[1]

مرزا غازی کی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بے سروسامانی کا کیا عالم تھا، نہ روپیہ، نہ پیسہ، نہ اپنا لشکر۔ اس پر قرہ خاں کا تمسخر اور تضحیک، ستم بالائے ستم، غرض ایک عجیب کشمکش کی حالت میں وہ قندھار کی طرف کوچ کر رہا تھا اور ہر منزل پر اپنے لشکر اور خزانے کا منتظر رہتا تھا۔

جب مرزا غازی کا پڑاؤ دُگی جو نیانی میں تھا، اچانک قرہ خاں کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں نے خیال کیا کہ اب اس کی فوجی جمیعت اور اس کا روپیہ واپس لے جا کر اس کے بیٹے کے حوالے کر دیں جو اس وقت اپنی جاگیر بھکر میں تھا۔

میرزا غازی گھبرایا کہ اگر یہ لشکر اور یہ خزانہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا تو پھر قندھار کی مہم سے کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکے گا! بہت کچھ کہا سنا لیکن قرہ خان کے آدمیوں نے نہیں مانا۔ میرزا غازی نے مہم کی اہمیت جتلائی اور کہا کہ میرا خزانہ اور لشکر ابھی تک نہیں پہنچا، سردست قرہ خان کا لشکر اور روپیہ میرے تصرف میں دیا جائے تاکہ یہ مہم سرانجام ہو۔ جب میرا خزانہ آجائے گا تو رقم ادا کر دی جائے گی اور لشکر بھی واپس کر دیا جائے گا! لیکن کسی صورت سے وہ لوگ آمادہ نہیں ہوئے، آخر مرزا غازی نے کوچ کا نقارہ بجوا دیا اور خود ہی قندھار کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس وقت قرہ خان کے آدمیوں کو ہوش آیا اور انہوں نے بھی مرزا غازی کا ساتھ دیا۔

قندھار کی فتح مرزا غازی قندہار سے ایک آدھ میل ابھی دور تھا کہ غنیم کو اس کی اطلاع پہنچ گئی۔ اس وقت اتفاقاً شاہ عباس والیٔ ایران نے بھی تمام واقعات سے واقف ہو کر شورش کرنے والوں کی طرف اپنے ایلچی حسن بیگ کو روانہ کیا اور حکم بھیجا، کہ

---

[1] تاریخ طاہری ص ۲۵۵

فوراً محاصرہ اٹھاکر اپنے اپنے علاقوں میں چلے جائیں۔

ایک طرف سے مرزا غازی کی آمد کی اطلاع اور دوسری طرف سے شاہ ایران کا فرمان لے کر حسن بیگ کا آنا، شورش پسندوں نے رات کو محاصرہ اٹھاکر چپکے سے اپنے گھروں کی راہ لی۔ مرزا غازی کی خوش قسمتی تھی کہ ایک قطرہ خون بہائے بغیر قندھار میں داخل ہوگیا۔ مقالات الشعرا میں ہے کہ جب مرزا غازی قندھار کے شہر میں داخل ہوا تو ایک شاعر نے یہ قطعہ تاریخ موزوں کیا۔ [1]

نواب شاہ غازی چون سوئے قندھار
نہضت نمود باسپہ بے حد و عدد
با موکب جلال درآمد بہ مولتان
دست دعا بہ دامن میمون شیخ زد
فتح و ظفر نمود بہ یمن رضائے پیر
وز خیل بدسگال مخالف نہ شد احد
تاریخ آن ز عقل چو کردم شبے سوال
بشگفت و گفت "بپیر ولایت شدہ مدد" ۱۰۱۶ھ

ملتان کے جس پیر اور شیخ کی طرف اس قطعے میں اشارہ ہے، نہیں معلوم کہ یہ اشارہ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی کی طرف ہے یا کوئی اور صاحب دل پیر ہیں جن سے مرزا کو عقیدت ہوگی جہانگیر کو اس کی اطلاع ۲۲ ذوی القعدہ ۱۰۱۵ھ کو لاہور میں ملی۔ اپنی تزک میں دوسرے سال جہانگیری کے پہلے دن (مطابق ۲۲ ذی قعدہ ۱۰۱۵ھ = ۱۰ مارچ ۱۶۰۷ء) لکھتا ہے:

---

[1] مقالات الشعراء ص ۸۳۲

— درہمین ایام روز مبارک از عرائض قندھار بموقف عرض رسید کہ: لشکرے کہ بہ سرکردگی مرزا غازی ولد مرزا جانی بہ کمک شاہ بیگ خان تعین یافتہ بودند، در دواز دہم شہر شوال سنہ مذکور داخل بلدۂ قندھار می شوند۔ وطائفہ قزلباش چون خبر رسیدن عساکر منصورہ را پیش منزلے بلدۂ مذکور می شنوند، سراسیمہ و پریشان و پشیمان تا کنار آب ہل مند کہ پنجاہ و شصت کروہ بودہ باشد، عنان باز نمی کشند۔

اس کے ساتھ سپہر جہانگیر اس شورش کا مفصل تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھتا ہے:

— دریں ایام رایات جلال کہ بہ تعاقب خسرو از دار الخلافہ آگرہ حرکت نمودہ بود، در لاہور نزول اجلال داشت۔ بمجرد شنیدن این خبر بلا توقف فوج کلانی از امرا و منصبداران بہ سرداری مرزا غازی فرستادہ شد۔ پیش ازاں کہ مرزائے مذکور بہ قندھار رسد، این خبر بہ شاہ (شاہ عباس) رسید کہ حاکم فراہ بالبعضی از جاگیرداران این نواحی قصد ولایت قندھار نمودہ اند، این معنی را لائق ندانستہ بہ قدغن، حسن بیگ نامی را از مردم روشناس خود می فرستند، و فرمانی باسم انہا صادر می گردد کہ از کنار قلعہ قندھار برخاستہ متوجہ جا و مقام خود شوند کہ بہ سبب محبت و موالات آبائے کرام با سلسلۂ علیہ جہانگیر بادشاہ قدیم است۔ آں جماعت پیش ازاں کہ حسن بیگ برسد حکم بادشاہ بہ ایشان رسانید، تاب مقاومت عساکر منصورہ نیاوردہ، مراجعت را غنیمت می شمارند۔ حسن بیگ مذکور آن مردم را ملامت نمودہ روانہ ملازمت شد۔ در لاہور سعادت خدمت دریافت و این معنی را اظہار نمود کہ این جماعت بے عاقبت کہ بہ سر قندہار آمدہ بودند، بغیر از فرمودہ شاہ عباس این حرکت از آنہا

بوقوع آمد۔ مبادا کہ در خاطر ازین ممر گرانی راہ یافتہ باشد۔ ؎۱

جب مرزا غازی کا لشکر شہر میں داخل ہوا تو جہانگیر نے لکھا ہے کہ ہمارے حکم کے مطابق اس نے قلعہ سردار خاں کے حوالے کیا اور کمکی لشکر کے ہمراہ شاہ بیگ ؎۲ کو واپس درگاہ والا کی طرف روانہ کیا۔

؎۱ تزک جہانگیری ص ۴۲-۴۳۔ بیورج ۸۵-۸۶

؎۲ شاہ بیگ خاں ارغون ولد ابراہیم چپک پہلے اکبر بادشاہ کے چھوٹے بھائی مرزا محمد حکیم فرماں روائے کابل کا نوکر تھا۔ ۱۲ر شعبان ۹۹۳ھ (۳۰ر جولائی ۱۵۸۵ء) کو مرزا محمد حکیم نے وفات پائی اس کے کئی سرداروں نے اکبر بادشاہ کی ملازمت اختیار کرلی جن میں شاہ بیگ خان بھی تھا۔

اکبر نے ۹۹۸ھ میں مرزا عبدالرحیم خان خاناں کو ملتان و بھکر کی حکومت پر مامور کر کے سندھ کو فتح کرنے کا حکم دیا۔ خان خاناں ۹۹۹ھ میں حاکم سندھ مرزا جانی بیگ ترخان کے مقابلے میں روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ میاں محمد خاں نیازی، فریدوں خاں برلاس، سید بہاءالدین بخاری بختیار بیگ، قرابیگ ترکمان، دھارو ولد راجہ ٹوڈرمل، میر معصوم بھکری وغیرہ سرداروں کے علاوہ شاہ بیگ خاں کابلی بھی تھا۔

رجب ۱۰۰۳ھ میں مرزا مظفر حسین قندھاری صفوی نے اکبر بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ اور قلعہ قندھار حوالہ کر دیا۔ اکبر نے قندھار کی حکومت پر شاہ بیگ خاں کو بھیج دیا۔ اس نے صوبہ قندھار کا بہت اچھا انتظام کیا۔ ۱۰۰۵ھ میں اس کو اس کا منصب تین ہزار پانچسو سوار کا کر دیا گیا تھا۔

۱۰۱۴ھ میں اکبر کی وفات کے بعد جلوس جہانگیری کے پہلے ہی سال حسین خاں شاملو حاکم ہرات نے خراسان کا لشکر لے کر قندھار پر چڑھائی کی اور شہر کو تین طرف سے محاصرہ میں لے لیا۔ شاہ بیگ خاں نے بڑی ہمت سے شہر کو محاصرے والوں سے اس وقت تک بچائے رکھا جب تک کہ مرزا غازی (جاری)

(جاری)

پہنچ گیا۔

قندھار کی مہم کی کامیابی کا حال سُن کر جہانگیر کابل چلا گیا اور شاہ بیگ خاں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم بھیجا۔ شاہ بیگ خاں نے ۱۰۱۶ھ میں قندھار سے کابل پہنچ کر دربار میں حاضری دی۔ جہانگیر نے اسے پنج ہزاری منصب اور "خان دوراں" کا خطاب دیا اور کابل کی صوبہ داری دی۔ وہاں شاہ بیگ دس بارہ سال تک کامیابی سے حکومت کرتا رہا۔

اب زیادتی عمر کی وجہ سے شاہ بیگ خاں کے قویٰ میں انحطاط آچلا تھا۔ کابل کے صوبے پر نہایت ستعد صوبہ دار کی ضرورت تھی۔ آخر جہانگیر نے اسے دربار میں طلب کیا۔ ۱۰۲۶ھ میں جہانگیر احمدآباد اور کنبایت گیا تو خان دوراں شاہ بیگ خان بھی ساتھ تھا۔ جہانگیر نے اس کو ٹھٹھ کی صوبہ داری دی۔

شاہ بیگ خاں بڑا سیدھا سادھا ترک تھا مصلحت بینی اس میں مطلق نہیں تھی۔ ٹھٹھ کی صوبہ داری پر جانے سے پہلے ملکہ نورجہاں کے بھائی آصف خاں سے جو اب وزیر اعظم بن چکا تھا رخصتی ملاقات کے لئے گیا۔ آصف خاں نے اپنے مصاحب خاص ملا محمد ٹھٹوی کے بھائیوں کی سفارش کی۔ شاہ بیگ خاں کو یہ اطلاع تھی کہ ملا محمد کے اثرات کی وجہ سے اس کے بھائی ٹھٹھ میں بڑے خودسر ہو گئے ہیں اور کسی حاکم کو خاطر میں نہیں لاتے۔ آصف خاں کی سفارش کے جواب میں شاہ بیگ خاں نے کہا۔ اگر ملا محمد کے بھائی سیدھے رہیں گے تو ٹھیک ہے میں کوئی تعرض نہیں کروں گا ورنہ ان کی کھال کھنچوا دوں گا۔

کہا جاتا ہے کہ شاہ بیگ خاں کا یہ جواب آصف خاں کو بہت گراں گذرا۔ اس نے وہ چال چلی کہ شاہ بیگ کا منصب، جاگیر اور صوبہ داری سب خاک میں مل گئی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دربار کی حاضری بھی بند کر دی گئی۔ لیکن اس کی دیرینہ خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے ۷۵ ہزار سالانہ کی جاگیر پرگنہ خوشاب جو سالہا سال سے اس کے پاس تھی بحال رکھ کر اس کو رخصت کیا گیا۔

ذخیرۃ الخوانین کا بیان ہے کہ شاہ بیگ خاں شراب کا بری طرح عادی تھا اور اس کا ایک

(جاری)

(جاری)

قول نقل کیا ہے جس کا مطلب ہے — دنیا خواہ رہے یا نہ رہے مگر صراحی ضرور سامنے رہے —

انہیں ایام میں اس نے وفات پائی۔

مآثر الامرا نے لکھا ہے:

— شاہ بیگ خان مرد ترک سادہ سپاہی بود، در عہد عرش آشیانی وقت رخصت قندھار شیخ فرید میر بخشی ایستادہ کردہ تسلیم عنایت علم و نقارہ فرمود۔ ہماں وقت بشیخ می گوید: اینہا بچکاری آید، در منصب بیفزاید و جاگیر دہند کہ سواران دیگر برائے کار پادشاہی نگاہ دارم۔ مشہور است کہ با مثل جہانگیر پادشاہ دلہا سر گفت کہ: حضرت! در زنگل پدر شما جوانان چند ایستادہ می شدند کہ شاہ بیگ بلیشم خانہ آنہا نمی رسید۔ والحال این مردمین کہ ایستادہ اند، ہیچ کدام بیشم خانہ شاہ بیگ نمی رسید۔ گویند مسکرات دیگر را مثل بنگ و افیون وکوکنار با شراب آمیختہ می خورد و "چار لغزہ" می نامید — شاہ بیگ خان کوئے چار لغزہ خور! زبان زد مردم بود۔

ایک بیٹا میرزا شاہ محمد غزنین خان بڑا دلیر اور دانائے وقت تھا، دوسرا بیٹا یعقوب بیگ جو میرزا جعفر آصف خان وزیر اعظم کا داماد تھا اور بے انتہا ارذل پرست تھا (مآثر الامراء ۲ : ۶۴۴)

(۱۳)

قندھار کے کوائف

قحط، دربار میں مخالفت اور میرزا کی واپسی

جس وقت مرزا غازی کا لشکر قندھار میں پہنچا ہے اس وقت اس علاقے میں سخت قحط تھا، تقریباً ایک سال یہ علاقہ کشت وخون اور مسلسل محاصرے میں مبتلا رہنے کی وجہ سے قحط اور دوسری مصیبتوں میں مبتلا تھا۔ مرزا غازی کا لشکر جب پہنچا تو اس کو بھی قحط کی وجہ سے سخت مصیبت اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ تحفۃ الکرام میں ہے کہ:

— مردمان مرزا غازی بسیار تلف وسواران پیادہ شدند — [۱]

"تاریخ طاہری کا مصنف محمد طاہر نسیانی اس زمانے میں وہیں تھا وہ اس خزانہ اور لشکر کے ساتھ پہنچا تھا جو ٹھٹہ سے مرزا غازی کے فرمان پر بھیجا گیا تھا اور جس کے آنے میں تاخیر کی وجہ سے مرزا غازی قرہ خاں کے تمسخر کا ہدف بنا تھا۔ نسیانی اپنے چشم دید حالات یوں لکھتا ہے:

---

[۱] تحفۃ الکرام ج ۳، صہ ۸۴

— فقیر نیز دران کومک که از ٹھٹه بملازمت ایشان می آمد، تعین گردیده بود. بعد از ان داخل شدن ایشان سپاه مذکور رسید —

— قحط سالی بمرتبه ای دید که اکثر غربای آن سرزمین گوشت چرمهای اسپ و شتر می بریدند و می خوردند. روزی از ایشان استفسار داشت که این محض حرام است چرا می خورند. جواب دادند که بعد از سه فاقه حرام را حلال ساخته اند و ما مردم را هفت و نه فاقه می گزرد. چون چیزی دیگر بهم نمی رسد به همین آرام نفس بی آرام می نمائیم. الحق، هم چنان وقت بود.

— ما و یک یار، محمد هاشم نام هم منزل داشتیم. آنچه محاصره می بود باتفاق تناول می کردیم. چون سفر گزرانده در قندهار حضر داشتیم. آذوقه که همراه برداشته بودم، تمام گردیده کار بر خر بدین افتاد. یاران که در انجا بوده اند، بهتر می دانسته باشند که روپیه سیر روغن گنده بود و روپیه را سیر آرد و برنج بحیله بهم می رسید. آن عزیز را پارهٔ روغن در دبه مانده بود. چون دانست که روغن سرکار ما خوب است، هم سفرگی فقیر برطرف ساخت. عاقبت معامله او بجائی کشید که طعام از یاران که هم جوار بودیم، نهان کرده در طهارت خانه می خورد. روزی یاران برای رسوائی و شرمساری آن کم همت نفران جا برس مانده. همین که سفره دران نجاست جا گسترده و خود به بهانهٔ طهارت در آمده بران نشست، حاضر گردیدند و او را طعن و لعن نمودند. اما چه سود — ؟ که چون ترک آنجا داشت، چادر در بر کشیده، لخت گوشت دهان پیش نهاده پهلو افتاده می خورد. چندان که یاران برابر محاضره خویش طلب داشتند، نمی آمد. یوسف علی خان یاری بود، روزی چادر از روی آن تن پروری برداشته گریخت. و یاران، گوشت و نان، مانند سگ از روی هریان کشیده گرفتند، آخر هاشم سگ مشهور گشت [1]

---

[1] تاریخ طاهری ص ۲۵۶ — ۲۵۷

مرزا غازی کے لشکر اور آدمیوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے آخر میں مصنف نے لکھا ہے:

— مردم میرزا بسے پریشان وخراب ازین قسم گشتند، کہ اکثر پیادہ مانند وزیر بار قرض چون گاو وخر در خلاب افتادند۔ [1]

یہ تو ہوا میرزا غازی کے لشکریوں کا حال۔ لیکن خود میرزا غازی کی پریشان حالی کے متعلق مصنف نے لکھا ہے کہ معلوم ہوا کہ وہ خود سردار خاں اور میر بزرگ بن میر معصوم بھکری سے قرض لے کر اپنا گذارہ کر رہا ہے۔ جب سپاہی بھوک سے تنگ آکر اس کی حویلی پر جاتے تو ان کے حالات ملازم سُن لیتے لیکن میرزا کی تنگ دستی کو دیکھ کر اس کے سامنے ان کو پیش نہیں کر سکتے تھے بلکہ دلاسہ دے کر بالا بالا ٹال دیا کرتے تھے۔ آخر ایک دن مرزا غازی نے از خود حالات کا اندازہ کر لیا اور حکم دیا کہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ لے جا کر غریب سپاہیوں میں بانٹ دیں:

جہانگیر کا روپیہ روانہ کرنا دو شنبہ نہم ربیع الثانی کے روزنامچے میں جہانگیر نے لکھا ہے کہ میرزا غازی کو تیس لاکھ دام بطور انعام دیئے گئے [2] غالباً یہ انعام میرزا کو مہم قندھار کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے کے صلے میں عنایت کیا گیا تھا اور جب یہ انعام اسے پہنچا ہوگا اس وقت یقیناً اس کی مشکلات میں آسانی ہو گئی ہوگی۔

بھکر میں آمد جہانگیر کی طرف سے میرزا غازی کو قندھار میں حکم پہنچا کہ وہ اپنے حالات اور لشکر کے ساز و سامان کو درست کرنے کے لئے قندھار چھوڑ کر بھکر کو چلا آئے، اور جب تک دوسرا حکم صادر نہ ہو بھکر ہی میں قیام کرے۔ چنانچہ میرزا فوراً بھکر پہنچا اور اپنے ذاتی اور ملکی حالات کو درست کرنے میں مصروف رہا۔

---

[1] تاریخ طاہری ص ۲۵۷

[2] تزک جہانگیری ص ۳۷۔ بیورج ۷۵۔

دربار میں غلط فہمی قندھار کی مہم ختم ہونے کی اطلاع پاکر جہانگیر لاہور سے کابل کی طرف سیر و تفریح کے لئے گیا۔ میرزا بدستور سکھر میں مقیم رہا۔ کچھ عرصے کے بعد جہانگیر کے دربار میں میرزا غازی کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش شروع ہوئی اور بادشاہ پر یہ اثر ڈالا گیا کہ میرزا غازی اب اپنے وطن سے واپس نہ آئے گا۔[۱] چنانچہ دربار سے فوری طلبی کا فرمان صادر ہوا۔

یہ اطلاع تاریخ طاہری کی ہے لیکن ترخان نامہ کا مؤلف لکھتا ہے کہ جب قندھار کی حکومت میرزا غازی کے سپرد ہوئی اور اس نے وہاں جاکر اپنے آپ کو اتنا مقبول اور مؤثر ثابت کیا کہ ایک طرف ایران کے بادشاہ نے اس کے ساتھ ربط ضبط بڑھایا اور اس کو فرزند کے لقب سے یاد کرنے لگا، اور دوسری طرف شعرا اور علما کی آمد سے اس کا دربار شہنشاہوں کے دربار سے ٹکر کھانے لگا۔ رعایا اور لشکری اس پر جان دینے لگے تو حاسدوں نے بادشاہ کے کان بھرے اور کہا کہ:

— مرزا غازی ہوائے باغی گری در سر کردہ، بہ والی ایران اہل گردیدہ، امروز فردا سرکشی آغاز خواہد کرد —[۲]

پھر لکھتا ہے کہ:

— بنابران، امتحاناً فرمان طلب بہ میرزا غازی صادر گشت کہ بہ ڈاک چوکی خود را بملازمت رساند —

فرمان کے پہنچتے ہی مرزا غازی "اخلاص درست" کے ساتھ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور (۱۷) دن کے اندر قندھار سے لاہور پہنچ گیا جہاں جہانگیر شکارگاہ میں مقیم تھا۔

بادشاہ اسے دیکھ کر بہت مسرور اور متاثر ہوا۔ چغل خوروں کی امیدوں پر پانی

۱؎ تزک جہانگیری ص ۳۰۷۔ بیورج ص ۷۵

۲؎ ترخان نامہ ص ۹۲

پھر گیا. جہانگیر نے انعام و اکرام کے ساتھ پنجاب کے چند علاقے بھی اس کو بطور جاگیر عطا کئے اور قندھار کی حکومت بھی برقرار رکھی۔

اصل واقعہ تاریخ طاہری کا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ صاحب ترخان نامہ کو غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ پنجاب میں ملتان کی جاگیر بادشاہ نے آگرہ سے آنے کے بعد قیام لاہور کے زمانے میں عنایت کی تھی۔ وہاں سے قندھار کی مہم پر گیا، قحط کی وجہ سے قندھار کو سردار خاں کے سپرد کر کے حسب فرمان شاہی سکھر میں آ کر مقیم ہوا۔ اس زمانے میں درباری امرائے مرزا غازی کے سرکشی اختیار کرنے کے خطرات بیان کر کے بادشاہ کی طبیعت کو مکدر کرنا شروع کیا، اور بادشاہ نے اس کو سکھر سے بلایا۔ جب مرزا غازی لاہور پہنچا تو بادشاہ اس سے خوش ہو گیا اور اس کو قندھار کی صوبہ داری کا فرمان دے کر اسے فوراً وہاں پہنچنے کا حکم دیا۔ والیٔ ایران سے مرزا غازی کے تعلقات اور مرزا غازی کی درباداریاں وغیرہ سب بعد کی چیزیں ہیں۔ بہر حال، حسب اطلاع تاریخ طاہری مرزا غازی آستانۂ خلافت کی طرف چلا اور:

ـــ خلیفۂ روزگار از صوبۂ کابل برگشتہ قریب فردوس ثانی (یعنی سال دوم)، بلدۂ لاہور تشریف ارزانی فرمودہ بودند، رسیدہ سر از سجدہ قبلۂ صوری خداوند مجازی سرافراز داشتہ، از آلام دوری و محن مہجوری مخلصی یافت ـــ

تزک جہانگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ / شعبان سنہ ۱۰۱۶ھ کو مرزا آستاں بوس ہوا۔ جہانگیر نے لکھا ہے کہ:

ـــ روز دوشنبہ دوازدہم (۱۰۱۶ھ) مرزا غازی، کہ در سرداری لشکر قندھار مصدر خدمات پسندیدہ گشتہ بود ملازمت نمود، و عنایات بسیار نمودم ـــ [۵]

---

۵ تزک جہانگیری صـ ۶۳، بیورج صـ ۱۳۱

ان "عنایاتِ بسیار" کی شرح صاحب تاریخ طاہری یوں کرتا ہے :

— مرزا بموجب عقیدۂ درست خویش از عنایت و اخلاص حضرت شاہنشاہی سربلند گردیدہ، ترقی منصب و جاگیر دیدہ، بصاحب صوبگی قندھار منصوب گشت —

گویا ٹھٹھ کی مملکت تو اس کی تھی ہی. بادشاہ نے آگرے سے لاہور پہنچ کر ملتان عنایت کیا. قندھار کی مہم پر جاتے وقت "پنج ہزاری ذات سوار اور نقارہ" عطا ہوا. قندھار میں تھا کہ تیس لاکھ دام انعام ملا، اور اب ٹھٹھ، بھکر اور ملتان کے ساتھ ساتھ قندھار صوبے کی حکومت بھی مرزا غازی کے سپرد کی گئی.

(۱۴)

قندھار کی صوبہ داری

ہندوستان کا سرحدی صوبہ ہونے کی وجہ سے قندھار کا صوبہ اس زمانے میں بڑی اہمیت رکھتا تھا، علاوہ ازیں وہاں کے قرب وجوار کے امیروں نے جو فتنہ وفساد برپا کیا تھا اس کی وجہ سے خاص طور پر قندھار کی طرف سے بادشاہ کو اطمینان نہیں تھا۔ شاہ بیگ قندھار کی گورنری سے واپس بلالیا گیا تھا اور وہاں کی حکومت عارضی طور پر سردار خاں کے حوالے کی گئی تھی۔ بادشاہ چاہتا تھا کہ قندھار پر کسی مضبوط حاکم کو بھیج کر اس طرف سے اطمینان حاصل کرے۔ اور اس کے بعد ہندوستان کے جن علاقوں میں شورشیں پیدا ہورہی تھیں، ادھر توجہ کی جائے۔

جہانگیر مرزا غازی کو دل سے پسند کرتا تھا، فرزندی کا خطاب فقط اسی ایک سردار کو عنایت کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں ابھی ابھی قندھار کی مہم میں "خدمات شائستہ وپسندیدہ" انجام دے کر آیا تھا۔ اس بنا پر اس علاقے کی حکومت کا قرعہ اس بلند اقبال نوجوان کے نام پڑا۔ جہانگیر ۱۰ رمضان سنہ ۱۰۱۶ھ (سال دوم جہانگیری) کے روزنامچے میں لکھتا ہے:

ــــ روز پنجشنبہ، دہم ماہ، میرزا غازی را بہ منصب پنج ہزاری ذات سوار، سرفراز ساختہ، باآنکہ کل ولایت ٹھٹہ بجاگیر او مقرر بود، پارہ ای از صوبہ ملتان نیز بہ جاگیر او مقرر گشت، وحکومت قندھار: محافظت آن ملک کہ سرحد ہندوستان است، بہ عہدۂ کاردانی وحسن سلوک او مقرر گردید، وخلعت وشمشیر مرصع عنایت کردہ رخصت دادم ــــ [1]

صاحب ترخان نامہ اس کی تفصیل فراہم کرتا ہے:

ــــ حضرت جہانگیر بادشاہ جرات وچستی وچالاکی میرزا غازی پسندیدہ بر سر عنایت وعاطفت آمدہ، اورا بخطاب فرزندی، ومنصب پنج ہزاری او را بہ دوازدہ ہزار سوار سرافراز فرمودہ۔ بر ولایت ٹھٹہ، مملکت قندھار را درجاگیر او اضافہ فرمودہ، وحکومت قندھار بہ او تفویض فرمودند، وفرمان بدستخط خاص صادر شد کہ ــــ " فرزند غازی امیدوار بودہ بداند کہ اورا بخطاب فرزندی سرفراز ساختیم وانچہ کہ لوازم شہزادہ ہاست از سلام وتور وفیل جنگی وغیرہ می کردہ باشد، وحکم فرمودیم کہ از بندہ ہائے ما تاہزاری روز دیوان پیش او دست بستہ ایستادہ باشد، واز ہزاری بالاتر، از مسند شاہ دور تر باادب بنشیند، وزمام اختیار حل وعقد وعزل ونصب آن مملکت ومردم تعینات آنجا بہ ید اختیار او دادہ ایم، اگر احدی را ہزاری وہزاری را احدی بکند، منظور است ــــ [2]

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ نے مرزا غازی کو فرزندی کا خطاب قندھار کی حکومت تفویض کرتے وقت عنایت کیا۔ اور اس حکومت کے ساتھ لوازم شاہزادگی اور

---

[1] تزک جہانگیری صـ ۶۴، بیورج صـ ۱۳۳

[2] ترخان نامہ صـ ۹۰

دیگر اختیارات لاانتہا سے بھی اس کو سرفراز کیا گیا۔ گویا حکومت قندھار کی ایک طرح خود مختاری دی گئی، جو اس زمانے میں انتہائی اعزاز تھا۔

وطن کی طرف روانگی دربار جہانگیری سے انعام و اکرام، خطاب و مناصب جاگیر اور اختیارات لے کر مرزا غازی بیگ ملتان پہنچا۔ طاہری کا بیان ہے:

—چوں از حضور حضرت مرخص گردیدہ در بلدۂ ملتان رسید، صلاح دولت درین یافت کہ معاملات آنجا را فیصل دادہ، بحال مردے پرداز، صاحب دخلاں را طلب نمودہ —[1]

ملتان کے انتظامات مکمل کرنے کے بعد پھر اپنا وطن اصلی یاد آیا اور چاہا کہ قندھار جانے سے پیشتر سندھ جاکر انتظامات درست کرے اور موجودہ انتظامی انتشار کو ہمیشہ کے لئے دفع کر دے اور جب تک وہ وہاں قیام کرے اس مدت کے لئے قندھار میں اپنا قائم مقام بھیج دے۔ مرزا بہرام ولد محمد امان ترخان کو جو اس کے اپنے خاندان کا فرد تھا، قندھار کی نیابت کے لئے منتخب کیا، اور:

—یک فیل، چند اسپ مع فراش خانہ و اسباب مطبخ و دلچہ و علم کہ عرف ایشان از پاستان شدہ آمدہ بود، با افواج سپاہ منتخب ارغون و ترخان نیار فرمودہ —

بہرام خاں پہلے تو جانے کے لئے رضامند نہ ہوا لیکن جب روانگی کا وقت آیا تو اس نے ٹھٹھہ جانے کی اجازت طلب کی تاکہ:

—پسر از دہقان زن سندی کہ جاگیر او بود، داشت، عذر آں درمیان آورد کہ یک بار بہ تتہ رسیدہ او را حوالہ بادرش داشتہ، لبدازان ہر خدمت کہ رجوع فرمایند بجان برجا خواہد بود —[2]

---

[1] تاریخ طاہری ص ۲۵۹ [2] تاریخ طاہری ص ۲۶۰

نہ صرف مرزا غازی اس جواب ناصواب سے ششدر رہا بلکہ بقول طاہری:

— ندمائے لطیفہ گو درچنان لطیفہ گوئی درآمدند کہ دایہ پسر خود است، پستانش خواہد داد و در گہوارش پرورش نمودہ — ؎

میرزا غازی نے بہت افسوس کیا:

— بسے افسوس و آوخ خوردن گرفت کہ ابنائے جنس ما چنین کسان مانند —

اس کے بعد میرزا احمد بیگ سلطان کو "اعتماد خان" کا خطاب عطا کر کے بہرام خاں کی جگہ قندھار کے لئے نامزد کیا اور:

— آنچہ برائے آن کم ہمت تیار نمودہ بودند بر و مرحمت فرمود...... روانہ آن خوب ساخت تا رسیدن میرزا معاملات ملک را بنوعے ترتیب داشت کہ رعیت و سپاہ، ہمہ از سلوک و ساخت او راضی گشت. خرابی کہ بموجب لشکر بیگانہ ہنوز رو بہ آبادی نیاوردہ بود، آباد گردیدن گرفت — ؎

بھکر میں قیام اور ملکی انتظام میرزا غازی، احمد بیگ کو قندھار روانہ کر کے، خود ملتان کی جاگیر کا انتظام مکمل کرنے کے بعد بھکر آیا اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ ٹھٹھہ کا انتظام بہت خراب ہو چکا تھا، خسرو اور اس کے ہم مشرب سارے ملک اور آمدنی پر قابض تھے. جب جی میں آیا کچھ میرزا کو بھیج دیا ورنہ سب کچھ خود ہی ہضم کر لیا۔ تاریخ طاہری کے مؤلف نے نئے انتظامات کے متعلق تفصیل سے نہیں لکھا صرف اتنا لکھا ہے:

— ولی نعمت والدہ کلان خود مع صاحب دخلان ٹھٹھہ طلب داشتہ، فیصل مہام ملک دادہ، علی القدر احوال ہر یک از ملازمان و متعلقان پرداختہ، بعضے را بر کار حکم نمودہ، بعضے را رخصت فرمودہ، از محل ہر کہ ہمراہ داشت و آنکہ از ٹھٹھہ طلبیدہ

؎ تاریخ طاہری ص ۲۶۰

؎ تاریخ طاہری ص ۲۶۰

بود، ہمہ بازیدان جا فرستاد ــــ ؎۱

معلوم نہیں کس کس کو ساتھ رکھا اور کن ملازموں کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا، اور کن امرا کی تحویل میں ملک کی عنانِ اختیار سونپی۔ آئندہ حالات سے اتنا ظاہر ہوتا ہے، کہ خسرو خاں چرکس حسبِ سابق صاحبِ اختیار رہا اور اس کے متعلقین بھی وہیں رہے۔ البتہ خسرو خاں کے بیٹے بہائی خاں کو غازی ساتھ لیتا گیا۔ مسلسل بدعنوانیوں، نافرمانیوں اور بددیانتیوں کے باوجود حیرت ہوتی ہے کہ میرزا غازی نے پھر اسی آدمی کے رحم و کرم پر رعایا اور ملک کو چھوڑ دیا! قیاس ہوتا ہے کہ یا تو مرزا کے پاس آدمی نہیں تھے یا پھر خسرو خاں کے اثر اور اقتدار کی وجہ سے کوئی دوسرا آدمی حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنا نہیں چاہتا تھا۔ مرزا غازی کی غیبت میں احمد بیگ سلطان سے جو سلوک ہوا تھا اس کی وجہ سے دوسرا کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ مرزا مجبور تھا کہ انتظام پھر اسی قابوچی کے ہاتھ میں رہنے دے۔

بہر حال بکھر کے قیام میں انتظام کے سلسلے میں جو کچھ بنا وہ کیا۔ ولی نعمت والدۂ کلاں کو جو غالباً مرزا جانی بیگ کی والدہ تھیں، رخصت کیا۔ اپنے محلات میں سے چند کو ٹھٹہ واپس بھیج دیا اور بعض کو ساتھ لیا اور قندھار کی طرف رخصت ہوا۔

؎۱ تاریخ طاہری ص ۲۶۰

(۱۵)

قندھار کی حکومت

تاریخ طاہری کا بیان ہے کہ مرزا غازی بکھر سے، سیوی اور گنجاوہ کے راستے قندھار پہنچا۔ توزک جہانگیری میں مرزا کے جانے کی اطلاع جلوس جہانگیری کے تیسرے سال کے وقائع میں (جو ۲ر ذوالحجہ روز پنجشنبہ سال ۱۰۱۶ھ مطابق ۱۹ر مارچ ۱۶۰۸ء کو شروع ہوا) یوں درج ہے:

— در ۱۴ ماہ مذکور (رجب ۱۰۱۷ھ) حکم کردم کہ مرزا غازی متوجہ قندھار شود. از اتفاقات حسنہ، بمجرد آنکہ مرزاے مشارٌ الیہ از بھکر روانہ ولایت مذکور گردد، خبر فوت سردار خان حاکم آنجا می رسد. سردار خان[1] از ملازمان مقرر و روشناس مرزا محمد حکیم عم مزبور، تختہ بیگ اشتہار داشت[2]

---

[1] ابتدا میں مرزا حکیم کا ملازم تھا، اکبری دور میں ترقی کی اور ۱۰۱۶ھ میں وفات پائی۔ ماثر الامرا ۱: ۸۱ م

[2] تزک جہانگیری ص ۷۳، بیورج ۱: ۱۵۱

مرزا غازی کا تقرر ۱۰ر شعبان ۱۰۱۶ھ کو ہوا، تقریباً گیارہ ماہ مرزا تیاریوں کے سلسلے میں ملتان اور بکھر میں مقیم رہا، ۴ر رجب ۱۰۱۷ھ کو بادشاہ نے وہاں جانے کے لئے حکم صادر کیا۔

مرزا اس حکم کے صادر ہونے کے بعد کس تاریخ کو بھکر سے چلا، مولف تاریخ طاہری نے بھی نہیں لکھا، اندازہ یہی کیا جا سکتا ہے کہ حکم پہنچتے ہی مرزا اسی ماہ رجب کی کسی تاریخ کو قندھار کی طرف روانہ ہوا ہوگا۔ سردار خاں جو وہاں قائم مقام حاکم تھا اس اثنا (۱۰۱۶ھ) میں فوت ہو چکا تھا جسے جہانگیر نے "اتفاقات حسنہ" سے تعبیر کیا ہے۔

قندھار میں ورود کے بعد قندھار پہنچتے ہی میرزا غازی نے سب سے پہلے فتنہ و فساد کے مٹانے اور امن وامان قائم کرنے کی طرف توجہ کی۔ تاریخ طاہری کا بیان ہے کہ:

— در اطراف و پیرامون آن صوبہ مردم عمدہ خویش معین ساخت، بہائی خان و لطف اللہ سلطان را برافغان فرستاد کہ دود از دمار آن بدکرداران برآوردہ، مطیع و مال گذاری از ماضی درحالی افزون ساخت۔ رائے مانک چند ولد مہتہ رائے گوریہ را بر حیدر منتفی معین داشت۔ چنانچہ او برین ملک غلبہ نمودہ بود۔ ہم چنان بر قلعہ ہائے او غالب گردیدہ، بنوعے مغلوبش ساخت کہ از کینہ دیرینہ سینہ صاف داشتہ صلاح پذیر گشت —

کچھ ہی مدت کے اندر فتنہ و فساد کا ایسا استیصال کر دیا کہ پھر کسی کو سر اٹھانے کی جرأت نہ رہی۔ امن وامان قائم ہو گیا اور ملک فارغ البال اور اطمینان کی طرف لوٹنے لگا۔ طاہری کا بیان ہے کہ:

— تا راست دروازۂ قندھار ہر جا کہ بدکارہ ای ناہموار دربزن واقعہ طلب بود، ہمہ راہموار و تابع الامر ساختہ چمن بے خار و خارین نمودہ ...... بمقصد گاہ رسید —

شاہ ایران کے ساتھ تعلقات قندھار کا صوبہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ہندوستانی حکومت کے لئے بہت اہمیت رکھتا تھا، جہاں قندھار کے لئے ایک ہوشمند اور مضبوط حاکم کی ضرورت تھی، وہاں یہ بھی ضروری تھا کہ والیٔ ایران کے ساتھ تعلقات درست ہوں تاکہ آئے دن جو ایرانی حدود کے رئیس قندھار پر ہلّہ بولتے رہتے تھے ان کا سدباب ہو جائے۔ جہانگیر کی بھی خواہش تھی اور میرزا نے بھی وہاں پہنچ کر اس امر کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی۔ ویسے بھی ایران کے صفوی خاندان کے ساتھ مغلوں کے تعلقات ہمایوں کے زمانے سے دوستانہ چلے آرہے تھے۔

اگر مغل بادشاہ تعلقات کو برقرار رکھنے کا آرزو مند تھا تو دوسری طرف ایران کا صفوی حکمران شاہ عباس (۹۸۵ - ۱۰۳۸ھ) بھی یہی چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے قندھار کے محاصرے کو ختم کرانے کے بعد اپنا ایلچی جہانگیر کے دربار میں بھیجا تاکہ اس محاصرے سے اگر کوئی غلط فہمی ہوئی ہو تو دور ہو جائے۔

جب میرزا غازی قندھار پہنچا اس وقت دونوں ملکوں کے تعلقات خوشگوار تھے۔ لیکن میرزا نے اپنی روش اور طریقۂ کار سے خوشگوار تعلقات کو اور بھی استوار کرنے کی کوشش شروع کی۔ وہاں پہنچ کر اس نے سید عبداللہ سلطان[1] کو "امیر خاں" کا خطاب دے کر بطور

---

[1] میر عبداللہ سلطان ولد میر ابوالمکارم پسر میر غیاث الدین محمد المعروف بہ سلطان رضائے العریضی سبزواری۔ میر غیاث خواند میر صاحب حبیب السیر کا نبیرہ تھا، اور شاہ بیگ کے ساتھ سندھ میں آیا۔ عبداللہ سلطان ۱۶ رشعبان ۱۰۵۴ھ میں فوت ہوا۔ (تحفۃ الکرام ۸۵ - ۱۲۸ - ۱۳۹ - ۲۰۳) میر عبداللہ شاعر تھا (مقالات الشعرا ۴۳۵) اس کے خاندان سے میر ابوالبقا بہرور علی صاحب وچراغ ہدایت، فاضل اور شاعر تھا (مقالات الشعرا ۹۶) یہ میر حیدر الدین ابوتراب کامل کے شاگرد رشید تھے (تحفۃ الکرام ۳: ۲۰۳ اور تذکرہ امیر خانی تحت میر کامل)

سفیر، بیش بہا اور کثیر تحائف کے ساتھ شاہ عباس کی خدمت میں روانہ کیا[1]۔ یہ پہلی سفارت تھی جو قندھار کی صوبائی حکومت کی طرف سے والئ ایران کے دربار میں پہنچی۔ شاہ پر اس کا بہت اچھا اثر پڑا اور اس کے جواب میں وہاں سے بھی ایک سفیر تحفہ تحائف لے کر قندھار پہنچا۔

سفارتوں کی آمد و رفت نے سیاسی روابط کے ساتھ ساتھ شاہ عباس اور مرزا غازی کے درمیان ذاتی محبت اور اخلاص کے تعلقات بھی پیدا کر دیئے، اور آئندہ کے لئے دونوں کے درمیان مراسلت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

ترخان نامہ کے مصنف نے ان تعلقات کی وجہ ایک اور بھی بیان کی ہے، وہ یہ کہ مرزا غازی کی داد و دہش اور حسن سلوک نے ایرانی علماء فضلا اور صاحب اثر لوگوں کو کثرت سے اپنا مداح اور گرویدہ بنا لیا تھا، اور انہیں لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے اس کا دربار، شاہی دربار کی ٹکر کا ہو گیا تھا۔ لہٰذا:

— والئ ایران از و اندیشہ ناک بود و ایلچیان در میان آمد و رفت می کردند میرزا غازی را والئ ایران نیز فرزند خود گفتہ بہ تحائف آنجا یاد می فرمود[2]

ممکن ہے ان دونوں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے میں ایک سبب یہ بھی ہوا ہو، لیکن زیادہ تر مرزا غازی کے اخلاق اور ذاتی جاذبیت کو اس میں دخل تھا۔ جہانگیر کو جس کشش نے اس کی طرف کھینچا تھا وہی کشش شاہ ایران سے بھی اس کے تعلقات کا

---

[1] تحفۃ الکرام میں ہے کہ میرزا غازی نے — میر عبداللہ سلطان را بخطاب میر خان ممتاز فرمودہ برسم رسالت نزد شاہ عباس والی ایران نامزد نمود کہ تحائف لائقہ رفتہ راہ منازعت مابین مسدود کردہ، آنگاہ (میرزا)، بفراغت بر صدر ایالت متمکن بکام نشست۔ (۳: ۸۵)

[2] ترخان نامہ ص ۹۱

باعث بنی۔

بہرحال یہ تعلقات کسی وجہ سے قائم ہوئے ہوں لیکن وہ اس طرح استوار ہوتے گئے کہ نہ صرف نامہ و پیام ہی کا سلسلہ رہا بلکہ شاہ عباس نے جہانگیر کی طرح مرزا غازی کو "فرزند" کا خطاب بھی دیا اور کئی بار بیش بہا خلعت اور تحائف بھی بھیجتا رہا۔ ماثر الامرا کا موٴلف لکھتا ہے:

— بادشاہ عباس طریقہ مراسلت سلوک نمود، گویند شاہ مکرر خلعت فرستاد[۱]

ذخیرۃ الخوانین نے بھی دو دفعہ خلعت آنے کا اور ذاتی مراسلت کا ذکر کیا ہے۔

— مکرراً شاہ عباس حضور علیہ رحمتہ سروپا با فرمان بہ ایشان فرستاد[۲]

میرزا غازی بیگ نے شاہ عباس کی مدح میں قصیدہ بھی کہا تھا جس کا ایک شعر ذخیرۃ الخوانین میں محفوظ رہ گیا ہے:

ززہر مار زمان، در امان بود آن کس
کہ شاہ مہرہ مدح تو، در دہن گیرد

قیام قندھار کی برکتیں مرزا غازی ۱۴ رجب ۱۰۱۷ھ کے بعد قندھار پہنچا اور اپنی وفات (صفر ۱۰۲۱ھ) تک وہاں رہا۔ ساڑھے تین سال کی اس مختصر مدت میں اس نے اپنے آپ کو بیحد مقبول بنالیا تھا۔ ہمسایوں کے ساتھ تعلقات استوار رکھے، رعایا کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتا رہا، ملک میں امن و امان قائم کیا، عمال اور سپاہ کو خوشحال رکھا اور ملک کو سرسبز اور شاداب بنادیا، ملکی اور غیر ملکی اہل علم و ہنر کو داد و دہش کی وجہ سے اپنا مداح اور ہوا خواہ بنایا، اپنے دربار کو ایسے لوگوں سے سجایا کہ تمام مورخ

۱۔ ماثر الامرا، ج ۳، صد ۳۴۶

۲۔ ذخیرۃ الخوانین قلمی صد ۱۶۲

بیک آواز اس کی تعریف اور توصیف کرتے ہیں اور اس کے دربار کو شاہی دربار کے مماثل بتاتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان دربار آرائیوں فیاضیوں اور حسن سلوک کی وجہ سے ملک کے تمدن و تہذیب اور زندگی پر بہت خوشگوار اثر پڑا۔ صاحب "مے خانہ" جو اس کا معاصر تھا، لکھتا ہے کہ:

— باوجودے کہ در قندھار اندک زمانے حکومت کردہ، فاما آثار خوب از و بسیار ماندہ [1]

ذخیرۃ الخوانین کا مؤلف اس کا ہم وطن اور ہم عصر تھا۔ اس کا قول ہے کہ:

— مرزا در صوبہ داری قندھار نامے گذاشت و "نادر قندھار" بود۔ سلوک با مترددین بہ عنوان پسندیدہ کرد۔ خود را بہ نیکنامی علم ساخت [2]

اہل علم و ہنر کی سرپرستی کا ذکر کرتے ہوئے مآثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے کہ:

— در ایام بودن قندھار بہ جمع آوردن اہل استعداد، در قندھار رغبت نمود [3]

مآثر الامرا کا قول ہے کہ:

— درانجا بہمت و حسن سلوک با متردین عراق بر آورد۔ گویند در قندھار مجلس میرزا مجمع صاحب کمالان بود [4]

صاحب ترخان نامہ نے تفصیل کے ساتھ اس طرح اس کی تعریف کی ہے:

— روز بروز شان و شوکت میرزا غازی زیادہ می شد، و آں جوان بخت دست

---

[1] مے خانہ عبدالنبی ص ۲۲۹

[2] ذخیرۃ الخوانین، قلمی ص ۱۶۰

[3] مآثر رحیمی ج ۲، ص ۳۵۳

[4] مآثر الامرا، ج ۳، ص ۳۴۶

ہمت وسخاوت وجود کشادہ ، مانند ابر زر افشانی می نمود. ازین جہت فضلاو شعرا روزگار از ایران و توران رجوع بخدمت او نمودند، و مجلسش بہشت آئین ہموارہ مجمع فضلا و شعرا روزگار بود، و ہمیشہ بہ عیش و طرب می کوشید. چنانچہ ہر روز سپاہ و رعیت روز عید و ہر شب شب برات از دولت آن جوان بخت داشتند، و غائبانہ اکثر مدرسان و شعرا و گوشہ نشینان ایران را نام بنام سالیانہ مقرر فرمودہ بود کہ ہر سال بہ آنہا می رسید۔ ازین ممر ہمہ مردم مداح او بودند، و دربار او نمونہ بادشاہی بود، وضبط و ربط آن مملکت تو عی نمود کہ مردم ایران را نیز مطیع خود ساختہ ـ[1]

یہ مدح و ثنا تو مورخوں کی ہے لیکن خود جہانگیر بھی اس کے حسن انتظام سے اتنا متاثر ہوا کہ اس کی وفات کی خبر لکھتے وقت اقرار کرنا پڑا کہ:

ـ درین مرتبہ قندھار را اضافہ ٹھٹہ نمودہ، میرزا غازی مرحمت نمودم، ازان تاریخ تا زمانہ رحلت درانجا بہ لوازم حفظ و حراست قیام و اقدام می نمود. سلوک او با مترددین بہ عنوان پسندیدہ بود ـ[2]

جہانگیر کے یہ مختصر الفاظ میرزا کے انتظام اور حسن سلوک کے بخوبی شاہد ہیں.

شاہ خرچیاں مرزا غازی نے حکومت کرنے کا جو رنگ ڈھنگ اور طور طریق اختیار کیا تھا داد و دہش، جود و سخا اور درباداری کا جو انداز ڈالا تھا. ظاہر ہے کہ اس کے لئے بہت روپیہ کی ضرورت تھی. قندھار کی آمدنی محدود تھی. ٹھٹہ کی ریاست خسرو خاں اور اس کے ساتھیوں کے تصرف میں تھی، باوجودیکہ اس کو بار بار لکھا جاتا تھا لیکن روپے کے بجائے

---

[1] ترخان نامہ ص ۹۱

[2] تزک جہانگیری ص ۱۱۰ ، بیورج ص ۲۲۳

ہمیشہ حیلے حوالوں کی طویل اور پیچ در پیچ داستانیں وصول ہوتی تھیں. تاریخ طاہری کا مؤلف لکھتا ہے کہ:

ـــ از بس کہ علی القدر دخل خرچ نمی داشت، و افراط از اندازہ افزون می کرد۔ باوجود این کہ جاگیر بدو نسبت تمام ٹھٹہ و قندھار و پارۂ اقطاع صوبۂ ملتان وسیوہان داشت، ہمیشہ قلاش و قرضدار بود ـــ

کبھی اخراجات کی تنگی حد سے زیادہ بڑھ جاتی تھی تو میرزا غازی مرکزی حکومت سے روپیہ منگا لیتا تھا، ایک دفعہ روپیہ بھیجنے کا ذکر جہانگیر نے تزک میں (پنجم سال جلوس جہانگیری میں جو ۲۴ رذی الحجہ ۱۰۱۸ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۶۱۰ء سے شروع ہوا) لکھتا ہے کہ:

ـــ میرزا غازی بیگ ترخان بجہت سامان آذوقہ قندھار ماہیانہ بر قندازان مذکور درخواست نمودہ بود، فرمودم کہ دو لک روپیہ از خزانۂ لاہور روانہ قندھار سازند ـــ [۱]

اس حکم کا اجرا صفر المظفر ۱۰۱۹ھ کی غالباً ۹ تاریخ کو ہوا ہے یعنی پانچویں سال کے شروع ہونے کے ۴۶ دن بعد۔

---

[۱] تزک جہانگیری صہ ۱۱۰، بیورج ۲۲۳

(۱۶)

سندھ میں انتشار اور حالات کی ابتری

قندھار آنے سے پیشتر، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، میرزا غازی ایک دفعہ پھر سندھ کا نظام درست کر چکا تھا۔ خسرو خاں چرکس اور اس کے حوالی موالی کو کافی تنبیہ ہو چکی تھی، لیکن ادہر مرزا غازی قندھار پہنچا، ادہر انہوں نے اپنی دستوری حرکتیں شروع کر دیں۔ خسرو خاں نے اپنے تمام متعلقین کو مملکت کے مختلف حصوں پر مسلط کر دیا۔ جنہوں نے گدھوں کی طرح ملک کو نوچ نوچ کر اپنا پیٹ بھرنا شروع کر دیا۔ جب حالات بد سے بدتر ہو گئے اور میرزا غازی کے خزانہ میں اپنے ملک سے کوڑی بھی وصول نہیں ہوئی تو مقربوں نے گذارش کی:

— درصوبہ ٹھٹہ گنجائش بسیار است، ہمہ تحت تصرف خسرو خان می رود، از بے پروائی صاحب فترت معاملات آن ملک ابتر گردیدہ۔ شیرازہ بندی از جملہ ضرور است۔ یک کس تعین است تا در سپاہ نظر نماید کہ فوتی و فراری، حاضر و غائب بسیار و بے شمار است۔ جاگیرات آن ہا را خالصہ صاحب نماید۔ دیگر آنچہ از جاگیر خالصہ اضافہ بر اصل واصل می گردد، داخل جمع نمی سازد[1]

[1] طاہری ص ۲۶۳

یہ معروضات تو ندیموں اور مقربوں نے کیں لیکن ملک سے بھی کئی آدمی فریادی آئے جنہوں نے بیان کیا کہ:

— او (خسرو خان) خود را گماشتۂ شاہی می پندارد، نواسہائے خود را در صوبہ با سر انجام تمام صاحب صوبہ ساختہ کہ ہر یک تقلید شاہی دارد۔ الحق، ہم چنان بودہ است —[1]

خسرو خاں نے محمد بیگ ولد رستم بیگ نامی اپنے نواسے کو نیرون کوٹ کا والی بنا دیا تھا، جس کی کیفیت وہاں کے لوگوں کی زبانی یہ معلوم ہوئی کہ:

— از غرور جوانی و نخوت کامرانی بہ نوعے دماغ بہم رسانیدہ کہ اکثر بر ارغون و ترخان زورے می داشت، و کسے کہ بدیدن او می آمد بجائے دست دادن پا دراز می کرد —[2]

فتح اللہ ولد لطف اللہ بہائی خاں کو بدین کا حاکم مقرر کیا تھا، جس کی حرکات ناشائستہ کی وجہ سے تمام رعایا نالاں تھی۔ شیخ عبد الباقی ولد شیخ کالہ جو خسرو خاں کی بیٹی کا لڑکا تھا، اس کے متعلق تاریخ طاہری کا بیان ہے کہ:

— با وجود اصالت و آدمیت کہ جبلی در شان خاندان غوث العالم مخدوم شیخ بہاء الدین زکریا بودہ، ہست، چنین بے رسمی پسند داشتہ و رو داد ازین قسم ناشائستگیہا گردیدہ کہ امثال عبد العزیز نجاست در صحبت او، و یاران مذکور می ریخت، کہ در عین معرکہ گوزہا می زد، و ایشان از ذوق خندہ فرحت حاصل می داشت —[3]

ایک مرتبہ ہندوؤں کے کسی تہوار میں ایک خوبصورت عورت نظر پڑی۔ شیخ صاحب کے

---

[1] تاریخ طاہری صہ ۲۶۳

[2] تاریخ طاہری صہ ۲۶۴

[3] تاریخ طاہری صہ ۲۶۴

ہم جلیسوں نے بڑھا چڑھا کر تعریفیں کیں، عبدالباقی نے عبدالعزیز کو کہا کہ: اگر پسند ہے تو اس کو اٹھا لے جا! اس "تشنۂ لعنت حرارت بے شرمی، ملحد گرسنۂ جوع بے ناموسی" نے اسی وقت اس کو اس کے عزیزوں کے سامنے سے زبردستی اٹھا لیا، اور کسی گوشے میں لے جا کر "کار دیگر" سے منہ کالا کرنا چاہتا تھا لیکن مجمع میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ لوگوں میں چہ مئے زنی اور گفتگو ہونے لگی اس کا نقشہ صاحب تاریخ طاہری نے یوں کھینچا ہے:

— دران وقت از زبان اہل عبرت، چہ ہندو وچہ مسلمان برآمد۔ وآخر ہمچنان بچشم معاینہ دیدہ شد کہ الٰہی این حکومت وحاکمان باصاحب خویش نگوں ساز، کہ آوارہ روزگار گردیدہ، چون ناموس عزا برہم می زدند، ہمچنان خود بے ننگ ونام رشوند، مردم بر افعال ناپسندیدہ چنین بزرگ زادہ کہ باعث بدین کار برہم زندۂ ہنگامہ ایشان وحکم صاحبش بود خون می گریستند — [1]

رعایا کے تو یہ جذبات تھے، لیکن ظالم طبقہ:

— خود چنیں عار وعیب را ہنر پنداشتہ چوں گل می خندید — [2]

ملک میں عام بیزاری الغرض خسرو خاں چرکس اور اس کے کارندوں سے تمام ملک بیزار ہو چکا تھا۔ ملک میں روزانہ ناگفتہ بہ واقعات رونما ہو رہے تھے۔ کچھ لوگ ٹھٹھ سے چل کر قندھار پہنچے تاکہ میرزا غازی سے فریاد کریں اور داد خواہی کریں۔ انہیں میں مرشد خاں تھا جس کی عزت میرزا غازی اس کے علم وفضل کی وجہ سے فتح اللہ کے باپ بہائی خاں سے بھی زیادہ کرتا تھا۔ اور اس کے سامنے کبھی کوئی ناشائستہ لفظ بھی مرزا غازی کی

---

[1] تاریخ طاہری ۲۶۶

[2] تاریخ طاہری ص ۲۶۶

زبان سے نہیں نکلا تھا۔ ایک مرتبہ عید کے دن فتح اللہ نے اس کو اپنی جاگیر سے بلایا، جب وہ ٹھٹہ پہنچا تو اس کے ساتھ اتنا برا اور ناروا سلوک کیا کہ بے چارہ ہکا بکا رہ گیا اور جب فتح اللہ ہاتھی پر سوار ہو کر عیدگاہ کی طرف گیا تو مرشد خاں سخت شرمندگی کے ساتھ اپنی جاگیر کو لوٹ آیا۔ اور وہاں سے قندھار کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب میرزا غازی نے اس سے سندھ کی خبر خبر دریافت کی تو مرشد خاں نے جواب میں ایک ہی شعر البدیہ پڑھا جو اس وقت کے تمام حالات کا مرقع تھا۔ اور میرزا غازی کے لئے نشتر کا کام کر گیا۔ اس نے کہا: شعر

لب شیریں بکام خسرو شد　　　　جانِ بے ہودہ می کند فرہاد [۱]

نیا انتظام، ہندو خاں اور مانک چند کا تقرر میرزا غازی یہ سن کر بے قرار ہو گیا، اور اسی وقت رائے گھوریہ کے داماد سائیں ڈنہ کو "ہندو خاں" کا خطاب دے کر اور شہباز خاں کے خسر رائے مانک چند کے ساتھ ٹھٹہ روانہ کیا تاکہ عنان حکومت خسرو خاں اور اس کے لواحقین سے چھڑا کر اپنے ہاتھ میں لیں اور خسرو خاں کو اس کے نواسوں، اہل کاروں اور دیگر چھوٹے بڑے چرکسوں کے ساتھ۔ جنہوں نے سندھ میں ایک آفت مچا رکھی تھی۔ فوراً معزول کر کے قندھار روانہ کریں۔ مرزا غازی سخت برافروختہ تھا، ان لوگوں کو ٹھٹہ روانہ کرنے کے بعد اپنے امراء سے کہا:

ـــ ہمہ غلامان حرام نمک را کہ پا از گلیم بیرون آوردہ و سر از اندازہ بدر بردہ ما را بنظر نمی آورند، بدین عقوبت خوار و رسوا خواہم ساخت کہ خسرو خان را چوب در دست دادہ، دربان کنیزان چندگہ در کار لبست می نمائیم۔ فتح اللہ ولد لطف اللہ بہائی خان را کہ حاکم بدین شدہ، آنقدر پچی می سازم کہ پدرش در جرگہ نشستہ باشد و او آب بر دست آں کیسان بریزد کہ آن را از حیلۂ نوکران خود نمی

---

[۱] تاریخ طاہری ص ۲۶۴ یہ بیت کمال خجندی کی ہے

پنداشت۔ محمد بیگ کہ بسیار نازک وبلبشیر تقلید مامی دارد جلاجل جلو داراں درکمرش می بندیم و در جلوی می دوانیم تا بداند کہ صاحب ماست و نتیجۂ بددیانتی خود می باید۔ ۱

فتح اللہ، خسرو خاں کا پوتا اور لطف اللہ بہائی خاں کا بیٹا تھا، بہائی خاں کو مرزا غازی اپنے ہمراہ قندھار لیتا گیا تھا، محمد بیگ رستم بیگ کا بیٹا اور خسرو خاں کا نواسہ تھا، نیرون کوٹ اس کی تحویل میں تھا۔ اس کی نخوت و پندار کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ملنے آتا تو اس کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بجائے اپنا پاؤں اس کی طرف پھیلا دیتا تھا۔ ۲

یہ طور طریقہ ان لوگوں نے، محض مرزا غازی کی مروت، ملائمت، شرافت نفسی اور بار بار چشم پوشی کی وجہ سے، اختیار کر رکھا تھا۔ اگر وہ ان کے ابتدائی کارناموں کو نظر میں رکھ کر ہر ناشائستہ فعل پر کڑی باز پرس کرتا اور سزائیں دیتا تو شاید اس کی غیر حاضری میں ملک کی اور خود اس کے خزانے کی اس طرح بربادی اور خرد برد نہ ہوتی۔ بہر حال مرزا غازی نے آخر کار ان کی معزولی کا حکم صادر کیا اور ان کو رسوا کرنے کا منصوبہ سوچا۔

---

۱ تاریخ طاہری صہ ۲۶۷

۲ تاریخ طاہری صہ ۲۶۴

(۱۷)

ہندو خان اور مانک چند کی سندھ میں آمد اور جنگ

قندھار سے چل کر ہندو خاں اور رائے مانک چند سب سے پہلے نصر پور پہنچے، جہاں شاہ قاسم خاں ارغون کی اولاد جاگیرداری کر رہی تھی۔ ان دونوں کا خیال یہ تھا کہ نصر پور کا انتظام کر کے اور اگر ممکن ہو تو شاہ قاسم خاں کی اولاد کو ہموار کر کے ٹھٹھہ جائیں۔

شاہ قاسم کا بیٹا[1] مقیم سلطان وہاں موجود تھا اس نے بجائے اس کے کہ جاگیر کا انتظام والی ملک کے فرمان کے مطابق ان کے سپرد کرتا، ان کو قلعہ میں بند کر دیا۔ خسرو خاں چرکس کے اس خاندان کے ساتھ بہت گہرے تعلقات تھے، علاوہ ازیں دونوں یکساں ملک پر قابض تھے اور دونوں اپنے ولی نعمت سے روگرداں تھے۔ مقیم سلطان نے یہ رویہ خسرو خاں کے ایماء ہی سے اختیار کیا تھا۔

ہندو خاں پریشان ہو گیا لیکن رائے مانک چند نے قلعہ سے نکل کر مقیم سلطان

---

[1] یہ خان زماں امیر شاہ قاسم بیگلار کا دوسرا بیٹا تھا۔ اس کا حال علیحدہ آئے گا۔

سے گفت وشنید کی۔ دوران گفت گو میں سخت کلامی تک نوبت پہنچی اور مقیم سلطان کے آدمیوں نے، جو پہلے سے تیار تھے، رائے مانک چند اور اس کے ساتھی میرک محمد سلطان ولد قاسم علی سلطان کو قتل کر دیا۔ [۱]

رائے مانک چند کا لڑکا رائے سنگھ سندھ ہی میں موجود تھا جب اسے اس واقعے کی اطلاع ملی تو وہ دندناتا ہوا وہاں پہنچا اور للکار کر کہا کہ باپ کی لاش کو نذر آتش کرنے سے پہلے اس کے قتل کا انتقام لونگا۔ چنانچہ طرفین میں دست بدست لڑائی ہوئی۔ مقیم سلطان کے بہت سے آدمی مارے گئے اور بے شمار مال و دولت اور ہاتھی رائے سنگھ کے قبضہ میں آگئے۔[۲]

---

[۱] مظہر شاہجہانی میں ہے کہ سندو خاں نے آنے کے بعد قلعہ خالی کرا کے شہباز خاں کے حوالے کیا اور پھر خسرو خان کے مشورے پر قاسم خاں کے بیٹوں میں سے میر فتحی نے رائے مانک کو دعوت دے کر اپنے ہاں بلایا اور وہیں اس کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد جنرائی برادر فتحی اپنے آدمی لے کر قلعہ نصر پور پر حملہ آور ہوا تاکہ رائے مانک کے آدمیوں اور شہباز خاں اور سائیں ڈنہ قلعہ کے دروازے بند کر دیے۔ (مظہر شاہ جہانی ص ۲۳۵-۲۳۶)

[۲] رائے سنگھ اور قاسم خاں کے بیٹوں کی اس جنگ میں قاسم خاں کا داماد مارا گیا تھا۔ جس کی قبر کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ ۱۱ رمضان ۱۰۲۰ھ کو ہوئی تھی (مظہر شاہجہانی ص ۲۳۶۔ مقدمہ راقم الحروف بر خیر نامہ ص ۵۶) کتبہ یہ ہے:

(۱) تاریخ رحلت نمودمیر شیر بیگ (مرحوم بنی)۔

(۲) میر علی شیر ارغون روز دو شنبہ وقت۔

(۳) دو پاس یازدہم شہر رمضان۔

(۴) المبارک سنہ ۱۰۲۰ھ در جنگ۔

(۵) بمرتبہ شہادت رسید۔

اس طرح انتقام لینے کے بعد رائے سنگھ نے اپنے باپ کی لاش جلائی اور پھر مرزا غازی کے ہاں قندھار روانہ ہو گیا۔

مرزا غازی رائے سنگھ کی بہادری اور شجاعت کا حال سن کر بہت خوش ہوا۔ منصب کے ساتھ ساتھ باپ کی امارت بھی اسے مرحمت کی اور دوبارہ سندھ کی طرف روانہ کر دیا۔

(۱۸)

خسرو خان کی بے دخلی

مندو خاں سندھ ہی میں موجود تھا. رائے سنگھ بھی قندھار سے آکر اس کے ساتھ شریک ہو گیا. دونوں نے خسرو خاں کو بے دخل کر دیا اور مختلف علاقوں سے اس کے لواحقین کو ہٹا کر اپنے آدمی مقرر کر دیئے. "تاریخ طاہری" کا بیان ہے:

— خان را از معاملات ملک، بے دخل ساخت، در ہر صوبہ عمال تعین داشتہ، بہ تحصیل مال و معاملہ مشغول گشتند —

خسرو خان اپنے دوستوں، رفیقوں اور اہل کاروں کو ساتھ لے کر چار و ناچار قندھار کی سمت روانہ ہوا، اور چلتے ہوئے اپنے ان آدمیوں کو جنہیں سندھ میں چھوڑ رہا تھا، یہ سکھا پڑھا گیا:

— ہمہ را بموجب برہم زدگی معاملات اشارت نمود کہ از و رو گردانیدہ، در مال گزاری فصل، "تا توانند" تقصیر دارند۔ ہر طرف فتنہ برپا نمودہ شورش پیدا نمایند، تا میرزا بداند کہ بے وجود فلانے چنین حادثہ در مامون جا ہویدا گشتہ —[1]

---

[1] تاریخ طاہری ص ۲۷

خسرو خاں کی بیدخلی کا واقعہ ۱۰۲۰ھ کے آخر یا محرم ۱۰۲۱ھ کا ہے، کیونکہ وہ قندھار جاتے ہوئے ابھی ہالہ کنڈی تک ہی پہنچا تھا کہ میرزا غازی کے انتقال (۱۱ صفر ۱۰۲۱ھ) کی اطلاع قندھار سے آئی۔ اس واقعہ جانکاہ کو اس نے اپنے لئے فال نیک سمجھا اور اپنے طالع کی یاوری کا کرشمہ خیال کیا، اور اس خیال کے ساتھ واپس آیا کہ:

— آن ہندوے جانشین خود را بہ کیفر و مکافات چنان رساند کہ عبرت دیگران شود —

عبدالعلی ترخان کی جانشینی خسرو خان نے رائے سنگھ اور سید خان سے کیا سلوک کیا، یہ تو معلوم نہ ہو سکا، لیکن آتے ہی اس نے بقول صاحب ترخان نامہ:

— میرزا عبدالعلی بن میرزا فرخ بن میرزا شاہ رخ بن میرزا باقی کہ از نبائر میرزا محمد باقی ہمون ماندہ بود برائے گفت و شنود، بر مسند حکومت ٹھٹہ نشاندہ، ملک و حکومت بدست خود آوردہ —[1]

اس بچے کو تخت پر بٹھا کر اس نے پھر ملک پر اپنا قبضہ جما لیا اور حسب سابق اپنے عمال ہر حصے پر بھیج دیئے۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ میرزا عبدالعلی، میرزا غازی مرحوم ہی کے خاندان کا چشم و چراغ ہے، لہذا دستور سابق کے طور پر جہانگیر بادشاہ اس کی مسند نشینی کو تسلیم کرے گا۔ اور ملک میں بھی کوئی شورش اس لئے نہیں ہو گی کہ حکومت پر اسی کے رشتہ داروں اور ہواخواہوں کا قبضہ تھا۔ میرزا عبدالعلی ناسمجھ بچہ تھا اس لئے وہ صرف مسند کا مالک رہتا اور ملک پر خسرو خان کی حکومت چلتی۔ مگر خسرو خاں کا یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔ جب دربار جہانگیری کو یہ معلوم ہوا:

— خسرو خان غلام میرزا غازی بے حکم اقدس از ابنائے میرزا محمد باقی خورد

---

[1] ترخان نامہ ص ۹۳

سالہ رابدست کردہ باغی شد۔ میرزا رستم قندھاری را کہ صاحب صوبہ ٹھٹہ نمودہ با چند امرائے دیگر بر سر خسرو خان تعین فرمودند۔ ؎۱

عبدالعلی کی گرفتاری اور خسرو کی بیدخلی مرزا رستم قندھاری ؎۲ کے تقرر کے ساتھ میر عبدالرزاق معموری کو بھی بخشی بنایا گیا اور اسے مرزا رستم کے پہنچنے سے پہلے ٹھٹہ روانہ کردیا گیا۔ تاکہ خسرو خان کو معزول کر کے ملک کو ضبط کرے۔ چنانچہ میر عبدالرزاق معموری نے جاتے ہی ان احکام پر عملدر آمد شروع کردیا۔ مرزا رستم بھی اس کے پیچھے پیچھے ۱۰ محرم ۱۰۲۱ھ کو ٹھٹہ پہنچ گیا۔ نظم و نسق کو ٹھیک کرنے کے بعد میر عبدالرزاق معموری اپنے ساتھ میرزا عبدالعلی، خسرو خان اور دوسرے ارغون اور ترخانوں کے علاوہ مرزا غازی کے اہل و عیال کو لے کر دربار جہانگیری کی طرف روانہ ہوا۔ دربار میں پہنچنے پر اس کو "مظفر خاں" کا خطاب ملا۔ ؎۳ مرزا عبدالعلی، خسرو خان اور اس کے لڑکے کے لئے قید کا حکم صادر ہوا۔ مرزا غازی کے اچھے اچھے ملازموں اور متعلقین کو ملازمتیں اور مناصب دیئے گئے۔

؎۱ ترخان نامہ صہ ۹۳-۹۴

؎۲ میرزا رستم قندھاری صفوی (متوفی ۱۰۵۱ھ) بن سلطان حسین میرزا صفوی (متوفی ۹۸۴ھ) والئ قندھار بن میرزا بہرام (۹۲۳) بن شاہ اسمٰعیل کبیر صفوی شاہ ایران اور اس کے تقرر اور صورت حال کے سلسلے میں دیکھئے مکلی نامہ، حواشی راقم الحروف ۲۶۵ تا ۲۷۶ اور ۲۷۴،۲۷۶ اور دیکھئے مآثر الامرا ۳: ۴۳۴ - میرزا رستم کو بادشاہ کی طرف سے فرمان ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۲۱ھ ملا۔ تزک جہانگیری صہ ۱۱۴

؎۳ میر عبدالرزاق معموری، ارغون اور ترخانوں کا یہ قافلہ لے کر ۲۶ ربیع الاول ۱۰۲۲ھ (جمعرات) کو اجمیر میں بادشاہ کے پاس پہنچا۔ معموری کے لئے دیکھئے مآثر الامرا ۳: ۳۷۶ اور حواشی مکلی نامہ صہ ۲۷۰

مرزا غازی کے عیال کے لئے مدد معاش مقرر کی گئی۔ باقی جتنے ارغون اور ترخان سردار اور سپاہی آئے تھے وہ سب نواب مرزا عیسیٰ ترخان (ثانی) کی سرکار میں بھیج دیئے گئے۔

نواب مرزا عیسیٰ ترخان[۱]، مرزا غازی کے زمانے میں جب ابوالقاسم سلطان گرفتار ہوا تو سندھ سے بھاگ کر اکبری دربار میں آگیا تھا اور اس کے بعد وہیں رہا۔ جہانگیر نے جب ان ترخانوں اور ارغونوں کو اس کے سپرد کیا تو بقول صاحب ترخان نامہ:

- نواب موصیٰ الیہ از کمال ہمت پرداخت نمودہ، ہر کس را در خور استعداد در خدمت خود نگاہ داشت[۲]

خسرو خاں کا قید خانہ ہی میں انتقال ہوگیا، مرزا عبدالعلی اور بہائی خاں لطف اللہ کو نور جہاں بیگم کی سفارش پر بندی خانہ سے رہائی ملی اور مرزا عبدالعلی کا روزینہ مقرر کر کے آصف خاں کے حوالے کیا گیا۔ جب جوان ہوا تو اس کو جزوی منصب عنایت کیا تا آنکہ سنہ ۱۰۴۰ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔[۳]

قندھار کا انتظام مرزا غازی کے انتقال کے بعد بہائی خاں نے غالباً صوبۂ قندھار پر اپنا قبضہ جمانے کی ٹھانی تھی۔ اس کی اطلاع ترخان نامہ کی اس عبارت سے ملتی ہے:

۱؎ مرزا عیسیٰ کا مزار مکلی میں مشہور و معروف ہے۔ پاکستانی دس روپے کے نوٹ پر اس کا عکس ہے۔ اس کی مکمل سوانح کے لئے دیکھئے حواشی مکلی نامہ از ص ۲۳۷ تا ص ۵۶۵

۲؎ ترخان نامہ ورق ۴۸

۳؎ اس کی قبر میرزا باقی ترخان کے قبرستان میں ہے اور قبر کے کتبے کی عبارت یہ ہے:

(الف) وفات میرزا عبدالعلی

(ب) نہم شہر رجب سنہ ۱۰۴۰ھ

— بہائی خاں ولد خسرو خاں بعد از رحلت میرزا خیال فاسد قائم مقامی میرزا بخاطر رسانیدہ اداہائے جنگ نمود، مردم اورا متہم داشتند کہ از روئے حرام نمکی آقائے خود را خفہ کرد۔ واللہ اعلم بالصواب۔ [1]

میرزا غازی کے انتقال پر ممکن ہے وہ یہ خیال خام اپنے دل میں لایا ہو، لیکن جہانگیر کے فرمان پر وہ بھی قندھار سے دربار میں لایا گیا۔ پہلے تو قید خانے میں رہا۔ بعد میں نورجہاں کی شفاعت پر رہائی حاصل کر کے پانصدی منصب پر گذارا کرتا رہا۔

قندھار کی حکومت ابوالبنی اوزبک کے تفویض کی گئی، تزک میں جہانگیر لکھتا ہے کہ:

— چوں عیوضی میرزا غازی سردارے بہ قندھار بالیست فرستاد، ابوالبنی اوزبک راکہ در ملتان وآں حدود واقع بود بدین خدمت مامور ساختیم۔ [2]

مآثر الامرا میں ہے کہ:

— در سال ہفتم از اصل و اضافہ بمنصب سہ ہزاری و سہ ہزار سوار و خطاب "بہادر خانی" امتیاز اندوختہ از انتقال میرزا غازی بحکومت قندھار چہرہ بلند پایگی برافروخت۔ [3]

---

[1] ترخان نامہ ص ۹۳

[2] تزک جہانگیری ص ۱۱۰، بیورج ۲۲۳

[3] مآثر الامرا ۱: ۴۰۱

سندھ کی حکومت سال ۹۶۲ھ میں ارغونوں سے ترخانوں کے ہاتھ آئی تھی۔ پورے ۳۸ سال تک ان کی حکومت قائم رہی۔ ۱۰۰۰ھ میں مغلوں کا قبضہ ہوا لیکن اکبر نے اس کے بعد بھی یہ ملک انہیں واگزاشت کر دیا تھا۔ مگر ۱۰۲۱ھ میں میرزا غازی کی وفات سے نہ صرف سندھ کی خود مختاری ختم ہوئی بلکہ ترخانی خاندان کا بھی خاتمہ ہوگیا، اور سندھ دوسرے صوبوں کی طرح مملکت ہند کا ایک جزو بن گیا اور مرکز سے گورنر بھیجے جانے لگے۔

(۱۹)

وفات

قولنج یا زہر؟

مرزا غازی شراب کا بیحد شیفتہ تھا۔ جوانی دیوانی، اس پر تین صوبوں کی حکومت اور جہانگیر کی فرزندی، بے فکری کے ساتھ شب و روز عیش و عشرت میں مشغول، رات اور دن کے کسی حصے میں بھی شراب اس سے نہیں چھٹتی، آخر اس بلانوشی نے اپنا اثر کیا اور صحت خراب ہوگئی۔

۲۵ برس کی عمر میں وہ بیمار ہوا اور بقول صاحب ذخیرہ:

– بیمار شدہ و در دو سہ روز وفات یافت – [۱]

لوگوں نے اس کی بے وقت موت اور دو تین ہی دن بیمار رہ کر اچانک انتقال کر جانے کی وجہ سے مشہور کر دیا کہ اس کو زہر دیا گیا۔ یہ الزام ان کے رفیق خاص اور خسرو خاں کے لڑکے بہائی خاں پر لگایا گیا۔ صاحب ذخیرہ لکھتا ہے کہ:

---

[۱] ذخیرۃ الخوانین قلمی صہ ۱۶۲

— مردم مُردن مرزا را به بهائی خاں لطف اللہ ولد خسرو خاں کو کہ تہمت نہادند چراکہ مرزا اگرچہ لطف اللہ را بہ خطاب "بہائی خاں" ممتاز ساختہ وکیل مطلق العنان خود ساختہ بود و او مصاحب و ندیم میرزا بود، امّا مرزا با پدرش خسرو خاں بے عنایت بودند — [1]

مرزا نے انتقال سے چند روز پہلے خسرو کے مظالم اور خودسری کی وجہ سے تنگ آکر اس کو اور اس کے ہمراہیوں کو قندھار بلالیا تھا تاکہ اس سے باز پرس کرے اور جو کچھ سلوک کرنے والا تھا وہ بقول تاریخ طاہری یہ تھا:

— قرار با اہل صحبت محرمِ اسرار چنان نمود کہ: ہمہ غلامان حرام نمک را۔ کہ پا از گلیم بیرون آوردہ وسر از اندازہ بدر بردہ۔ ما را بنظر کمی آورند۔ بدین عقوبت خوار و رسوا خواہم ساخت کہ خسرو خاں را چوب در دست دادہ دربانِ کنیزان چند کہ در رکابست می نمایم! فتح اللہ ولد لطف اللہ بہائی خاں را۔ کہ حاکمِ بدین شدہ۔ آفتابچی میسازم، کہ پدرش در حرگشتہ باشد و آب بر دست آن کسان بریزد کہ آن را از جملۂ نوکرانِ خود نمی پنداشت! محمد بیگ کہ بسیار نازک و بیشتر تقلیدِ ما میدارد، جلاجل جلو داران درکمرش می بندیم و در جلو میدوانیم! تا بدانند کہ صاحبِ ما است، و نتیجہ بے دیانتی خود می یابیم — [2]

اس وجہ سے لوگوں کو شبہ پیدا ہوا کہ بہائی خاں نے اپنے باپ اور اپنے عزیزوں کو اس خواری اور ذلت سے بچانے کے لئے میرزا کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ اور تقریباً سارے مورّخ اس بات پر متفق ہیں۔

---

[1] ذخیرۃ الخوانین قلمی ص ۱۶۲

[2] طاہری ص ۲۶۷

تاریخ طاہری کا مصنف، جو مرزا کا معاصر اور اس خاندان سے وابستہ تھا، بلکہ اس وقت خود بھی قندھار میں موجود تھا، اپنی تاریخ کی ابتدا میں ایسے کلمات لکھتا ہے جس سے زہر دینے کا معاملہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ تالیف کے ارادے کا ذکر کرتے ہوئے دیباچے میں لکھا ہے:

— اگرچہ مدت مدید بخاطر این آرزو میگذشت کہ اگر آسایش بمراد و کام دست دہد، نمک حلالی صاحب ماضی ہم دوش حور و کامیاب قصور، پیمانہ پیمائے شراب طہور، شہد ہلاہل حضور، ہم نشینی امیر حسن و حسین معرفت پناہ افتخار آن ارغون و ترخان میرزا غازی بیگ وقاری نمودہ ۔ ۔ ۔ ۔ [1]

— آن صاحب فاضل، باذل، اہل نواز، حاتم ہمت، نشیان کف، ازین عالم فانی بداں ملک جاودانی رحلت فرمود، این بندہ ...... بہرہ ور از کسب فضیلت کہ بشوق خدمت خلد آئین او اکتساب نمودہ ۔ برگشت کہ از خانہ زادانش حرام نمکی نمودہ، بزہر قاتل طوطی شکر خوارہ روحش از آشیان وجود بر قفس کتم عدم محبوس داشتہ، داغ شقاوت و بدنامی بر ناصیۂ خویش نہادند[2]

اور اس کے بعد سید محمد طاہر نسیانی نے اس واقعہ پر اپنے تاریخی قطعہ کے اشعار دیئے ہیں ان میں بھی زہر خورانی کی طرف اشارہ کرتا ہے:

افتخار آل ترخان میرزا غازی، کہ خلق
خواندو را آفتاب ابر کف دریا دلش

از خرمندی جہان را داد و، داد برد
ہر تحویل زبان تحصیل گشتہ حاصلش

کرد تنخواہ، آنچہ تحویل قدر بودہ بدو
چون قضا افگند پائے زندگانی در گلش

---

[1] تاریخ طاہری ص ۱۰

[2] تاریخ طاہری ص ۱۶

زہر درکامش غلامان ریختند از ہر آن | تا بگیرند جای او، آیند اندر منزلش
سال و تاریخ وفاتش خواستم گفتہ خرد | برکشیدند آ کینہ و دادند زہر قاتلش [1]

۸۵ - ۱۱۰۶ = ۱۰۲۱ھ

مرشد خاں بروجردی نے ان کی وفات پر جو مرثیہ کہا ہے اس کے اشعار میں بھی زہر قاتل، خون وغیرہ کے اشارے موجود ہیں:

زہر دوران سوخت درکامش زلال جام را
خون او، ترسم بگیرد دامن ایام را
قاتلش ترسم زبد چندی، وگرنہ مرگ را

. . . .

خون او را مثل یک اقلیم ننشاند زجوش
سیل اشکے سرد ہیم و عالمی ویران را [2]

صاحب ماثر رحیمی وفات کا سبب درد قولنج بیان کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھتا ہے کہ:

— و بقول جمعی مسموم شد — [3]

اور کہتا ہے کہ اس بنا پر قاضی محمود ٹھٹوی نے تاریخ یوں نکالی:

— کشتۂ زہرِ جفا — (۱۰۲۱ھ)

---

[1] تاریخ طاہری ص ۱۸ و مقالات الشعراء ص ۸۳۶

[2] ماثر رحیمی ۲: ۳۵۵ - ۳۵۶

[3] ماثر رحیمی ج ۲، ص ۳۵۴

مآثرالامرانے بھی لطف اللہ پر الزام کی تائید کی ہے:

— مردم تہمت آن را بر لطف اللہ بہائی خان کہ مصاحب و وکیل مرزا بود و بنابر آنکہ با پدرش خسرو خان چرکس، میرزا بے عنایتی داشت۔ بستند۔[1]

صاحب مقالات الشعرا جو اس کا ہم عصر نہیں لیکن ہم وطن ہے لکھتا ہے کہ:

— بہائی خان ولد خسرو خان حرام نمکی ورزیدہ بدست غلام خانہ زادش عبداللطیف نام بقولے خفہ، و بروایتی بزہر داخل زمرۂ — مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ — کرد۔[2]

وہی مصنف اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

— از ثقات مذکور کہ: چون مرزا در قندھار بآن پایۂ والا تصاعد نمودہ واقبالش روز بروزمی افزود، جمعی ناخواہ دوستش از ابنائے جنس بران آمدند کہ آن گلبنِ اقبال بصرصر فنا از دست دہند، پس در حدود احد و عشرین و الف (۱۰۲۱ھ) بدست غلام خانہ زادش عبداللطیف نام، بقولی خفہ و بقولی مسموم کردند۔[3]

اس طرح تمام مؤرخ اور تذکرہ نویس زہر کے واقعے کو دہراتے رہے ہیں، لیکن شیخ فرید بکھری صاحب ذخیرۃ الخوانین اس سلسلہ میں اپنا ایک چشم دید واقعہ یوں لکھتا ہے:

— بعد از وقوع این حادثہ، کہ بہائی خان در سلک جہانگیری مسلک شد،

---

[1] مآثر رحیمی ج ۲، ص ۳۵۴

[2] مقالات الشعرا ص ۳۰۳

[3] مآثرالامرا ج ۳، ص ۳۴۷

درسفر مرتبۂ اول کشمیر ۱۰۲۸ھ درر کاب سعادت جہانگیری بود. درمقام بابا حسن ابدال مسوّدِ این اوراق شیخ فرید بھکری را بامیر خواجہ محمد مودودی چشتی، از روی، ہم وطنی و معرفت ہائے سابق، بہائی خان سنجانۂ خود طلبیدہ ضیافت کرد. درمجلس، ہمین مقدمۂ کشتن مرزا درمیان آمد. بہائی خان مصحف مجید بر داشت کہ از من این امر صدور نیافتہ! و نہ بد انستگی من شدہ! مرزا باجل طبیعی درگشتہ، از افراط شرب شراب مرزا از عالم رحلت کردہ — لہ

ممکن ہے کہ یہ بات صحیح ہو اور بہائی خاں فقط حالات اور اسباب کی شہادت کی بنا پر اس سلسلے میں شک و شبہ کا شکار ہوا ہو.

ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ جہانگیر بادشاہ میرزا غازی کو اپنا فرزند کہتا تھا اور جہانگیر نے اس کی وفات کا ذکر اپنے تزک میں بہت ہی اچھے الفاظ میں کیا ہے، اگر اس کو یہ چیز معلوم ہوتی تو لازماً ملزم کو سزا ملتی نہ کہ مجرم کو اپنی ملازمت میں رہنے کی سعادت بخشتا۔

ہو سکتا ہے کہ افراط شراب اور عیش کوشی نے مرزا کی صحت کو تباہ اور اس کے جگر اور آنتوں کو نقصان پہنچایا ہو اور بقول مآثر رحیمی قولنج جیسی خطرناک بیماری میں دو تین دن مبتلا رہ کر جان دی ہو.

لہ ذخیرۃ الخوانین قلمی ص ۱۶۳

(۲۰)

سالِ وفات

میرزا غازی کے سال وفات پر سوانح نویسوں میں اختلاف ہے. سب سے زیادہ تعجب انگیز غلطی مآثر الامرا کے مصنف سے ہوئی ہے، اس نے وفات کا سال ۱۰۱۸ھ دیا ہے اور غازی (۱۰۱۸) کے لفظ سے تاریخ نکالی ہے. لکھا ہے:

— در سنہ ۱۰۱۸ھ (یک ہزار دہ ہشت) میرزا چہار روز بیماری کشیدہ در بیست و پنج سالگی فوت کرد — غازی (۱۰۱۸) — تاریخ است — [1]

صاحب میخانہ نے سال وفات ۱۰۲۰ھ لکھا ہے:

— در قندھار در سنہ عشرین والف (۱۰۲۰) از ساغر مرگ مدہوش شد و چراغ عمرش خاموش گردید —

برداشت زخاک عالمی را　　در خاک نہاد روزگارش [2]

---

[1] مآثر الامرا ۳ : ۳۴۶ [2] میخانہ عبد النبی چاپ گلچین معانی صہ ۲۹۴

دوسری جگہ طالب آملی کے ذکر میں لکھا ہے۔

— زبدہ دودمان ترخانان در قندھار از دست ساقی اجل ساغر مرگ گرفت، آن بلبل داستان سرا (طالب)، در ہمان سال کہ سنہ عشرین والف (۱۰۲۰) بود، بدار الخلافتہ آگرہ رسید — [۱]

اسی طرح صاحب ذخیرۃ الخوانین جو صاحب مآثر الامرا کا ماخذ بھی رہا ہے، میرزا رستم کے ضمن میں سال ۱۰۲۰ھ دیتا ہے:

— در سال ۱۰۲۰ھ کہ رایات عالیات جہانگیر در دار البرکتہ اجمیر([۲]) (؟) نزول اجلال نمودہ وخبر فوت مرزا غازی ترخان والی ٹھٹہ بمسامع عالیہ رسید، مرزا رستم را تعینات ٹھٹہ فرمودند — [۳]

لیکن جلد دوم میں جو کہ امرائے جہانگیری کی شرح احوال پر مشتمل ہے، میرزا غازی کے سوانح میں جو تاریخ دی ہے، اس سے سال ۱۰۲۱ھ برآمد ہوتا ہے:

— با غازی (۱۰۲۱) — سنہ تاریخ فوت میرزا غازی است — [۴]

ہمارا خیال ہے کہ میرزا رستم کے ضمن میں جو سال ۱۰۲۰ سنہ درج ہے وہ چونکہ ہندسوں میں لکھا ہوا ہے اس لئے کتابت کی غلطی کہی جا سکتی ہے، ورنہ دراصل صحیح وہی سال ہے جو — باغازی (۱۰۲۱) — سے نکلتا ہے، جیسے مآثر الامرا کے مولف نے — غازی — لکھ کر سال ۱۰۱۸ بنا دیا ہے۔

---

[۱] میخانہ عبدالنبی چاپ مولانا محمد شفیع ص ۳۸۶۔

[۲] آگرہ ہونا چاہیئے کہ جہانگیر اس سال وہیں تھا۔

[۳] ذخیرہ مطبوعہ ۱: ۹۹

[۴] ذخیرہ خطی ۲: ۱۶۷

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ باقی جتنے سوانح نویس اور تاریخ گو شعراء ہیں ان سب نے سال ۱۰۲۱ھ ہی کو میرزا غازی کا سال وفات قرار دیا ہے، مثلاً

نشتر عشق میں ہے کہ: سال ۱۰۲۱ھ میں عبدالطیف نامی غلام نے وقاری کو زہر سے ہلاک کیا۔ [۱]

تاثر رحیمی نے قاضی محمود تتوی کی تاریخ دی ہے۔ کشتہ زہر جفا۔ جس سے وہی سال ۱۰۲۱ھ نکلتا ہے۔ [۲]

ماثر رحیمی نے خود بھی ۱۰۲۱ھ میں درد قولنج سے اس کا فوت ہونا لکھا ہے۔ [۳]

مولانا محوی اردبیلی نے تاریخ وفات ۔ شمع محفل جنت ۔ سے نکالی ہے۔ [۴]
(۱۰۲۱)

طاہری کے مصنف نے جو شعر تاریخ وفات میں کہا ہے اس سے یہی سال ۱۰۲۱ھ نکلتا ہے۔ [۵]

صاحب مقالات الشعرا نے کسی شاعر کا مندرجہ ذیل شعر دیا ہے جس سے یہی ۱۰۲۱ھ برآمد ہوتا ہے۔

از دست غلام گل بروں رفت دریغ [۶]
۱۰۷۱ - ۵۰ = ۱۰۲۱ھ

تاریخ محمدی کے مولف میرزا محمد بن رستم نے بھی بقول ریو سال ۱۰۲۱ھ دیا

---

[۱] مے خانہ طبع لاہور حاشی صہ ۵۷

[۲] ماثر رحیمی ۲: ۳۵۴

[۳] ماثر رحیمی ۲: ۳۵۴

[۴] تاثر رحیمی ۲: ۳۵۴

[۵] دیکھیے گذشتہ باب و مقالات الشعرا صہ ۸۳۶

[۶] مقالات الشعرا صہ ۸۳۶ خداداد خاں مرحوم نے لب تاریخ سندھ میں لکھا ہے کہ "سال
(جاری)

ہے۔

کیول رام نے اپنے تذکرۃ الامرا میں بھی یہی سال لکھا ہے۔ [۱]

— میرزا غازی ولد میرزا جانی حاکم تھتھا در عہد اکبری از طرف پدر خود نیابت نظم آن صوبہ سرانجام می نمود در سنہ ۱۰۰۸ھ بعد فوت پدر بصدور فرمان معظم آنجا سر برافراختہ وطلب حضور گردیدہ تا رحلت آنحضرت در اکبرآباد بود. در سنہ احد جہانگیری بمنصب پنج ہزاری بر آوردہ بکومک شاہ بیگ خان ناظم قندھار رفتہ. در سنہ دوم. باوجود نظم تھتھا بنظم قندھار از تغیر سردار خان مقرر گشتہ. در سنہ ۷ (جہانگیری) در آنجا رحلت نمود. [۲]

غلام علی آزاد نے سرو آزاد میں ملا مرشد بروجردی کے تحت میں لکھا ہے کہ:

— وہمانجا (میرزا غازی در قندھار) در عمر بیست و پنج سالگی سنہ احدی وعشرین والف (۱۰۲۱ھ) پیمانہ حیات او لبریز گردید [۳]

صاحب ترخان نامہ نے سال ۱۰۲۱ کے ساتھ ساتھ تاریخ، دن اور مہینہ بھی دے دیا ہے اور اس کی روایت ہر لحاظ سے صحیح ہے، کیونکہ مولف نے اپنی کتاب میں بہت سی روایتیں

(جاری) شہادت اداز این مصرع بروی حساب اعداد ابجد برنمی آید ملی بجد تنظر موزونی عبارت مرقوم نمودہ شدہ است صہ ۸۲" خداداد مرحوم نے غالبًا تمام حروف کے اعداد جمع کر لیے ہیں حالانکہ از روئے تخرجہ اس سے ۱۰۲۱ھ برابر نکلتا ہے

[۱] رک: ریو صہ ۱۶۸۴، از روے نسخہ خطی ورق ۱۴۰ نیز رک: ریو ۱: ۲۹۳ اور بلاخمن ۳۹۳

[۲] رک ریو ۱۰۸۴ ب وے خانہ طبع مولانا محمد شفیع صہ ۲۲۹۔ اسی نسخہ کی فوٹو سٹیٹ کاپی میرے پاس ہے جس سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ (ورق ۱۲۵ – الف)

[۳] سرو آزاد صہ ۱۴۰

معاصر راویوں کے علاوہ میرزا صالح ترخان کی زبانی سن کر لکھی ہیں، جس کا باپ میرزا عیسیٰ ترخان ثانی، میرزا غازی کا عزیز، معاصر اور کسی زمانے میں اس کا رقیب بھی رہا تھا. لکھا ہے:

— در سنہ احدی وعشرین والف ہجری، شب جمعہ یازدہم شہر صفر برحمت حق پیوست. عمر شریفش ہمگی لبت وہفت سال بود، وایام حکومتش دہ سال، سہ سال در تتمہ وہفت سال در قندھار — [1]

ریو نے بیگلر نامہ (نسخہ ۱۸۱۴ .O.R) کے حوالے سے یہی تاریخ اور سال دیا ہے[2]. جسے مولانا محمد شفیع نے مے خانہ کے تعلیقات میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: بیگلار نامہ میں ہے کہ غازی بیگ ۱۱ر صفر ۱۰۲۱ھ کو مرا. [3]

بہرحال یہی تاریخ اور سال صحیح بھی ہے، کیونکہ تقویم کے حساب سے برابر ۱۱ تاریخ روز جمعہ ماہ صفر سال ۱۰۲۱ھ میں پڑتا ہے. ترخان نامہ کے شب جمعہ سے مراد ہے کہ میرزا غازی جمعہ اور سنیچر کی درمیانی رات کو فوت ہوا.

جہانگیر کو اس کے انتقال کی خبر ساتویں سال جلوس، ۲۵ تاریخ اردی بہشت، ہفتہ دوم[4] ماہ ربیع الاول یعنی ۱۰ر ربیع الاول ۱۰۲۱ھ[5] کے قریب ملی. جیسا کہ وہ خود اس تاریخ کے روزنامچے میں لکھتا ہے:

— لبت وپنجم ہمین ماہ کہ اردی بہشت باشد، خبر فوت میرزا غازی رسید — [6]

---

[1] ترخان نامہ ص ۹۳

[2] ریو ص ۹۲۹.

[3] تعلیقات میخانہ ص ۵ میرے بیگلار نامہ کا اپنا خطی نسخہ ہے جس میں کہیں یہ تاریخ درج نہیں اور نہ میرزا غازی کی وفات کا ذکر ہے. [4] مے خانہ بتصحیح مولانا شفیع ص ۲۲۹ [5] مے خانہ بہ تصحیح مولانا شفیع، تعلیقات ص ۵۷. [6] تزک طبع نولکشور ص ۱۱۱ بیورج ۲۲۳

اس کے بعد میرزا کے حالات لکھے ہیں اور بڑی تعریف کی ہے۔

ماہ صفر ۱۰۲۱ھ ۲۹ دن کا تھا، لہٰذا اگر ۲۵ اردی بہشت ۱۰ ربیع الاول کے لگ بھگ ہوتی ہے تو اس حساب سے یہ خبر ٹھٹھے سے اکبر آباد تک ۲۹ دن میں پہنچی، اور جہانگیر نے پہلے تو عبدالرزاق معموری کو بخشی بناکر فوراً ٹھٹھے روانہ کیا اور بعد میں ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۲۱ھ کو میرزا رستم کو ٹھٹھے کی صوبیداری کا پروانہ دیا۔ [1]

ترخان نامہ کے قول کے مطابق میرزا غازی کی عمر اگر سال ۱۰۲۱ھ میں ۲۷ سال کی تھی تو اس حساب سے اس کا تولد سال ۹۹۴ھ میں ہوا ہوگا۔ سرو آزاد، مقالات الشعرا اور مآثر الامرا وغیرہ نے ۲۵ سال عمر شمار کی ہے، اس کے رو سے میرزا کی پیدائش سال ۹۹۶ھ ہوتی ہے۔

---

[1] میرزا غازی کی وفات کے بعد مغلوں کا تسلط مستقلاً سندھ پر ہوا، ۱۰۲۱ھ سے لے کر ۱۰۳۰ھ تک کے واقعات کی جدول اس طرح ہے:

وفات میرزا غازی		جمعہ ۱۱ صفر	۱۰۲۱ھ
بادشاہ کو خبر ملی	(۲۵ اردی بہشت)	۱۰ ربیع الاول	۱۰۲۱ھ
عبدالرزاق معموری ٹھٹھے چلا	(۱۸ خورداد)		۱۰۲۱ھ
میرزا رستم کا تقرر ہوا		۲۶ جمادی الثانی	۱۰۲۱ھ
رستم ٹھٹھے پہنچا		۱۰ محرم الحرام	۱۰۲۲ھ
جہانگیر اجمیر پہنچا		۵ شوال	۱۰۲۲ھ
معموری، خسرو چرکس، عبدالعلی اور دیگر تمام ترخانیوں کو لے کر اجمیر پہنچا		جمعرات ۲۶ ربیع الاول	۱۰۲۳ھ
رستم معزول ہو کر اجمیر پہنچا	(۲۶ اردی بہشت)	رمضان	۱۰۲۳ھ
تاج خاں ٹھٹھے کا صوبیدار رہا			۱۰۲۳ھ

(جاری)

(جاری)

معموری نے ٹھٹہ کے گدا بازار میں مسجد خضری تعمیر کی۔		۱۰۲۴ھ
شمشیر خاں ٹھٹے کا حاکم ہوا	۱۵ ر ربیع الاول	۱۰۲۵ھ
معموری احمد آباد کی منزل پر پہنچا	۰ ر رجب	۱۰۲۷ھ
معموری دوبارہ ٹھٹہ پر مقرر ہوا	(جمعرات ۳۱ ماہ امرداد) ۴ ر رمضان	۱۰۲۷ھ
معموری آخری طور پر ٹھٹے سے تبدیل ہو کر آگرے پہنچا۔	(۲۰ ر ماہ اسفندیار) ربیع الثانی	۱۰۳۰ھ

(۲۱)

وفات پر مؤرخوں کی رائے

مرزا غازی کی جوانمرگی پر تمام مورخ افسوس کرتے ہیں اور اس کی یاد میں نہایت الم انگیز فقرے لکھتے ہیں، یہی حال اس کے درباری شعرا کا بھی ہے۔ مرشد بروجردی نے ایک بہت طویل مرثیہ اس کی وفات پر لکھا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

بی وجود خسرو ترخانیان در قندھار

چون علی در نہروانم چون عمر در سبزوار [1]

تاریخ طاہری کے مولف سید طاہر نسیانی کا مرثیہ اور اس کے جذبات گذشتہ صفحات میں آچکے ہیں۔ مآثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے:

— والحق مردانِ او چندان جفا کر بر مستعدان کرد، بر دیگیان نکر د چرا کہ امروز علما

و ملائے اہلِ استعداد بود جمی کثیر در ظلِّ تربیتش بر آسودہ بودند — [1]

---

[1] مآثر رحیمی ج ۲: ۳۵۴

صاحب مے خانہ نے لکھا ہے:

— عجب چیز یست کہ ایام از نرم و درشتِ عالمیان ہر کہ از کتم عدم قدم در چنبر پروزین عالم نہاد، دست قضا ہنگام بیختن، آنچہ نرم و ہموار تراست، اول از روزنہائے آن می گذراند، تا رفتہ رفتہ نوبت بہ سبوس رسد. و ازین سبوس ہم ہرچہ درشتی اش بیشتر لقبائے او درین پردہ زیادہ تراست. بنا برآں میرزا ی ترخان در سن بیست و پنج. کہ ایام شباب جوانی و ابتدائی نوبہار زندگانی ست. در قندھار در سنہ عشرین والف (۱۰۲۰ھ) از ساغر مرگ مدہوش شد و چراغ عمرش خاموش گردید:

برداشت زخاک عالمی را   درخاک نہاد روزگارش [1]

ذخیرۃ الخوانین میں ہے:

— میرزا در صوبہداری قندھار نامی گذاشت و تا در قندھار بود. سلوک با مترددین بعنوان پسندیدہ کرد خود را بہ نیک نامی علم ساخت۔ [2]

ترخان نامہ کے مؤلف نے لکھا ہے:

— داد جود و دہش و مروت و سخاوت و شجاعت و مردانگی داد. درین مدت اندک باحسان و انعام عام، نام نامی خود را در اطراف و اکناف ملک ایران و توران و چہار دانگ ہندوستان بہ نیک نامی مشہور گردانید۔ [3]

مدفن: مرزا غازی اپنے باپ میرزا جانی بیگ کے مقبرے میں، مکلی کی پہاڑی پر مدفون

---

[1] مے خانہ ص ۲۲۹۔ لاہور

[2] ذخیرۃ الخوانین خطی ص ۱۶۱

[3] ترخان نامہ ص ۹۲

ہوا. تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ:

– نعشش بہ ٹھٹہ نقل کردہ دریک گنبد بجوار پدر دفن کردند – [1]

مآثر رحیمی میں ہے:

– ونعش اورا از قندھار بردہ در سند در شہر ٹھٹہ در مرقد آبائی عظامش دفن کردند – [2]

لب تاریخ سندھ کے مولف کا بیان ہے کہ:

– در سال ۱۰۲۲ھ مطابق سال ۱۶۱۴ء نعش اورا از قندھار برآوردہ واقع کوہ مکلی در رانک میرزا جانی بیگ پدرش تدفین نمودند – [3]

بقول ترخان نامہ:

– عمر شریفش بیست وہفت سال، ایام حکومتش دہ سال، سہ سال در ٹھٹہ وہفت سال در قندھار، بجز نیک نامی خلقی نگذاشت – [4]

مقبرہ | میرزا جانی بیگ کا مقبرہ مکلی کی پہاڑی پہ میرزا عیسیٰ ترخان ثانی کے مقبرے کے پچھم میں بہت ہی خوبصورتی اور بڑی چابکدستی سے بنا ہوا ہے. پتھر کی چہار دیواری کے اندر مقبرے کی عمارت ہشت پہلو ہے. گنبد خاص طور پہ نمایاں اور اسی لئے غیر معمولی ہے کہ بجائے گول ہونے کے سورج مکھی کے پھول کی شکل کا ہے. گنبد کی چھت گر چکی ہے، احاطے میں داخل ہونے کے لئے دروازہ مشرق سے ہے اور گنبد کا داخلی دروازہ پچھم کی جانب سے ہے. احاطے کی مغربی دیوار میں خوبصورت نقش کے ساتھ مزین محراب

---

[1] تحفۃ الکرام – ج ۳، ص ۸۷

[2] مآثر رحیمی ۲: ۳۵۴

[3] لب تاریخ سندھ ص ۸۲

[4] ترخان نامہ ص ۹۳

ہے جس کی پیشانی پر تاریخی کتبہ ہے:

(۱) فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب ۱؎

(۲) تاریخ میرزا جانی بیست ہفتم ماہ رجب ۱۰۰۹ھ ۲؎

مقبرے کی عمارت میں چار قبریں ہیں (۱-۲-۳-۴) ۳؎ جن میں سے (۲-۳) قبروں کا سنگ مزار سنگ مرمر کا ہے۔ ہمارے خیال میں (۲) قبر میرزا جانی بیگ کی ہے اور (۳) میرزا غازی کی۔ یہ قبریں زمین کی سطح سے دو فٹ بلند ٹیلے پر ہیں۔ ایک پر قرآنی کتبہ ہے:

اللہ لا الہ الا ھو الحی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ العلی العظیم ۴؎

ایک قبر پتھر کی ہے جس پر یہ آیتہ کریمہ کندہ ہے:

بسم اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تبارک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بماء معین ۵؎

مشرق کی جانب ایک بچے کی قبر ہے۔ مقبرے سے باہر ایوان میں تین قبریں (۵-۶-۷) ہیں جن پر کوئی کتبہ نہیں۔ مقبرے کی آٹھ محرابوں کی پیشانی پر باہر کی طرف سے کاشی کے سل پر یہ کلمات خوبصورت خط میں منقوش ہیں:

فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین

احاطے کی دیوار کے داخلی دروازے کی پتھر سے بنی ہوئی چوکھٹ پر یہ آیات منقوش ہیں۔

۱؎ سورہ آل عمران ۳۹

۲؎ مقبرہ کا حال مکلی نامہ کے حواشی میں ۵۱۹ سے ۵۲۱ تک دیکھنا چاہیے۔

۳؎ دیکھیے نقشہ

۴؎ سورہ البقر ۲۵۵

۵؎ سورہ الملک ۱ تا ۳۰

١۔ ان الذین آمنو وعملوا الصالحات . . . . کلمات ربی

٢۔ ولو جئنا . . . . ولا یشرک

٣۔ بعبادة ربہ احدا ؎

٤۔ قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ . وسیق الذین . . خالدین ؎

؎ سورہ کہف ١٠٧۔١١٠

؎ سورہ الزمر ٧٣

(۲۲)

تعلیم و تربیت

میرزا کی تعلیم کیا ہوئی اور کس طرح ہوئی اس کی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے۔ میرزا جانی نے اپنا زمانہ خلفشار اور بے اطمینانی میں گذارا، ظاہر ہے کہ ان حالات میں اپنے اکلوتے لڑکے کی تعلیم و تربیت پر کیا توجہ دے سکا ہوگا۔ علاوہ ازیں جب وقت ترخانی خان خاناں کے ہاتھوں سندھ کو لٹا بیٹھے اس وقت اس بچے کی عمر چار یا پانچ برس کی تھی۔ اور باپ کے انتقال کے وقت ۱۳ ؍ ۱۴ برس کا نوخیز لڑکا تھا، ظاہر ہے کہ باپ کو اپنے سامنے اس کی تعلیم و تربیت کے انتظام کا کوئی موقع ملا ہی نہیں۔

جب سندھ کا صوبہ دوبارہ واگذاشت ہوا اور میرزا جانی نے اپنے امیروں کو سندھ کا انتظام کرنے کے لئے آگرہ سے رخصت کیا، اس وقت اپنے ملکی ہدایات کے ساتھ ساتھ اپنے لڑکے کی تعلیم و تربیت کے متعلق بھی چند باتیں کہیں، جن کو تاریخ طاہری نے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے۔ اس سے ہم اتنا اندازہ کر سکتے ہیں، کہ باپ اپنے بیٹے کو کس قسم کی تربیت اور تعلیم دینا چاہتا تھا۔ ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ ان ہدایات پر کہاں تک عمل ہوا، لیکن جب

میرزا غازی کے علمی، ادبی، اور سیاسی مشاغل کو دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اگر باقاعدہ تعلیم کی کرامت نہیں تو اس کی خداداد صلاحیتوں کا اعجاز ضرور ہے۔

میرزا جانی کی ہدایات | میرزا جانی بیگ نے حسب ذیل ہدایات اپنے امیروں کو دی تھیں، جن کو ہم تاریخ طاہری ہی کی زبان میں دہراتے ہیں:

— چون مرزا از مراعات والطاف حضرت، باعانت نواب خان (خان خانان)، بکام دل و مراد جان رسید، شاہ قاسم ارغون و خسرو چرکس و بائی خان و تلاگد اعلیٰ و عرب کوکہ، و ملا جمال الدین معہ لشکر بسیار، از حضور بجاگیر بدین قرار دادہ روان ساخت کہ:

— مرزا غازی بیگ را چنان تربیت فرمانید کہ پگاہ نماز ادا داشتہ، پیش معلم تعلیم تا یک پہر روز میگرفتہ باشند، بعد ازان بمسند حکومت بجای ما، متمکن گردیدہ، ہر کہ لائق نشستنی باشد، او را نشستن نماید، دیگران را بجا بجا چون بحضور ما می استادند، پیش آن فرزند، از دل و جان استادگی دارند۔ تا دو پہر دو گھڑی کم ہمیں قرار مصروف سازد و دو گھڑی دیگر تتمہ دو پہر خود تیر اندازی کند: پس ازان بخاصان چند بزرگ زادہ کہ داخل صحبت او باشند، بآنہا حکم نماید، از باقی دو پہر روز یک نیم پہر فراغت باستراحت مشغول بودہ باشند۔ و چہار گھڑی آخر روز بچوگان بازی و برپشت اسپ تیر اندازی نماید۔

— روز سہ شنبہ کہ ناف ہفتہ است پگاہ بجمعیت سوار گردیدہ شکار کند، و ایشان نیز برخویش مقرر دانند، کہ پگاہ بخانہ سوار گردیدہ بدولت خانہ والدہ رسیدہ دعای عرضداشت و سلام والا گہر مرزا مشرف کردند۔ بعد ازان بدیوان خانہ تا نماز دیگر نشستہ بنوعی تربیت معاملات ملک دہند کہ غریب و بیچارہ آسودہ و آسائش پذیر گشتہ بدعای اشتغال داشتہ باشند، و ویرانی

کہ از حادثۂ لشکر نسخۂ قیامت و نشانۂ حشر بظہور آمدہ روبآبادی آرد، نشود کہ خلق خدا از آنہا ناراضی گردیدہ آہ و سرد از دلِ پر درد بدر آرد . . . . . .[1]

ہدایات میں تعلیم و تربیت، تیر اندازی، سواری، نشانہ بازی، آداب و اخلاق دربار داری، ملک داری اور غربا پروری اور مظلوموں کی داد رسی وغیرہ، شاہزادگی اور بادشاہی کے تمام لوازم کی چیزیں بتا دی گئی ہیں بلکہ اوقات تک تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔

میرزا کی علمی اور سیاسی زندگی پر جب نظر کرتے ہیں تو یہ تمام خوبیاں ہمیں اس میں نظر آتی ہیں۔ خسرو چرکس، ابوالقاسم سلطان، گدا علی اور بہائی خان وغیرہ کے سلسلے میں جو ہم حالات دیکھ آئے ہیں، ان سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان لوگوں نے میرزا غازی کی تعلیم و تربیت میں کوئی کوشش نہیں کی ہوگی، کیونکہ شہزادہ کا اچھی تربیت حاصل کرنا ان کے پروگرام اور مقاصد سے سراسر خارج تھا۔

یہ جو کچھ مرزا کو حاصل ہوا وہ محض نسل اور خاندانی ماحول کے اثرات کی وجہ سے، اور اپنی خداداد ذہانت اور طبیعت کی رسائی سے حاصل ہوا۔

اساتذہ تاریخ سے مرزا کے چند معلموں کے نام ہمیں دستیاب ہوتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) **ملا یعقوب**:۔ اس کے متعلق تاریخ طاہری سے معلوم ہوتا ہے کہ:

— در خوردی پیش امامت مکتب ایشان می کرد —

غالباً ابتدائی حروف شناسی میرزا غازی نے ان سے کی ہوگی۔

(۲) **یعقوب علی کوکہ**:۔ اس کے متعلق تاریخ طاہری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کا اتالیق تھا، لیکن مرزا اس سے سخت ناخوش تھا، کیونکہ دوران درس میں اس کا سلوک

---

[1] تاریخ طاہری ص ۲۰۶ - ۲۰۷

مرزا سے اچھا نہیں رہا تھا۔ اس پر بعد میں مرزا نے اس کی جاگیر بھی ضبط کر لی اور اپنے قریب آنے نہیں دیا۔

(۳) آخوند ملا اسحٰق بکھری:۔ یہ حضرت اپنے دور اور زمانے کے جید عالم اور فاضل شخص تھے۔ درس و تدریس میں ان کو خاص ملکہ تھا۔ تاریخ طاہری کا مصنف بھی انہیں کے حلقۂ درس کا فیضیاب تھا۔ یہ بزرگ میرزا کے اتالیق رہے ہیں۔ تاریخ طاہری کے مصنف نے اپنی تعلیم کے سلسلے میں ان کی بیحد تعریف کی ہے، لکھا ہے کہ:

— در خدمت استاد خضر طبیعت، اخوند مولانا اسحٰق البکھری الاصل از ملازمان محمود خان ابن فاضل خان کوکلتاش — کہ معلم مرزا (غازی) بود — خواندن گرفت۔ چون اخوند صاحب دل صوفی المذہب را در کلام عندلیب بوستان بی خار شیراز حضرت شیخ المشائخ سعدی شیراز، و مولانائے متبحر مولوی معنوی قدس سرہٗ وقوف تمام بودہ، و بنا بران ارث کلام شریف ایشان می خواند. بانذک عبور شعر از حضور آن منبع فضائل و مصدر نوادر، توجہ موجہ معلم معروف بہر صفت۔ کہ در تحریر و تقریر گنجائش ندارد۔ موصوف شاعری گردیدہ.... [۱]

میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام میں مولانا کی تعریف یوں کی ہے:

— وفور فضیلت متصف از ملازمان سلطان محمود خان است، و آخر معلم مرزا غازی دفاری ولد میرزا جانی بیگ ترخان شدہ۔ [۲]

اسی مصنف نے مقالات الشعرا میں بھی تقریباً یہی الفاظ دہرائے ہیں اور نمونۂ کلام کے طور پر ان کا یہ شعر بھی دیا ہے:

---

[۱] طاہری — ۱۳-۱۴

[۲] تحفۃ الکرام جلد ۳ صہ ۱۲۸

می طپد دل در برم از شوقِ تو　　　می گذارد خانہ را از ذوقِ تو [1]

آخوند صاحب کا تعلق ابوالفضل اور نظام الدین بخشی سے بھی بہت تھا۔[2]

(۴) ملا اسد: ملا اسد ایرانی تھا۔ بقول ترخان نامہ ایران سے فقیر اور قلاش ہو کر مرزا کے دربار میں پہنچا، مرزا نے اس کی علمی قابلیت کو دیکھ کر اسے اپنا مصاحب بنایا اور جاگیر عنایت کی۔ آخر کار اسے اپنی معلمی پر سرفراز کیا۔ ملا اسد وجیہہ اور فصیح قصہ خواں تھا۔[3]

ان بزرگوں کے علاوہ اور کسی عالم کا نام نہیں ملا اور نہ مرزا غازی کے تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں کوئی تفصیل مل سکی۔ ممکن ہے مرزا غازی نے جو کچھ تعلیم حاصل کی وہ مولانا اسحٰق بکھری سے کی ہو۔

مآثر رحیمی سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غازی نجوم اور ریاضی خوب جانتا تھا۔ لکھا ہے:

— در علم ریاضی و نجوم زحمت بسیار کشیدہ بود — [4]

معقول میں بھی اچھی خاصی دسترس اور سوجھ بوجھ تھی، جیسا کہ ترخان نامہ کے ایک فقرے سے معلوم ہوتا ہے:

— فضلا و علما دوست بودہ و ہمیشہ صحبت ایشاں می داشت، و علما را در حضور بہ بحث علم معقول می انداخت و خود نیز ملکہ و استعداد تمام داشت کہ آنچہ علما می گفتند طرفیت فہمیدہ منصف می شد۔[5]

---

[1] مقالات اشعر ص ۸۹

[2] حیات میر معصوم بکھری تالیف راقم الحروف میں حالات پڑھیئے۔

[3] ترخان نامہ ص ۸۵

[4] مآثر رحیمی جلد ۲ ص ۳۵۳

[5] ترخان نامہ مطبوعہ ص ۸۴

(۲۳)

شاہ خرچیاں اور داد و دہش

طبیعت کی لطافت، شرافت اور نیکی کی تعریف تمام تذکرہ نویسوں نے کی ہے۔ صاحب ذخیرۃ الخوانین نے تو تعریف کے میدان میں اپنی انتہائی بے بسی اور کوتاہ دامنی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ـــ بزرگی وخوبی ہائے وشان وشوکت وتدبیر ملک او را تا کجا کسی نویسد۔[1]

بے انتہا دریا دل، لکھ لٹ حاکم، اور نہایت نیک طینت اور نیک فطرت انسان تھا، پیسہ کبھی جمع نہ کیا، جتنا آیا لٹا دیا، جو جی میں آیا دے دیا، نہ کبھی رکھا نہ کبھی پس انداز کیا۔ اس کی یہی زر بخشیاں تھیں جن کی وجہ سے ایران، عراق اور ہندوستان کے فضلا، شعرا اور اصحاب علم و ہنر سمٹ کر، اس کے دربار میں پہنچ گئے تھے۔ زر بخشیوں کی شرح سنیئے:

---

[1] ذخیرۃ الخوانین قلمی ص ـــ ۱۶۵

— در زربخشی بیدریغ بوده، خزانۂ پنج وشش کروری خود را، با حاصل جاگیر خود که ہمہ خالصہ بود، صرف سپاہ و شعرا کردہ و دغدغہ و داعیہ بادشاہی بہم رسانید۔ [1]

اس کی اسی جود و سخا کا کرشمہ تھا کہ قندھار میں گورنر کی حیثیت رکھتے ہوئے شاہی کیا کرتا تھا۔

ترخان نامہ کے دو اقتباس یہاں ہم پیش کرتے ہیں۔ لکھا ہے کہ :

— روز بروز شان و شوکت میرزا غازی زیادہ می شد، و آن جوان بخت دست ہمت در سخاوت و جود کشادہ مانند ابر زر افشانی می نمود۔ ازیں جہت فضلاء و شعرا از ایران و توران رجوع بخدمت او نمودند و مجلس بہشت آئین او مجمع فضلاء و شعرا روزگار بود، وہمیشہ بعیش و طرب می کوشید چنانچہ ہر روز سپاہ و رعیت روز عید و ہر شب شب برات از دولت آن جوان بخت داشتند و غائبانہ اکثر ملازمان و شعرا و گوشہ نشینان ایران را نام بنام سالیانہ مقرر فرمودہ بود کہ ہر سال بآنہا می رسید۔ ازین ممر ہمہ مردم مداح او بودند و دربار او نمونۂ درشاہی بود۔ [2]

ایک جگہ ان الفاظ میں مرزا کے جود و سخا کی مدح ہوتی ہے :

— دست جواد او مانند ابر بہاری، زر و جواہر بر فرق عام و خاص نثار میکرد۔ ایل الوس و سپاہ و رعیت بانعام عام او بہرہ مند بودہ، مرفہ الحال و فارغ البال باسائش تمام میگذرانیدند۔ . . .

. . . . . و شان و شوکت بادشاہانہ بخود قرار داد۔ [3]

---

[1] ذخیرۃ الخوانین قلمی صـ ۱۶۵

[2] ترخان نامہ صـ ۹۱

[3] ترخان نامہ صـ ۸۴ - ۸۵

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

—بر مسند حکومت قندھار بکامرانی جلوس نمود، داد جود و سخاوت و شجاعت و مردی و مردانگی داد۔ دریں اندک مدت بہ احسان و انعام عام نام نامی خود را در آں مملکت ایران و توران و چہار دانگ ہندوستان بہ نیک نامی مشہور گردانید۔[1]

انہیں زر بخشیوں اور شاہ خرچیوں کی وجہ سے ہمیشہ قلاش اور قرضدار رہا۔ جاگیریں اور حکومتیں اتنی داد و دہش کی کفیل نہیں ہو سکتی تھیں۔ تحفۃ الکرام کے مصنف نے سچ لکھا ہے کہ:

—میرزا باوجود جاگیر در دولت تتہ و سیوستان و بعض انقطاع ملتان و تمام قندھار، بہ سبب کثرت بذل و نوال ہموارہ بہ بی خرچی و فلاکت گذراندے۔[2]

کبھی کبھی خزانہ خالی ہو جاتا تھا تو خزانہ داروں کے دل لرز اٹھتے تھے۔ جمع خرچ کی تفصیل انہیں کو معلوم رہتی تھی' ان کا خیال تھا کہ اگر حساب و کتاب کبھی خود بھی دیکھ لے تو شاید اس کی آنکھیں کھلیں اور اپنے ہاتھ روک لے۔ اس مقصد سے عرض کیا گیا کہ:

—شش ماہ است کہ کاغذ دخل و خرچ معاینہ نہ فرمودند، خرچ از دخل زیادہ می شود از راہ نوازش ساعتی متوجہ شدہ افراد چند بمطالعہ در آرند—

میرزا نے شش ماہہ حساب کی وہ چند فردیں ان کے ہاتھ سے لے لیں، اور انہیں چاک کر کے کہا کہ:

—والد بزرگوارِ من ہر چہ داشت صرف کردہ، چیزی برای من نماندہ بود۔

---

[1] ترخان نامہ ص ۹۲

[2] تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۸۵

رزاق مطلق مرا بدر دولت خسروی برات روزی داده بتائید اقبال روز افزونش.
الحمدللہ کہ بے روزی نیم، چنانچہ این ہمہ عمر گذشت باقی نیز میگذرد، و مرا بہ این فکر مینداز ید۔ ؎

تاریخ طاہری کا مصنف ذرا تفصیل سے یوں لکھتا ہے کہ:

۔ اما از بسکہ علی القدر دخل، خرچ نمی داشت و افراط از اندازہا افزون می کرد، باوجود این، ہمیشہ جاگیر کہ بدو نسبت تمام تھتہ، و قندھار و پارہ اقطاع از صوبہ ملتان و سیوان داشت، ہمیشہ قلاش و قرضدار بود. روزی صاحب دخل حضور از روی دولت خواہی التماس نمودند کہ چون بر بندہ ہائے نیک خواہ صاحب لازم است تا بعضی راہ دولت می نمودہ باشند، شش ماہ است کہ کاغذ جمع و خرچ تیار ساختیم. گنجائش بسیار دارد، اگر بنظر اشرف در آورند، عین صلاح ست کہ خرچ از اندازۂ دخل بسی گذشتہ! بنا بر تسلی خاطر ایشان در نظر آوردہ پارہ پارہ ساخت کہ: رزق بدست رزاق است! پدرم را خزانہ ترخان و ارغون بدست افتادہ بود ہمہ خرچ نمودہ، چیزی بر ما نگذاشتہ بود. حق سبحانہ وتعالٰی بی منت شما، مددی از دولت حضرت خاقان دوران تا حال تنگدستی نداده. بعد ازین نیز امید داریم کہ تا جان داریم بی نان نخواہیم ماند ۔ ؎

خسرو چرکس کے بے جا تصرف اور بے ایمانیوں کے متعلق جب بار بار مصاحبوں نے شکایات کیں تو آخر مجبور ہو کر سائیں دتہ ہندو خاں کو بخشی بنا کر ٹھٹھ روانہ کیا اور جب بقول صاحب طاہری:

؎ تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۸۵

؎ طاہری ص ۲۶۲

— وی غبن کلی خسرو خاں ظاہر نمود آمدہ عرض کرد —

تو میرزا نے خسرو خاں کے لڑکے بہائی خاں کی طرف. جوان کا مصاحب خاص تھا. اشارہ کرکے فرمایا کہ: اگر ہم کچھ کریں گے تو بہائی خاں کو رنج ہوگا لہذا خسرو خاں جو کچھ کرتا ہے کرتا رہے. [۱]

میر علی شیر قانع نے مقالات الشعرا میں لکھا ہے کہ:

— امیری ارجمند، کریم نفس، بصلاح و تقویٰ آراستہ و بداد و عدل در کمال کامرانی زیستہ — [۲]

یہی مروت، کریم النفسی اور پاک طینتی تھی جس کی وجہ سے خسرو اور اس کے ساتھی اس کے ساتھ آخری دم تک بے وفائیاں کرتے رہے اور اس نے ہمیشہ درگذر سے کام لیا بلکہ ان کو ملک پر قابض رہنے دیا. بے ایمانی اور غبن ثابت ہوتا رہے مگر کچھ کہا نہیں جاتا تھا کہ بہائی خاں کو کوفت ہوگی۔

---

[۱] تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۸۵

[۲] مقالات الشعرا ص ۳۰۲

(۲۴)

ہمہ گیر صفات

صلاحیتیں اور مشاغل

مرزا غازی کے ذاتی مشاغل اور دلچسپیاں بہت وسیع تھیں، علم و ادب، شعر و سخن کا مزاج، ملک رانی، تہذیب و تمدن کو صاف اور اجاگر کرنا، یہ تو اس کے رات دن کے مشاغل تھے، لیکن سیر و شکار، کبوتر پالنا، شکاری کتوں کو پالنا، چوگان بازی، شطرنج، [1] وغیرہ سے بھی خاصا ذوق و شوق تھا۔

کتّے اور کبوتر بکثرت پال رکھے تھے، جن کی نگہداشت شہبازی نام ایک آدمی کے سپرد تھی جس کو بعد میں انہوں نے شہباز خاں کا خطاب دیا۔ [2]

سعید خاں چغتہ جب بکھر آیا، اور میرزا غازی بھی وہاں پہنچا تو سعید خاں کا بیٹا سعد اللہ خاں اور یہ:

---

[1] تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۸۷

[2] تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۸۷

– باہم اکثر بچوگان بازی وشکار اشتغال می داشتند – [1]

چوگان بازی، سواری اور تیر اندازی اپنے باپ کی مرضی پر اس نے خاص طور پر سیکھی تھی اور اس میں ہر وقت مشق اور مزاولت جاری تھی۔

دوسرے مشاغل اور خوبیوں کا ذکر صاحب مآثر رحیمی کی زبانی سنیئے:

– در علم ریاضی و نجوم زحمت بسیار کشیدہ بود، و در سپہ گری و شجاعت بے نظیر و بہمال بود، و در شمشیر زدنہا قدرت تمام داشتہ۔ مرشد خان بروجردی کہ از مقربان او بود نقل کردہ کہ: روزی بجہت امتحان، شمشیر خاصہ خود را یکے از جمدہرہائے ہندوستان زدکہ دو پارہ درست کرد و دیگر بر تنی بر بیلی (؟)، زدکہ بران آزان جست۔ در چوگان بازی و قبق اندازی اہل ماوراالنہر و عراق و خراسان بہ بے نظلی او قایل بودند – [2]

مرزا غازی کو موسیقی اور اس کے تمام لوازمات سے بھی دلی شغف تھا، ایک ماہر فن کی حیثیت سے اسے موسیقی کی ہر چیز پر کمال حاصل تھا اور اپنے والد کی طرح موسیقی کے تمام غوامض اور لطائف کو اچھی طرح جانتا تھا۔ خاص طور پر طنبورہ نوازی میں یکتائے روزگار تھا صاحب مے خانہ نے مرزا کی موسیقی دانی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

– در نغمہ شناختن و طنبورہ نواختن ہم خیلی کار ساختہ، چنانچہ ہنگام طنبور نواختن ہمیشہ مضراب دست او ناخنی بر دل می ریزد – [3]

ذخیرۃ الخوانین کے مصنف نے اس طرح تعریف کی ہے:

---

[1] تحفۃ الکرام ج ۳ صہ ۸۰

[2] مآثر رحیمی ج ۲ صہ ۳۵۳

[3] مے خانہ صہ ۲۲۸ لاہور

— درعلم موسیقی بے نظیر بود۔ دف ، دائرہ و دھولکی وطنبور و بین وقانون خوب می نواخت وخوب می خواند۔ [۱]

گویا فن کے ساتھ ساتھ تمام مزامیر کے استعمال میں بھی اسے پوری قدرت حاصل تھی۔ دف ، دائرہ ، ڈھولکی ، طنبورہ ، بین ، قانون وغیرہ پر استادانہ ہاتھ پڑتا تھا اور خود بھی گاتا تھا۔ مآثر رحیمی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ میرزا نے اس فن میں کچھ ایجادات اور اختراع بھی کئے تھے۔ لکھا ہے :

— درعلم ادوار و موسیقی مہارت تمام داشتند، چنانچہ می گویند: اصول ضرب الفتح و تانتین از دائرہ بر می آوردہ و تصانیف در اصولہا خوب کردہ وطنبور را بغایت خوب می نواخت — [۲]

مآثر الامرا نے طنبور نوازی اور نغمہ پردازی میں ان کو بے نظیر لکھا ہے :

— میرزا در نغمہ پردازی وطنبور نوازی بے نظیر بود، ہمہ ساز را خوب می نواخت ۔ [۳]

صاحب مقالات الشعرا نے اس فن میں ان کے بے نظیر ہونے پر صاد کیا ہے۔ [۴]

ان کے درباری شاعر مرشد بروجردی نے دو رباعیاں اس کی تعریف میں لکھی ہیں کہتا ہے

گر نغمۂ سازت بسکون می آید رمزیست بگو ہمت کہ چون می آید
از بسکہ بگردِ زخمات می گردد پیچیدہ ز طنبور برون می آید

. . . . .

۱؎ ذخیرۃ الخوانین قلمی ، ورق ۱۶۶

۲؎ مآثر رحیمی ج ۲ ص ۳۵۳

۳؎ مآثر الامرا ج ۳ ص ۳۴۷

۴؎ مقالات الشعرا ص ۳۰۲

دل می سوزد ترنم پر شورت — جان می بخشد نوا و نیشاپورت
در سیم کشی عمر بسر برد شباب — تاری نکشید در خور طنبورت[۱]

نوا اور نیشاپور دونوں موسیقی کے مقام اور شعبے ہیں۔

برہانی میں ہے کہ:

۔ نوا نغمیست از جملۂ دوازدہ مقام موسیقی و نیشاپور شعبہ ایست از موسیقی مشہور بہ نیشابورک۔

صاحب تحفۃ الکرام نے لکھا ہے کہ میرزا کے والد میرزا جانی کو بھی اس فن میں بڑا دخل حاصل تھا۔ یہ دونوں باپ بیٹے توڈی گانے میں کمال رکھتے تھے:

۔ بخصوص مقام تودی شغفی و دہارتی کلی داشتند ۔[۲]

تحفۃ الکرام میں ہے کہ موسیقی کے ساتھ ان دونوں باپ بیٹوں کا تعلق اس درجہ تھا کہ اگر کوئی آدمی ان کے مزار پر جاکر یہ نغمہ (توڈی) گاتا یا ساز بجاتا تھا تو اس کی مراد فوراً بر آتی تھی۔ میر عبدلوالی ولد سید لطف اللہ شیرازی ٹھٹوی کی زبانی یوں روایت نقل کی ہے۔

۔ ہر کہ در گنبد این پدر و پسر در مقام مذکور (یعنی توڈی) سرود، بحاجتی کند در چندروز البتہ بر آید ۔[۳]

مرزا غازی کی مجلس نشاط کی آراستگی و پیراستگی کی تصویر صاحبِ ذخیرہ کے لفظوں میں یوں ہے:

۔ وقتی مجلس نشاط شراب آراستہ میشد کہ زاہد صد سالہ راگذری بران

۱۔ میخانہ صہ ۲۲۸ لاہور۔ مآثر الامرا ج ۳ صہ ۳۴۷

۲۔ تحفۃ الکرام ج ۳، صہ ۸۷

۳۔ تحفۃ الکرام ج ۳، صہ ۸۷

مجلس می افتاد ترک صلوٰۃ و صوم خود کردہ بدان مواظبت می نمود ۔ ؎

جوانی ، بے فکری آمد خرچ کا نہ کوئی حساب نہ کوئی غم ، تین صوبوں کی فرمانروائی ، پادشاہ وقت کی نہ صرف نظر عنایت بلکہ فرزندی کا رتبہ ملا ہوا ، بھلا پھر طبیعت کیوں نہ رنگ لاتی اور مجلس عیش و طرب اس طرح آراستہ کرنے میں کونسی چیز حائل تھی ؟

؎ ذخیرہ ص ۱۶۶

(۲۵)

شعر و سخن کا شوق اور معارف پروری

شراب نوشی، عیش کوشی اور نغمہ نوازی یہ سب جوانی اور امیری کے کھیل ہیں، جو میرزا کی زندگی کے بھی لازمے رہے، لیکن میرزا کا دلی لگاؤ یا طبیعت کی رغبت اور رجحان درحقیقت علما اور اہل کمال کی طرف بہت زیادہ تھا، شعر و سخن، علم نوازی اور ادب پروری ان کی فطرت کا جزو اور ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔

تمام تذکرہ نویس میرزا کے اس رجحان اور خصوصیت کے معترف بلکہ مبالغے کی حد تک تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ نے ان کا ساتھ نہیں دیا ورنہ ان کا جی یہی چاہتا تھا کہ میرزا کے حسن طبیعت اور حسن مزاج کی داستان میں عبارت آرائی کے پھول بچھاتے اور چمن در چمن آراستہ کرتے جائیں۔ ایک بھی تذکرہ نویس نظر سے ایسا نہیں گذرا جس نے زور بیان میں اعتدال کو پیش نظر رکھا ہو۔ ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں خوب سراہا ہے۔ صاحب مے خانہ لکھتا ہے:

— جوان خوش خوئی، خوش روی کریمی بود واکثر پاس خاطر ارباب معنی میداشت۔

وبان جماعت بی تکلفانہ سلوک میکردہ . مردنش ہمرتبہ خوب ، وسخاونش بحدی مطلوب بودہ — ۱

مخزن الغرائب کے موئف کا قول ہے :

— مرد نیکو نہاد و باذل بودہ ، فضلا و شعرا را بکرم داشتہ — ۲

تاثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے کہ حکومت قندھار کے زمانے میں میرزا نے داد و دہش اور جود و سخا کے یوں دریا بہا دیئے کہ چاروں طرف سے اہل ہنر سمٹ کران کے گرد جمع ہو گئے۔

— در ایام حکومت قندھار بنوعی سلوک نمود کہ اکثر اہل ہرات و خراسان ارادہ ملازمت نمودند و بخدمتش رسیدہ کامیاب شدند ، و از صحبت اہل عراق و خراسان نہایت محظوظ بود ، شب و روز با این جماعت بسر میبرد و اعتقاد تمام بہ این طبقہ داشت — ۳

ترخان نامہ کے مصنف نے لکھا ہے :

— شعرا را می خواستہ ، از ہر طرف مردم صاحب طبع بخدمت او شتافتند ، در این اثنا جمی از شعرا مثل اسد و ملا مرشد وغیرہ در لباس فقرا از ولایت ایران آمدند و ملا اسد وجیہ و قصہ خوان و فصیح بود ، میرزا از صحبت ایشان محظوظ گردیدہ ہمہ را بمنصب و جاگیر سرافراز ساختہ ۴

روز روشن کے مولف نے اس کی قدر دانی کو ان الفاظ میں سراہا ہے :

---

۱ مے خانہ صہ ۲۲۵ لاہور

۲ مے خانہ ، تعلیقات بحوالہ مخزن الغرائب صہ ۵۶

۳ تاثر رحیمی ، ۲ : ۳۵۱

۴ ترخان نامہ صہ ۸۵

— امیرے قدرداں و جوہر شناس ہنروراں بود — [1]

مرزا کے اس ذوق اور جوہر شناسی نے شعر و سخن کے لئے ایک ماحول اور فضا قائم کر دی تھی اور داد و دہش، قدر دانی اور سرافرازی کی یہ صورت دیکھ کر شہری تو شہری بلکہ سپاہی تک سخن سنجی میں مشغول ہو گئے تھے اور لوگوں نے اپنے اصلی پیشے چھوڑ کر شاعری کو اپنا وظیفہ اور وطیرہ بنا لیا تھا۔

— بنوعی و ہیچی مردم از فراغت انتظام یافتہ از منشور بمنظوم مشغول بودند کہ اکثر سپاہی و شہری از رعیت بہ امید صلہ و انعام شعر شاعر گشتند و از پیشہ ہائے پریشان دیگر در گذشتند — [2]

صاحب ذخیرہ نے لکھا ہے کہ اپنے باپ دادا کا جمع کردہ خزانہ اور اپنی جاگیروں کی آمدنی پوری کی پوری شعرا اور اہل فن پر نثار کر دی تھی:

— در زر بخشی بی دریغ بود، خزانۂ پنج و شش کرسی خود را با حاصل جاگیر خود، کہ ہمہ خالصہ بود — صرف سپاہ و شعرا کردہ در غدغہ و داعیہ پادشاہی بہم رسانید — [3]

میرزا کی اس داد و دہش، عالی ظرفی اور قدر دانی کا شہرہ سن کر، جو اس کے دربار تک پہنچا، میرزا نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور دنیا کی تمام فکروں سے بے نیاز کر دیا۔

مرشد بروجردی ایران سے اس کے دربار میں پہنچا، قدر افزائی یوں فرمائی کہ مہر کی انگشتری اس کے حوالے کر دی اور یہ اختیار دے دیا کہ جو فرمان چاہے نافذ کرے، صاحب مے خانہ نے لکھا ہے کہ اس کو نہ صرف "مرشد خاں" کے خطاب سے سرفراز کیا، بلکہ — راتق فاتق

---

[1] روز روشن ص ۱۶۳

[2] تاریخ طاہری ص ۱۳

[3] ذخیرہ ق ص ۱۶۶

مہمات — بنا دیا اور:

— امر فرمود کہ ہر دکالت خود بر لپشت فرامین می کردہ باشد — [۱]

ایک شاعر کی قدردانی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ تمام مہمات کا راتق فاتق بنا دیا جائے۔ دوسری جگہ صاحب مےخانہ لکھتا ہے کہ:

— اورا درمیان امثال واقران ممتاز نمود، بخطاب مرشد خانی سرفراز گردانید وہمیشہ پاس حرمت او میداشت . . . . . . وقتی کہ در قندھار بر مسند حکومت نشست دران جا در اعزاز و احترام و انعام و اکرام دقیقہ فرو گذاشت ننمود — [۲]

حکیم فغفور گیلانی جب ہندوستانی امرا کی قدردانی کا شہرہ سن کر قندھار پہنچا تو:

— مربیٔ ہنرمندان و قدردانی خردمندان، میرزا غازی ترخان دران بلدہ حاکم بود، وی را از غایت مہربانی و نہایت قدردانی بمجلس خویش طلبید، و باو ملائمت بسیار نمود — [۳]

ملا مرشد بروجردی اور مولانا اسد قصہ خوان نے رشک اور حسد سے ایک طرف حکیم پر جا و بے جا تنقید کرنی شروع کی اور چشمک زنی سے اس کو تنگ کرنا چاہا، دوسری طرف اس کی مخالفت میں مرزا کے کان بھرنے شروع کئے، لیکن:

— اما شمع دودمان ترخانان گوش بہ سخنان حسد آمیز ایشان نمی کرد، چراکہ خود در مردم شناسی و سخن فہمی از بے بدلان روزگار بود — [۴]

---

[۱] مےخانہ۔ تعلیقات ص ۱۱۰ لاہور

[۲] مےخانہ۔ تعلیقات ص ۲۱۲ لاہور

[۳] مےخانہ۔ ص ۳۳۲ لاہور

[۴] مےخانہ۔ ص ۳۳۲ لاہور

مرزا نے ہر چند حکیم کی دلجوئی اور قدر دانی کی لیکن نازک مزاج شاعر معاصروں کی چشمکیں برداشت نہ کر سکا۔ شکستہ خاطر ہو کر وہاں سے چل دیا۔ مرزا کو جب معلوم ہوا تو بے حد رنج اور افسوس کیا۔ ملا مرشد اور اسد قصہ خواں کو بلا کر کہا :

ــ شامہ شومئی حقد جبلی خود ما را رسوا کردید، من در عالم مردم شناسی بسیار دوراز کار بیدانم کہ مثل فغفور کسی در ایام حکومت بمن برسد، و بی آنکہ فیضی بہ بینند مفارقت گزینند ــ [1]

مرزا غازی نے اپنے دست خاص سے ایک معذرت نامہ لکھا اور ان دونوں بزرگوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی معافی نامہ لکھ کر حکیم فغفور کے پاس بھیجیں؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا لیکن فغفور اتنا کبیدہ خاطر ہو چکا تھا کہ پلٹ کر آنا گوارا نہ کیا۔ جواب میں یہ رباعی لکھ کر مرزا کی خدمت میں بھیج دی :

آں جیفہ، کہ در چنگِ دو کرگس، باشد
حیف است، کہ لوثِ دامنِ کس باشد
خر را طلبِ شاخ زیادت طلبی است
با یک سرِ خر، دو گوشِ خر بس باشد [2]

میر نعمت اللہ وصلی کے سلسلے میں صاحب مے خانہ لکھتا ہے کہ :

ــ مرزائی مذکور التفات بسیار بہ وصلی کرد، او را در جرگۂ ملازمان خود در آورد و خدمات عمدہ در ملک سندھ بدو فرمود ــ [3]

---

[1] مے خانہ صـ ۳۴۳

[2] انتخاب نادرہ بحوالہ مرآۃ العالم و مے خانہ ۳۴۴ لاہور

[3] مے خانہ صـ ۳۴۴ لاہور نیز رک : ماثر الامرا تخلص واصلی لکھا ہے جو وصلی کی تصحیف ہے ۔

بڑے بڑے شعرا اور نامی اہل علم کے لئے مرزا کا یہ سلوک اور رویہ محدود اور مخصوص نہ تھا بلکہ عام آدمی تک اس کی زر بخشیوں سے متمتع ہوتے رہتے تھے، ایک دفعہ ہندوستان سے بھاٹ قسم کا کوئی تنگ بند روپے پیسے کی ان بخششوں کا آوازہ سن کر قندھار پہنچا، میرزا تک پہنچنے کی کوشش کرتا رہا لیکن ایک مدت تک کامیاب نہ ہو سکا، آخر کچھ مایوس ہو کر اور کچھ تنگ آکر اس نے اس صورت پر میرزا کے لئے اپنی زبان میں چند ہجویہ اشعار کہے۔ باباحسن ابدال کے مزار پر۔ جو قندھار سے متصل ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ ایک دن یہ یہاں پہنچا، وہاں چند اور بھاٹ جو جان پہچان والے تھے اور وہ بھی ہند سے ابھی ابھی آئے تھے، مل گئے، باتوں باتوں میں اس نے اپنے ہجویہ اشعار پڑھ کر سنائے۔

میرزا غازی کا مقرب خاص شہباز خاں بھی اتفاق سے اس وقت مزار پر پہنچا ہوا تھا، اور یہ اشعار جب کان میں پڑے تو اس بھاٹ کو خوب پٹوایا، واقعہ چونکہ کوئی خاص نہیں تھا — شہباز خاں بھول بھال گیا۔

بھاٹ نے کچھ عرصہ کے بعد موقع پا کر شکار گاہ کی طرف جاتے ہوئے، راستے میں میرزا غازی سے شہباز خاں کے سلوک کی داد خواہی چاہی، شہباز خاں نے بھاٹ کے ہجو کہنے اور سزا کے طور پر اس کو پٹوانے کا پورا واقعہ عرض کر دیا۔ میرزا نے بظاہر بہت کچھ غیظ و غضب کا اظہار کیا اور بھاٹ کو بندی خانے میں بھجوا دیا اور سزا دینے کے لئے دوسرا دن مقرر کیا۔ لیکن جب دوسرا دن آیا تو ہزارہا تماشائیوں نے دیکھا کہ خلاف توقع اور رسم و رواج مجرم کی گردن مارنے کے بجائے اس کو ایک ہاتھی، خلعت اور ایک ہزار روپے کی تھیلی دی گئی۔

صاحب مے خانہ نے لکھا ہے کہ عوام تو عوام، خود شہباز خاں جیسے لوگ بھی دنگ رہ گئے اور محسوس کیا کہ بھاٹ قسم کے رذیلوں کی زبان یوں بھی کاٹی جا سکتی ہے:

— آری: بزرگان دانشمند و سرداران ہمت بلند، زبان بدگویان را بہ تیغ احسان قطع می نمایند؛ تا نام نیک ایشاں بر صفحہ روزگار ہمیشہ پایدار ماند —

اور آخر میں لکھا ہے کہ:

— دریں جزو زمان ایں قسم مروت دشمنی از کسی سر نزدہ — [1]

میرزا کی یہ روش اور یہ سلوک یا داد و دہش کی بارش فقط اپنے دربار تک محدود نہ تھی بلکہ اس کی پھواریں اور ترشح دور دور اور دور دراز ممالک تک بھی پہنچتی تھی۔ اہل ہنر اور اصحاب علم و فن، اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ان کی قدر افزائیوں سے متمتع ہوتے رہتے تھے۔ مآثر رحیمی نے لکھا ہے:

— در ایام بودن قندھار، بجمع آوردہ اہل استعداد در قندھار رغبت نمود، و مبلغ بر سر انعام بہ خراسان بجہت مولانا شانی تکلو۔ کہ از فصحائے ایران است۔ و میرزا فصیحی۔ کہ او شاعر نادر سخن است۔ و دیگران فرستاد، و ایشان را بہ قندھار طلب داشت۔ اگر چہ ایشان بشرف ملازمت نتوانستند رسید، غائبانہ مداح او شدند — [2]

جہاں جہاں اس کو صاحب ہنر نظر آیا اسے اپنے پاس بلا لیا، جو نہ آ سکا اس کو گھر بیٹھے انعام و اکرام پہنچاتا رہا۔ تمام تذکرہ نویس اس کے اِس وصف اور علم پروری اور فن قدردانی کے اس نہج کی تعریف کرتے ہیں۔ ترخان نامہ کے مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

— غائبانہ اکثر مدرسان و شعرا و گوشہ نشینان ایران را نام بنام سالیانہ مقرر فرمودہ کہ ہر سال تا بہا میرسید۔ ازیں ممر ہمہ مردم مداح او بودند و در بار او نمونہ دربار شاہی بود — [3]

مآثر الامرا نے لکھا ہے:

---

[1] مے خانہ ص ۲۲۷ لاہور

[2] مآثر رحیمی، ج ۲ ص ۳۵۳

[3] ترخان نامہ ص ۹۱

— درآں جا بہ ہمت و حسن سلوک با شتر زدین عراق نامی برآورد — [1]

پھر لکھا ہے کہ:

— مرزا غازی بیگ بسیار مستعد و بصحبت اہل سخن مشغوف بود — [2]

ان کی صحبتوں اور مجلسوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

— گویند در قندھار مجلس مرزا مجمع صاحب کمالان بود — [3]

صاحب ترخان نامہ نے اس کے دربار اور مجلس شعر و سخن کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

— آں جواں بخت دست ہمت در سخاوت وجود کشادہ مانند ابر زر فشانی می نمود۔ ازیں جہت فضلا و شعرا از ایران و توران رجوع بخدمت او نمودند و مجلس بہشت آئین او مجمع فضلا و شعرائے روزگار بود — [4]

میرزا کی علمی مجلس اور علمی مباحث میں دلچسپی لینے کا ذکر بھی ترخان نامہ میں موجود ہے۔ اس کی مجلس میں ہمیشہ علمی مسائل پر علما کے درمیان مباحث ہوا کرتے تھے، خود نہ صرف دلچسپی لیتا تھا، بلکہ مسائل کو سمجھتا تھا، اور ان پر رائے زنی کرتا تھا۔

— فضلا و علما دوست بود و ہمیشہ صحبت ایشان میداشت، و علما را درحضور بہ بحث علم معقول می انداخت، و خود نیز ملکہ و استعداد تمام داشت کہ آنچہ علما می گفتند مدعائے طرفین فہمیدہ منصف می شد — [5]

---

[1] مآثر الامرا — ج ۳، ص ۳۴۶

[2] مآثر الامرا — ج ۳، ص ۳۴۷

[3] مآثر الامرا — ج ۳، ص ۳۴۷

[4] ترخان نامہ ص ۹۱

[5] ترخان نامہ ص ۸۴

تاریخ طاہری کا مصنف مرزا کا ہم وطن اور ہم عصر تھا، مرزا کی وفات پر اس نے جی کھول کر حقِ ہم وطنی ادا کیا ہے، اسی کے الفاظ میں اس کی رائے سننا بہتر ہے:

— آری مردم شناس و کار سنجی، با بزرگی و خوردی تعلق ندارد. بسا بزرگانِ خورد طبیعت از خوردی به بزرگی رسیده اند، امّا باحوال خود نمی پردازند، ازان پا ئمال صدمۂ زمانۂ عیار گردیده بی نام و نشان می میرند. و بسا خوردان بزرگ منش از والا ہمتی جولانے ترقیِ خویش گردیده بکام دل و مراد خاطر زندگانی داشته، بنام نیک در عالم گذاشتند —

اس تمہید کے بعد لکھتا ہے کہ:

— مرزا اگرچہ سال کم داشت لیکن بہ پیش خردی و خردمندی ازین قسم جویائے اہل فن و اہل طبایع بوده که ملا رشیدای دران وقت از لاہوری بندر[1] در شہر تتہ عبور داشت و بموجب قصه خوانی در نظر ایشان گذشت. از بسکه جوہری بود در عہد طفولیت گوہر او چشم بینای شناخته بمرتبه ای تربیت داشت که در اندک عمر صاحب سامان شد. گاه بتقریب شعر ملا مرشد بخدمت ایشان می خواندند. از بسکه میرزا اہل دوست بود، انصاف شعراو میداد تا آنکه آن رسید بپیشه فصاحت از روی دوستی بار فروشی درمیان آورده میرزا را بجد برین ساخت که غائبانه پارۂ امداد خرچ فرموده، اورا از ولایت طلب داشت، چوں بشرف دریافت ملازمت آن اولوالابصار مشرف شد، در اندک روز بخطاب خانی سرفراز فرموده از جملۂ مقربان درگاه ساخت و این بیت تشہد منصب خانی اوست۔

بخت دولت بین، که شاه کامران

گاه جانم می نوید گاه خان

صاحب تاریخ طاہری آگے چل کر لکھتا ہے کہ:

---

[1] ٹھٹھ سے آگے مغرب کی جانب سمندر کے قریب یہ بندر تھا جو برباد ہو کر مٹ گیا۔

— الغرض آدم شناسی کار کلی و هنر عظیم است، این صاحب دولت و اهل سخن ازین قسم مردم شناسی بود که هر کسی را تربیت داشته هر جا که رفته منظور و مقبول طبایع شده، چنانچه این عزیزان و مردم دیگر که از همه خدمت کمر بسته بلب نان فراغت رسیده، و خود هم از بسکه مادّهٔ قابل و طبیعتِ سلیم داشت، در اندک صاحب سخن و ذو فنون در هر فن چنان گردیده، که در علم و حلم و داد و دهش و صورت و سیرت و نظم و نثر ثانی نداشت - بلی آدمی را آراستگی از هنر است نه به غفلت. الله تعالیٰ همه را توفیق رفیق کناد که در اکتساب هنر بی‌خبر و بی‌خرد نباشد — [1]

---

[1] تاریخ طاهری ص ۲۲۴ س ۲۲

شاعری اور دیوان

میرزا غازی کو شاعری سے فطری مناسبت تھی، اگرچہ عمر کم پائی، لیکن اس عرصہ کے اندر اس نے اس حد تک کمال اور نام پیدا کیا کہ معاصر مورخوں اور بعد کے تذکرہ نویسوں نے اس کو بہت کچھ سراہا ہے، اور شعر میں اس کی قدرت پر سب کے سب معترف رہے ہیں.

صاحب مے خانہ ہم عصروں میں (۱۰۲۴ھ) تھا، لکھا ہے:

—به رائے انور ہنرمندان و ضمیر ضیا گستر خردمندان پوشیدہ نماند، میرزائے ترخان جامع الفضائل و الکمالات بودہ، شعر ش کم از شعرائے این جزو زمان نیست—[۱]

جہانگیر بادشاہ کی رائے ہے کہ:

—میرزا غازی فی الجملہ کمال داشت، شعر ہم خوب میگفت: [۲]

یہ شعر نمونتًا دیا ہے:

گریہ ام گر سبب خندہ ارشد چہ عجیب ابر ہر چند کہ گرید، رخ گلشن خندد

---

[۱] مے خانہ ص ۲۲۷ لاہور [۲] تزک، نولکشور ص ۶۴، بیورج ص ۱۳۳

مآثر رحیمی کا مصنف بھی میرزا غازی کا معاصر ہے اور اس نے اپنی کتاب مے خانہ کے لگ بھگ (۱۰۲۵ھ) تالیف کی، میرزا کی شاعری کے تتبع اور طرز پر لکھا ہے:

— مدار او بر گفتن ابیات عارفانہ و عاشقانہ بود۔ استماع سخنان متقدمین و متاخرین و ہمیشہ اوقات او بہ تتبع اشعار قدما صرف میشد، خود نیز متوجہ گفتن اشعار میشد۔ سلیقہ نہایت عالی داشت و تازہ گوئی را نیز طاق بلند نہادہ بود — [1]

صاحب ذخیرۃ الخوانین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:

— میرزا طبیعت عالی داشت، در شعر، خاقانی و انوری وقت خود بود — [2]

صاحب مخزن الغرائب نے "طبع روانی داشت"[3] کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اور صاحب روز روشن نے اس کے اشعار کو "نکتہ ہائے لطیف"[4] قرار دیا ہے

ترخان نامہ نے لکھا ہے:

— طبعش موزون بود، مشق شعر گفتن می کرد و صاحب دیوان شد — [5]

تخلص بقول سفینہ خوش گو، مرزا غازی کا پہلا تخلص "غزالی" تھا بعد میں "وقاری" اختیار کیا۔[6]

"وقاری" تخلص مرزا نے ایک شاعر سے ایک ہزار روپیہ دے کر خریدا تھا، اس شاعر نے اس کے بعد "خلدی" تخلص اختیار کیا۔ (۶)

وقاری تخلص اختیار کرنے کے سلسلہ میں مے خانہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

---

[1] مآثر رحیمی ۲ صہ ۳۵۱

[2] ذخیرہ۔ ق صہ ۱۶۵

[3] مخزن الغرائب (تعلیقات مے خانہ صہ ۵۶)

[4] روز روشن صہ ۶۳

[5] ترخان نامہ صہ ۸۵

[6] مے خانہ بحوالہ سفینہ خوشگو

[7] ذخیرۃ الخوانین قلمی صہ ۱۶۵

— واین تخلص را در قندھار از شاعری کہ صاحب ہمین تخلص بودہ بمبلغ ہزار روپیہ خریدہ، او را تسلی نمودہ کہ تخلص را بمن واگذار کہ مرا خوش آمدہ است، آن شخص ہم مفت خود دانستہ زر گرفتہ تخلص خود را فروختہ — [۱]

مآثر الامرا نے لکھا ہے کہ اس شاعر کو نقدی کے ساتھ خلعت اور اسپ خاصہ بھی انعام میں دیا۔ [۲]

یہ خلدی شاعر ذخیرہ کے قول کے مطابق ٹھٹھہ کا باشندہ تھا[۳]۔ لیکن مقالات الشعراء کا مصنف جو خود بھی ٹھٹھہ کا تھا، بختاور خاں کے "دہ سالہ" کے حوالے سے لکھتا ہے کہ وقاری شاہ قندھار میں رہتا تھا۔ [۴] دوسرے تذکرہ نویسوں نے بھی یہی لکھا ہے۔

دیوان شعر و سخن کی تمام اصناف میں میرزا نے مشق کی اور پانچ ہزار اشعار کا دیوان اپنی یادگار چھوڑا۔ ۲۵ - ۲۶ برس کی عمر میں شاعری کا اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑنا ان کی طبیعت کی روانی اور کمال فن کی زرین مثال ہے۔ صاحب مے خانہ نے لکھا ہے۔

— دیوان آن بلند ہمت، نکتہ پرداز از قصیدہ و غزل وغیرہ ہمگی پنج ہزار بیت است — [۵]

مقالات الشعرا کا قول ہے کہ:

— دیوان او از پنج ہزار بیت زیادہ است — [۶]

۱۔ مے خانہ ص ۲۲۹

۲۔ مآثر الامراج ۳، ص ۳۴۷

۳۔ ذخیرہ ص ۱۶۵

۴۔ مقالات الشعراء ص ۳۰۲

۵۔ مے خانہ ص ۲۲۸

۶۔ مقالات الشعراء ص ۳۰۲

صاحب ذخیرۃ الخوانین نے دیوان وقاری کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں ان کا کلام مقبول عام و خاص ہو چکا تھا اور سندھ ہند کے قوال اور گویے ان کی غزلوں کو گاتے پھرتے تھے:

"غزل تصنیف اورا قوآلان هند و سند می خوانند" [۱]

گویا شیخ فرید بکھری جب ذخیرہ لکھ رہا تھا (۱۰۶۲ھ) اس وقت بھی ان کی غزلیں عام طور پر گائی جاتی تھیں اور نہ صرف ان کے وطن سندھ میں بلکہ ہندوستان بھر میں قوالوں کی زبان پر تھیں۔

افسوس ہے کہ اس پانچ ہزار اشعار کے دیوان کا ایک نسخہ بھی آج دنیا میں موجود نہیں، اور نہ ان کے اشعار کا سیر حاصل انتخاب کسی تذکرے میں ملتا ہے۔ صاحب مے خانہ کا خدا بھلا کرے کہ اس نے ان کا ساقی نامہ محفوظ کر لیا ہے۔ ورنہ باقی سوانح نگاروں نے ایک آدھ شعر دے کر ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل کی ہے۔ جتنے متفرق اشعار ان کے مل سکے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

اشعار متفرق

آب حیوان چشمہ نوش شما — در خوبی، در بنا گوش شما

آیت خوبی، مگر نازل شدہ — در بیان لعل خاموش شما [۲]

در عهد تو مارا همه با غیر خطاب است — سر پنجهٔ مژگان دگر بیان عتاب است [۳]

۱۔ ذخیرۃ الخوانین صہ ۶۵

۲۔ مقالات الشعراء صہ ۳۰۳

۳۔ شعر العجم ۳: ۱۵۲ - ترخان نامہ صہ ۹۰

در بزمگہ حیرت تو بی خبران را | کیفیت دیدار تو، از جنس شراب است
ہم زغم سوی تو ہم نافۂ مشک است | اشکم زگل روی تو، ہم طبع گلاب است
از دیدن گل دیدہ اگر تیرہ نہ گشتی | آئینہ مرا پیش تو با چشم پرآب است
شاخ مژہ ام سبز شد و غنچۂ خون کرد | اینہا ہمہ از تربیت چشم پرآب است [1]
از روز ازل نغمہ پرستیم (دفاری) | دیوانگی ما گل مضراب رباب است [2]
شاخ جنون زعشق تو ام سبزہ شد ہنوز | این ابتداست گل بہ ازین خواہدم شگفت [3]
آن را کہ تو غم گسار است | بر توسن خوشدلی، سوار است
سیبین ذقن تو، در خم زلف | چون مہرہ کہ در دہان مار است [4]
بر من دو جہان، بی رخ تو حلقۂ میم است | جائی کہ ندارم زفراقت بدو نیم است
رشک آیدم از گوشہ نشینان غم عشق | تا اشک کہ در زاویۂ دیدہ مقیم است

یہ قطعہ بھی مرزا غازی کی تصنیف ہے :-

آنانکہ دعوی لمن الملک داشتند | چون یافتند زلطف تو بر قندھار دست
از ہول جان گریزان گشتند، آنچنان | بر اسپ شان خیانت تو گوئی غبار دست [5]
گریہ ام گر سبب خندۂ او شد چہ عجب | ابر چون گریہ نماید، لب گلشن خندد [6]

---

[1] مے خانہ ص ۲۲۸

[2] . یہ تمام اشعار عرفات العاشقین میں ہیں (میخانہ) گلچین ص ۲۹۹

[3] مقالات الشعرا ورق روشن ص ۶۳

[4] ذخیرۃ الخوانین ص ۱۶۵

[5] قندھار کی فتح پر کہا ہے ترخان نامہ ص ۹۰، صاحب لزماں کی مدح میں ہے عبدالباقی ص ۳۵۱

[6] مے خانہ ص ۲۲۸ - مجمع الفصحا ۱: ۶۲ تزک جہانگیری نولکشور ص ۹۴ رحیمی ۲: ۳۵۱ شعر العجم ۳: ۱۵۲ نصر آبادی ص ۹۰

اوبہای عشق، جان منخواہد و یادل دہیم   گفتگو بسیار نزدیک است، سودا می شود[1]

چندانکہ سر زلف تو آشفتہ تر افتد   اندیشہ ز اندیشۂ آن در حذر افتد

بازار سحر، بسکہ ز رخسار تو گرم است   رستم ز جہان سلسلۂ شام بر افتد

تا مرا غنچۂ غم از دل دیوانہ دمد   سنبلت را گل آشفتگی از شانہ دمد

اگر از شعشعۂ مہر جمالت سوزد   گل خورشید ز خاکستر پروانہ دمد

بشبستان الم در نظر می خوران   بادہ صبحی است، کہ از مشرق پیمانہ دمد

خود را ز ضعف، بسکہ فراموش کردہ ام   ہر لحظہ بدگمان شوم از تار موی خویش[2]

من خسم بر سر دیبا؛ نتوانم آسود   بستر شعلہ بگستر، کہ بصد ناز افتم[3]

پاک دامان ترم از مردمک دیدہ، ولی   غوطہ در خون جگر خوردم و رسوا گشتم

ہر سر موی زلف او شدہ دامی   وی بہم آغوش کدام سپارم

ز جام، درد می خوشگوار تر نزدم   ز باغ، جز گل آشفتگی بسر نزدم

گلی نچیدم در باغ کز فراق رخت   ہزار دشنۂ الماس بر جگر نزدم

بشادیی نشدم آشنا کہ در ساعت   کلاہِ گوشۂ غم را ناآہ بر نزدم

یہ ایک قصیدے کا شعر ہے جو مرزا نے امام علی بن موسی الرضا کی مدح میں کہا ہے:

بسکہ ز جودت بود، دہر لبالب ز فیض   نام زنامت کند، آب طلا در دہن

۱؎ بیاض گنجینہ مملوکہ جناب راشد صاحب برہان پوری

۲؎ رحیمی، ۲: ص ۳۵۳

۳؎ تاریخ طاہری ص ۱۳

در شبستان جدائی شیوۀ ضعف من است — همچو عکس آئینہ بی منت جان زیستن

مرا دلی است، چو سیماب اضطراب زده — ز خون و آبلہ، چون بادۂ حباب زده

کجاست یک دو سہ ہمدم کہ ہمچو موسیقار — نشستہ پہلوی ہم ابریشم آوازی[1]

رباعیات

عشاق چو طرح سود میاند ازند — خود را در صد فتور میاند ازند

گر غنچۂ دل شگفتہ گردد بی دوست — ہمچون گل شمع دود میاندازند[2]

چون شبنم خوی طرف جبینت گیرد — زیبا ز دو بہار یاسمینت گیرد

چون عزم برون شدن کنی از گلشن — گل دامن و بلبل آستینت گیرد[3]

بیگانہ ز دہر و بندہ خوی خودم — کس را نشناسم آشنا روی خودم

از بسکہ ضعیف گشتہ از ہجر تنم — چون چشم مقیم کنج ابروی خودم

صد شمع بہ تربت فلاطون بردیم — تا رہ بطریق عقل مجنون بردیم

در ہر وادی کہ نقش بی گشت غلط — مرشد گفتیم، و راہ بیرون بردیم[4]

طالب آملی، مرزا غازی کی بزم ادب کا رکن اعظم تھا۔ غازی کی وفات کے بعد ہندوستان پہنچ کر جہانگیر کے دربار میں ملازم ہوا اور ملک الشعرا بنایا گیا۔ بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا غازی اور طالب ہم طرح غزلیں کہا کرتے تھے۔ کبھی مرزا غازی طالب کی غزل پر، اور کبھی

---

[1] تاریخ طاہری، ص ۱۳۔

[2] شعر العجم، ۳۔ ص ۱۵۲۔ مقالات الشعراء۔ روز روشن، ص ۶۳، ۔ نصر آبادی، ص ۶۔

[3] رحیمی، ۲۔ ص ۲۵۳۔ عرفات العاشقین۔ مے خانہ، چاپ گلچین، ص ۹۹۔

[4] صبا، ص ۴۸۹۔

طالب ان کی غزل پر طبع آزمائی کرتا تھا۔

مرزا غازی کا دیوان موجود نہیں ہے، ورنہ معلوم ہو جاتا کہ ہم طرح غزلیں کون کون سی ہیں۔ ہمیں تین شعر میرزا کے ایسے ملے ہیں جن پر طالب آملی نے غزلیں کہی ہیں۔ ان کا ایک شعر یہ ہے:

بزم عشق است؛ وقاری" باادب باید بود — کہ دران جز بلب زخم تکلم کفر است [1]

مقالات الشعرا نے لکھا ہے کہ طالب نے اس کے جواب میں غزل کہی وہ پوری غزل طالب کے دیوان میں موجود ہے:

بزم عیش است، در و شکوۂ انجم کفر است — آشنا کردنِ لب، جز بہ تبسم کفر است

مومو قفل زبان باش، کہ در مذہب عشق — با بتان' جز بلب زخم' تکلم کفر است

تا ستم ہست، بکن جور و ستم، با عاشق — کہ' بدین مستِ بدآموز، ترحم کفر است

آب در چشمۂ خورشید نماند، ای عیسیٰ! — خون بدست آر، کہ با خاک تیمم کفر است

لب خاموشی عاشق، چو شود زمزمہ جوش — بلبل ناطقہ را، یاد ترنم کفر است

ہمہ طفلان جنون، منتظر الہام اند — پیش این طایفہ تعلیم و تعلم کفر است

نشترِ موعظہ را، کُند زبان کن (طالب) — پیش ما کاوش زخم دل مردم کفر است [2]

مرزا غازی کی غزل کے دو شعر ہیں:

چشم بدامن مژہ، چندان گہر فشاند — کز حیدنش، زکار دو دستِ زمانہ ماند

آوارگانِ کوی ترا، تا نظارہ کرد — بلبل ز فکرِ ساختن آشیانہ ماند [3]

---

[1] مقالات الشعرا صد ۳۰۳، رحیمی ج ۲، صد ۳۵۲ ۔ رحیمی میں آخری مصرعہ غلط نقل ہوا ہے

[2] دیوان طالب مطبوعہ صد ۲۸۱

[3] رحیمی ج ۲، صد ۳۵۲

طالب کی اس پر غزل ہے:

در سر خمارِ غم، ز شرابِ شبانہ ماند — عشرت سفر گزید و مصیبت بخانہ ماند
چندان گریستم کہ بعبرت، پس از وفات — گلبانگ ہای ہوی، بگوشِ زمانہ ماند
منصوبۂ وصال، میسر نہ شد مرا — شطرنجِ عشق بازیٔ ما، غائبانہ ماند
دردا کہ دست و منقبت اندیشہ شد ز کار — ناسفتہ گنجہائے گہر، در خزانہ ماند
بر شاخ سدرہ، بال فشان شد تذرو روح — مشتی پر شکستہ، درین آشیانہ ماند
جان در لباسِ بوسہ، وداعِ لبم نمود — وانگہ بیادگار، دران آستانہ ماند
لاہمعنانیٔ تو، ز دستِ نسیم و گل — بر توسنِ صبا، اثرِ تازیانہ ماند
مشاطہ چون نسیمِ صبا غوطہ زد بمشک — تاری اگر ز موئے تو در دست شانہ ماند
تا شد زبان خامۂ "طالب" سخن سرائے — صد بلبل بلند صفیر، از ترانہ ماند[1]

صاحب مےخانہ نے یہ شعر مرزا کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن دیوان طالب میں جو اس زمین کی غزل ہے اس میں یہ شعر موجود ہے:

با محرمانِ زلفِ توام سینہ صاف نیست — تا فتنہ ہمرہم چہ نسیم و چہ شانہ را

طالب کی غزل یہ ہے:

از بادہ برفروز رخِ شاہدانہ را — یوسف نگار کن در و دیوار خانہ را
ارباب وعدہ گرد رکابت گرفتہ اند — آتش عنان مساز، سمند بہانہ را
آشفتگی زیارتِ دل می کند مگر — با سنبل تو، قرب جوار لیست شانہ را
آن ترک مست کیست، در آماجگاہ حسن — کز تیر غمزہ کرد مشبک نشانہ را
مطرب نوای سادہ، کم از ہیچ نوحہ نیست — مرغولہ ریز کن، سرِ زلفِ ترانہ را

---

[1] دیوان طالب آملی مطبوعہ ص ۱۳۱۴

گیر دنشان سجدهٔ روح القدس لبم — چون بوسه بر جبین زنم آن آستانه را
همت زنیک ناشدنم دربی فگند — تن در نداد تا بگزینیم میانه را
ناکرده سیر غمکده، یارب! چگونه ساخت — بلبل! بطرز خانهٔ من آشیانه را
ما جمله صاحبان زبانیم لیک هست — فرق از کلید خانه، کلید خزانه را
از بادپای سعی من ای دل! بدار دست — کین توسن است دشمن جان تازیانه را
با محرمانِ زلف توام، سینه صاف نیست — تا قتل هم رهم چه نسیم و چه شانه را
طالب مزار پایه بر افتادگی فزود — در کف نداد خیرگی شاعرانه را [1]

ساقی نامہ | میرزا کا "ساقی نامہ" عبدالنبی نے مے خانہ میں محفوظ کر دیا ہے۔

بباغ ار فتد عکس از روی یار — شود نوک هر خار، رشک بهار
دگر بر فلک، چهرهٔ تابان کند — خور از شرم او، چهره پنهان کند
وگر سوی آتش بتازد، سمند — دگر شعله، زآتش نگردد بلند
رسد بوی او، گر بباد بهار — همه کوه و صحرا شود مشک بار
به آب ار بشوید دو زلف سیاه — به تاثیر سنبل، شود هر گیاه
کشد حسن او، گر سوی خاک خیل — زمین را، نماند بآرام میل
دگر سوی مے خانه، تازان شود — می از چادر شیشه عریان شود
ازان می، که گر ریزیش در ایاغ — ایاغت، فروزان شود، چون چراغ
ازان می، که جان عکسی از نور اوست — ادیب خرد پاک دستور اوست

---

[1] دیوان طالب مطبوعہ ص ۲۲۱

می لعل، چون چهرهٔ دلبران / رسنده تر از دست خنیاگران

می کو چو در جام گردان شود / چراغ دل می پرستان شود

حرارت فزای فسرده دلان / کدورت زدای فرو ماندگان

اگر یاد آن می رسد در ضمیر / شود چهرهٔ دل بدان سان منیر

که آئینه آسا همی زان نبید / درو چهرهٔ جان، توانند دید

بمن ده، که تا باز موئے ز نم / سراپرده، بالائے جوئے ز نم

که در این چنین فصل و این نوبهار / نشاید، ز شادی بدن بر کنار

بهاران و فصل گل و بوی یار / می خواه کان می بود بی خمار

پری چهره ساقی به هنگام گل / کدورت زدای از دل ما بهل

مرا پای شادی همی در گل است / گریبان و اندوه و دست دل است

گر از گرد خود، شمهٔ سر کنم / نیوشنده را، گوش جان کر کنم

اگر نسخه سوئے هامون کنم / دد و دام را، دیده پر خون کنم

وگر بوی او، سوی گردون شود / دگر گردش، از یاد گردون رود

مگر این غم از خاطر من برمی / توان شست، با نالهٔ چنگ و نی

بده ساقی آن نوشداروی روح / برغم دل زاهدان، در صبوح

که تا چهرهٔ خویش، گلگون کنم / ز حسرت، دل لاله را، خون کنم

به بستان درآیم، به آواز چنگ / ز روی گلستان، برم آب و رنگ

هم آوای مرغان بستان شوم / وز آنجا سوی می پرستان شوم

درآیم به میخانه با نای و نوش / چنان کم نماند، به دل جائے هوش

بپائے خم افتم، چنان بے خبر / که در رگ، نماند ز خونم اثر

بر ورزش بُوَم، بی خود و در شبش / گهی پای خم بوسم و گه لبش

کشم از لبش شربت زندگی
نویسم به خونم، خط بندگی

که تا زنده باشم، مقیمش بُوَم
چو خورشید، خشتِ حرمش بُوَم

حرمی بپاکیزگی چون ارم
زبنیاد او، دور خشتِ الم

صفاخانه زاد در و بام او
میٔ خرمی، جرعهٔ جام او

گروهی در و پای بر جا چو خُم
غم اندر تهٔ خشت شان گشته گم

همه از لباسِ تعلق نفور
برون و درون شان، چو خورشید نور

بیک جرعه، داده کم و بیش را
بیک جام میٔ باخته خویش را

زخم خانه برداشته نوشه
زجور فلک رفته در گوشه

زساقی، یکی جام می خواستم
زبان را، بخواهش بیاراستم

بگفتا که: این نیست درخورد تو
به بوی، برد بر هوا، گرد تو

چو گفتار او جای کردم بگوش
دریدم به تن جامهٔ صبر و هوش

جگر ریش گشته، به تیغ خمار
کشیدم زجان، نالهٔ زهر دار

خمارش، چو تیغ جفا بر کشید
زدام دل، آهوی عشرت رمید

پیاله چو دید، آن رنگ و بوی من
گلاب میٔ افشاند، بر روی من

گلابی زپاکیزگی هم چو روح
ازو باد، در دست طوفان نوح

اگر نام او را، نگارد قلم
زبانش، نگردد بحرف الم

درونِ پیاله، همه نور بود
که گاهی، تجلّی به موسیٰ نمود

زطورِ خُم، آن نور شد آشکار
که، موسیٰ همی جستش از هر کنار

زعکسش جهان نور شد سربسر
تو گوئی: زخورشید، بُد مایه ور

ازان میٔ، اگر جرعهٔ دیدمی
گل عیش، از خار غم چیدمی

شرابی زتلخی چو پند پدر
به آخر، همه نیکوئی سربسر

شرابی ز پاکیزگی، چون روان — بیک شعله آتش زن قیروان
بچرخ ار فتد پرتوی زان شراب — کند میل، در دیدهٔ آفتاب
بخاک ار فتد قطرهٔ زان شراب — کند خاک کحل بصر آفتاب
وگر صبحگاهی در آید به جام — کند نیر اعظم، اورا سلام
شرارش ز تیزی چو خوی بتان — زده پنجه، در پنجهٔ آسمان
شعاعش، ز پاکیزگی داغ روح — روان بخش بیچارگان، در صبوح
فرح بخش، چون چهرهٔ دلبران — جگر سوز، چون نالهٔ عاشقان
نباشد شراب، آنکه اندر دن است — تو گوئی: بروح الله آبستن است
کسی گر، نگاهی کند سوی او — اگر آشکارا شود بوی او
دماغش، شود مشک و عنبر دگر — نگاهش، گلستان شود در بصر
بروی زمین، پرتوی آن شراب — نگارد همه صورت آفتاب
اگر قطرهٔ زو، بگردون شود — دگر چرخ، بر چیده دامن رود
صراحی اگر بشنود، نام او — دگر آفتاب آید، از کام او
اگر هوشمندی و پاکیزه رای — به میخانه شو زین سپنجی سرای
که تا هی زنی، این سرای فسوس — کند روز عیشت ترا آبنوس
فلک پیر زالی ست بی آبروی — ازو آب و رنگ جوانی مجوی
ازو گر تمنا کنی مردمی — زند سنگ بر شیشهٔ خرمی
امید نکوئی ازو داشتن — بود تخم، در ره گذر کاشتن
به سوی خرابات، گامی بزن — ز دست سبو، چند جامی بزن
که تا دیدهٔ عیش، روشن کنی — چون مستان، به میخانه مسکن کنی
در افگن به جام آن عقیقی شراب — کند باده در ساغر آفتاب

کنم، گر روانی اورا، بیان — زبانم شود، آب اندر دهان
جگر تشنه گان را، صلائی بده — به یک جرعهٔ می صفائی بده
دوای جگر خستگان کیست؟ می — دوای دلِ عاشقان چیست؟ می
می ست، آنکه آباد سازد ترا — زبند غم، آزاد سازد ترا
طلسمِ غم بی کران ست می — تن بی روان را، روان ست می
جیان دان، که می گوهر بی بهاست — که خورشید در جنب نورش هباست
اگر تیغ این گوهرت آرزوست — اگر جان دهی در بهایش، نکوست
که گر جان یکی باشد، از بوی او — شود صد، اگر بنگری سوی او
نه می، بلکه عیش جوانی بود — کلید در زندگانی بود
هر آن زندگی کاین کلیدش بود — شود عیش، باقی امیدش بود
بتابد اگر، پرتوش بر جهان — شود چشمهٔ زندگی، هر سنان
تراوش، اگر سوی دوزخ رود — زبانه، چو بلبل خوش الحان شود
وگر، جانب آسمان، بگذرد — ملک، جامهٔ زهد، بر تن درد
وگر، سوی چارم فلک، رو نهد — به خورشید صهبای خجلت دهد
خدایا بجام می بی دلان — که سرخوش ازان جام شد آسمان

کزین می که گفتم مرا دور دار
مگر از میِ وحدت کردگار[1]

---

[1] میخانه ص ۲۹۴ تا ۲۹۹ چاپ گلچین معانی

(۲۷)

مذہبی عقائد

مرزا غازی لقبول ملا عبدالباقی نہاوندی اثنا عشری عقیدہ رکھتا تھا اور اسی وجہ سے اہل خراسان کو بہت پسند کرتا تھا اور ان کے ساتھ میل جول اور رغبت زیادہ تھی۔

— از صحبت اہل عراق و خراسان لغایت محظوظ بود و شب و روز با این جماعہ بسر می برد و اعتقاد تمام باین طبقہ داشت — ؎۱

دوسری جگہ وضاحت کے ساتھ لکھتا ہے کہ:

— و مطلب اہل عراق و خراسان کہ باو محشور بودند، این بود و ہست کہ شیعہ اثنا عشری بودہ و از اشعارش کہ در مدح صاحب الزمان گفتہ، و از طرز و طور و سلوک او، نیز این چنین فہم می شود، و جمعی نیز ازان جماعہ خصوصاً مرشد خان بروجردی کمال تصدیق بان می نمایند — واللہ اعلم — ؎۲

؎۱ مآثر رحیمی ج ۲، ص ۳۵۱ ؎۲ مآثر رحیمی ج ۲، ص ۵۳-۳۵۴

اس سلسلہ میں ملا عبدالباقی نے لکھا ہے کہ میرزا عیسیٰ ترخان نے ایک مرصع قندیل روضۂ مشہد مقدس کے لئے خاص طور پر زر کثیر صرف کرکے بڑے اہتمام کے ساتھ بنوانی شروع کی تھی، لیکن وہ مکمل نہ ہوسکی کہ مرزا عیسیٰ کا انتقال (۹۷۳ھ) ہوگیا۔ اس قندیل کو بعد میں مرزا غازی نے مکمل کرا کے مشہد مقدس بھیج دیا اور:

— مبلغہا برسم نذر لسیر کار آستانہ متبرکہ منورہ رضیہ رضویہ بہ مشہد مقدس فرستادہ۔ [1]

مرزا غازی اثنا عشری ہونے کے ساتھ ساتھ نیک دل اور خوش عقیدت انسان تھا، سادات، مشائخ، درویش اور گوشہ نشین بزرگوں سے خاص عقیدت رکھتا تھا، اور ہمیشہ ان کی اعانت اور خدمت کرتا رہتا تھا۔ ترخان نامہ کے مصنف کا قول ہے کہ:

— بہ سادات عظام و مشائخ کرام و درویشان گوشہ نشینان اعتقاد تمام داشت و نزا خور احوال ہر کس رعایت و پرداخت می نمود۔ [2]

---

[1] رحیمی ج ۲، ص ۳۵۳

[2] ترخان نامہ

(۲۸)

اہل و عیال

میرزا کے محل میں یوں تو سیکڑوں عورتیں تھیں جیساکہ آیندہ اوراق میں ذخیرۃ الخوانین اور ماثرالامرا کی زبانی بیان ہوگا۔ لیکن اس کے عقد میں کتنی بیگمات تھیں ؟ اس کی تفصیل یک جا کسی تاریخ میں ہمیں نہیں ملی، البتہ تاریخ طاہری اور تحفۃ الکرام کے ذریعہ ہم نے میرزا کے چند محلات کا پتہ چلایا ہے، جو درج ذیل ہے:

۱۔ ابوالقاسم سلطان کی دختر | شاہ قاسم خاں کی بیٹی میرزا جانی کے عقد میں تھی اور ابوالقاسم سلطان ولد شاہ قاسم خاں کی لڑکی پہلے اپنے خواہر زادہ میرزا ابوالفتح بن میرزا جانی بیگ سے منسوب تھی، لیکن جب میرزا ابوالفتح کا انتقال ہوگیا تو اس لڑکی کا عقد میرزا غازی سے کردیا گیا۔ [ل]

۲۔ جام داؤد کی لڑکی | جام داؤد، جام ہالہ ولد جام دلبیر زمیندار گگرالہ کا عزیز تھا۔

[ل] تاریخ طاہری ص ۲۱۸ و تحفۃ الکرام ج ۳، ص ۷۹

اس نے بھی اپنی لڑکی میرزا کے عقد میں دی تھی۔

جام ہالہ کی بغاوت فرو کرنے میں داؤد نے میرزا کے لشکر کا ساتھ دیا تھا اور جب جام کو ملک سے نکال دیا گیا اور اس کے علاقے پر میرزا کا قبضہ ہوا، تو جام داؤد کے عرض کرنے پر اس علاقے کا تیسرا حصہ اس کی خدمات کے عوض، اس کو دیا گیا، اس کے بعد تاریخ طاہری کا مؤلف لکھتا ہے:

— بعد از ساختن این معاملہ جام داؤد بشرف قدم‌بوسی میرزا مشرف گشتہ و نسبت دختر خویش — کہ ہرگز بہ ارغون و ترخان پیش ازان از ننگ نام نمی کردند — کردہ التماس زمینداری آن گوشہ نمود — ؎

۳۔ جام ہالہ کی دختر | جام ہالہ نے بھی مفتوح ہونے کے بعد خسرو خاں چرکس کو درمیان میں ڈال کر میرزا سے معافی حاصل کرلی اور اپنی لڑکی مرزا کے عقد میں دی تھی۔ تاریخ طاہری کا مؤلف اس سلسلے میں بیان کرتا ہے کہ جب میرزا قندھار جاتے ہوئے بکھر میں مکمل انتظام درست کرنے کے لیے ٹھہرا تو اس نے اپنے محل اور مستورات کو ٹھٹھ سے بلالیا، اور جب انتظام مکمل ہوگیا تو:

— از محل ہر کہ ہمراہ داشت و آنکہ از ٹھٹھ طلبیدہ بود، ہمہ باز بدانجا فرستاد، مگر دختر جام ہالہ کہور سمہ (ولد جام دلیر زمیندار گکرالہ) کہ پدرش خیدگاہ بموجب تاخت لشکراشان پریشان و آوارہ بود، بعد ازان خسرو خان را وسیلۂ خویش ساختہ، از روی عاجزی عاجزہ با ستصحاب بیبی منکوحۂ خان بملازمت میرزا در بلدہ بکھر فرستادہ مہمازی خود بدنیسان ساختہ کہ از سہ حصہ گکرالہ یک حصہ بدستور سابق بہ جام داود خسر قدیم میرزا، منظور داشتہ، و حصۂ دیگر بجاگیر موصی الیہ مقرر گردیدہ و حصۂ ثالث خالصہ نیز بعہدہ او واگذاشتند کہ سرانجام نمودنیخان می

؎ تاریخ طاہری صہ ۲۴۰، تحفۃ الکرام ج ۳، صہ ۸۱

رسانیدہ باشد - ہمراہ برداشت - [۱]

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جام ہالہ نے بکھر میں میرزا سے معافی حاصل کی اور وہیں اپنی لڑکی اس کے عقد میں دی، اور جب میرزا قندھار کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار ہوا تو صرف اس ایک محل کو ساتھ رکھنا چاہا، لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ اس محل کو میرزا کی دوسری محلات نے حسد اور جلاپے کی وجہ سے زہر دے دیا اور وہ عفیفہ وہیں بکھر میں جاں بحق ہوئی، تاریخ طاہری کا مصنف لکھتا ہے کہ:

— عاقبت از رشک بعضی عورات دیگر چیزی بدو دادند وکشتند — [۲]

۴۔ شریف خاں کے بھائی کی دختر میرزا کی چوتھی محل شریف خاں آتکہ کی بھتیجی تھی، جس کو پہلی دفعہ قندھار جاتے ہوئے میرزا نے ملتان میں چھوڑا تھا۔ اس کا حوالہ تاریخ طاہری میں اس طرح آیا ہے:

— امّا درین راہ کہ میرزا محل خود، دختر برادر شریف خان آتکہ، در ملتان متمکن ساختہ، متوجہ بدین صوب (قندھار) گشت — [۳]

اس بیگم کے ساتھ میرزا کا عقد غالباً قیام ہندوستان کے دوران میں ہوا ہوگا۔

ان چار حوالوں کے سوا ہمیں میرزا کے دوسرے محلات کا پتہ تاریخ سے نہیں چلا، البتہ تاریخ طاہری کی اس عبارت سے کہ:

— از محل ہر کہ ہمراہ داشت وآنکہ از تھتہ طلبیدہ بود ہمہ باز بدانجا فرستاد مگر دختر جام ہالہ . . . . ہمراہ داشت —

---

[۱] تاریخ طاہری ص ۲۶۱

[۲] " " ص ۲۶۱

[۳] " " ص ۲۰۰

سے اندازہ ہوتا ہے کہ میرزا کے کئی ایک محل تھے۔

میرزا لاولد فوت ہوا۔ تاریخ طاہری سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:

— چون از عمر آن جامع الکمالات صاحب فراست، تتمہ نماندہ — [1]

تحفۃ الکرام نے لکھا ہے:

— چوں اولادی نماند . . . . بس جہانگیر بادشاہ ملک تتہ بسبیل

ممالک دیگر مخصوص حکام متغلبہ حضور فرمودہ — [2]

---

[1] تاریخ طاہری ص ۲۷۱

[2] تحفۃ الکرام ج ۳، ص ۸۷

(۲۹)

کچھ عیب

ان تمام خوبیوں اور خصوصیتوں کے ساتھ ساتھ مرزا میں کچھ عیب اور اخلاقی نقائص بھی تھے جو دولت اور حکومت کا لازمہ ہوتے ہیں، صاحب ذخیرہ نے لکھا ہے:

— بے عیب خدا است، ہیچ عیب نداشت، الاّ دو سہ افعال کریہہ داشت — [1]

ان "دو سہ افعال کریہہ" کی تفصیل یوں لکھی ہے:

(۱) اولاً ہر شب و روز بشرب مائل بود

(۲) ہر شب عورت بکر یازدہ سالہ البتہ بتصرف اوی درآمد —

شراب نوشی کے متعلق مآثر الامرا کی شکایت بھی سنیئے:

— میرزا بدستور پدر، شفیتگی تمام بشراب داشت، روز و شب دریں کار می گذرانید — [2]

---

[1] ذخیرہ خطی ورق ۱۶۶

[2] مآثر الامرا ج ۳، ص ۳۴۸

"یازدہ سالہ عورتوں" کے انتظام اور فراہمی کا اہتمام شیخ فرید بھکری کی زبان سے ہی سننا زیب دیتا ہے، سنیئے:

— موکلان گذاشتہ بودند کہ از ہر جامی آورند، ہمان شب کہ بکارت رای گرفت، باز روی او را نمی دید او درمحل افتادہ بودند —

اس سلسلہ میں میرزا نے نہ صرف موکلوں کا ایک وسیع محکمہ قائم کر رکھا تھا، بلکہ اپنی والدہ سے بھی امداد حاصل کرتا تھا۔ چنانچہ صاحب ذخیرۃ الخوانین اس بات کو بھی نہایت صفائی سے بیان کرتا ہے:

— والدۂ ایشان از ٹھٹھہ ہزار و دو لیست باکرہ جمیلہ در سن دہ و دوازدہ سالگی ہمراہ خود پیش پسر در قندھار آوردہ، ہمہ را التصرف نمود — [1]

ان مجبور اور بے بس لڑکیوں کے متعلق جن کو ایک رات کے بعد بیکار کر دیا جاتا تھا صاحب ذخیرہ نے لکھا ہے:

— آن زنان را کہ در محل جمع کردہ بود، واللہ اعلم' در بند حیات اند یا مردہ اند' ہر مشاہد بازاری کہ از ٹھٹھہ می طلبید، آن زنکہ خود را منسوب بزن مرزا غازی می کند —

مآثر الامرا نے بھی اس فعل شنیعہ کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

— و اعتبار بازالۂ بکارت کردہ بود' کہ ہر شبی یکے را از ہر جا بہم رسانیدہ می آوردند' باز روی او نمی دید' ازین بود کہ مدتہا در شہر ٹھٹھہ ہر زنی بدکار خود را بہ میرزا منسوب می نمود — [2]

جس شہر سے مرزا غازی کی والدہ بارہ سو لڑکیوں کا تحفہ اپنے صاحبزادے کے لئے لے گئی تھیں اس شہر ٹھٹھہ کی اس دور کی تصویر بھی شیخ فرید ہی کی زبانی سننی چاہیئے، لکھتا ہے

---

[1] ذخیرہ ص ۱۶۶

[2] مآثر الامرا ج ۳، ص ۳۴۸

—تتہ را بحسب آب وہوا و میوہ و ترشحات باران بہشت روی زمین می توان گفت، و عورات جمیلہ، سبزہ رنگ، مثل حوران بہشتی پیدا می شوند، و در ہر خانہ کمٹی شراب و آواز دھولکی است، و اکابر و اشراف مذکر و مونث در ہر ہفتہ بزیارت حضرۃ قطب الاقطاب حضرت شیخ پتہ قدس سرہ می روند، پوشاک دختر باکرہ وزال فرتوت صد سالہ از رخت رنگین گل معصفر کہ پوشاک عروسانہ است، و "باہین" دندان فیل ہر گدای در دست دارد، و مردم آن جا بکوچۂ غم نگذشتہ اند، عیش و عشرت و نشاط بر آن غالب است، ظہور اولیا اللہ و فضلا و شعرا ہم دران جا زیادہ از تعداد اند، و فسق و فجور ہم بسیار نشان میدہند، گویند روز عید بنای این شہر شدہ اگرچہ حالا آن رونق و طراوت نماندہ، بہر حال از دیار دیگر امتیاز دارد، و علم نحو صرف و فقہ و تنظم دران شہر بسیار است، و می توان گفت کہ عراق ثانی است — [1]

ٹھٹہ اور ٹھٹہ والوں کے تمدن و تہذیب، خوش حالی، فارغ البالی، ان کے عیش و عشرت کی یہ تصویر دکھا کر پھر میرزا کے متعلق لکھا ہے کہ:

— باوجود این، خیر خیرات و حسن معاش و کم آزاری و بردباری و شفقت علی خلق اللہ و درویش دوست بود — [2]

ان چند کمزوریوں کے باوجود اس نوجوان حکمراں میں جو جو خوبیاں تھیں، ان کو تمام مورخ سراہتے ہیں۔ مآثر الامرا نے کمزوریوں کو گناتے ہوئے آخر میں یہی لکھا ہے کہ:

— القصہ، جوانی بود بہ متانت سخن و لطافت طبع آراستہ و در طریق ملک داری و

---

[1] ذخیرۃ الخوانین صہ ۱۶۶-۱۶۷

[2] ذخیرۃ الخوانین صہ ۱۶۶-۱۶۷

سلطنت درمیانہ سلاطینِ این روزگار ممتاز بود۔ ورعیت وسپاہی در زمانہ حکومتِ او مرفہ الحال بودند —

پھر لکھا ہے:

— واگر روزگار امانش میداد در شجاعت نام رستم و در سخاوت آوازہ حاتم و در عیش و عشرت خسرو پرویز را گمنام میساخت — [1]

قندھار کے اندر جس محلے میں یہ عورتیں رہا کرتی تھیں اس کے سامنے کی پہاڑی پر ایک مسلوب الخیال درویش ایک دن چڑھا اور میرزا غازی کی نظر اس پر پڑ گئی، حالانکہ وہاں سے محل میں رہنے اور بسنے والے، چڑیا جتنے دکھائی دیتے تھے، لیکن مرزا نے اس کو بھی سوء ادب سمجھا، چنانچہ اس کی کھال کھنچوائی گئی۔ درویش نے ہنستے ہنستے دو دن کے بعد جان تو دے دی لیکن صاحب ذخیرۃ الخوانین لکھتا ہے کہ:

— از ہمان تاریخ برہمزدگی دولت وانتہائی عمر او شد ... نام و نشان آن بر سلسلہ دنیا بر نماند۔ اگر کسی تا حال زندہ باشد ازان زندگی مرگ اولی تر است — [2]

حضرت روم نے کتنی سچی بات کہی ہے:

تا دل مرد خدا نامد بدرد ہیچ قومی را خدا، رسوا نکرد

---

[1] مآثر الامراء، ۲: ۳۵۴

[2] ذخیرۃ الخوانین صـ ۱۶۶

حصّہ دوم

میرزا غازی بیگ ترخان

کی

بزمِ ادب

مرزا غازی کی عمر نے وفا نہیں کی، اس کو بہت جلد اس بزم ہستی سے اٹھ جانا پڑا۔ اگر عمر طبعی اس کا ساتھ دیتی تو یقیناً شان و شوکت، علم و ادب کی سرپرستی اور درباری ٹھاٹھ میں اس کا کوئی ثانی نہ ہوتا۔ اگر اُس کی اِس مختصر عمر کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کو بہت ہی کم چین اور آرام نصیب ہوا۔ بچپن ہی میں باپ کا ساتھ چھوٹ گیا، نو عمری میں ملکی خلفشار نے اس کو پریشان کر دیا اور اپنے ہی امرا کی طوطا چشمیوں نے اسے چند ماہ بھی چین سے گزارنے کا موقع نہیں دیا۔ ٹھٹھ میں اس کی زندگی اس طرح گزری کہ اگر کوئی دوسرا نو عمر حکمراں ہوتا تو نہ صرف تخت و تاج سے ہاتھ دھو بیٹھتا بلکہ نقد جان بھی گنوا دیتا۔

مرزا غازی ٹھٹھ کی حکومت کا خاطر خواہ انتظام کرنے نہ پایا تھا کہ سعید خاں چغتہ سر پر آکھڑا ہوا۔ مرزا غازی کو یہاں کے معاملات کو جوں کا توں چھوڑ چھاڑ کر اکبر کے دربار میں جانا پڑا۔ انھیں دنوں اکبر کا پیمانۂ عمر بھی لبریز ہو گیا۔ جہانگیر کا دور

آیا۔ قندھار کا محاصرہ ہوا جس کی مدافعت کے لئے مرزا غازی کو بھیجا گیا۔ وہاں سے فراغت پاکر واپس ہوا تو بھی اس کو سندھ میں رہنے کا موقع نہیں ملا بلکہ کبھی بکھر، کبھی لاہور اور کبھی ملتان کی خاک چھاننی پڑی۔ ۱۰۱۶ھ میں قندھار کی حکومت اس کے تفویض ہوئی اور وہیں ۱۰۲۱ھ میں اس نے اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد کردی۔ اس کی عمر کے، بس یہی چھ سال تھوڑے بہت سکون کے ساتھ بسر ہوئے، پھر بھی سندھ کی طرف سے اس کو اپنے امرا کی وجہ سے ہر وقت بے اطمینانی رہی۔

انھیں چھ برس کی مختصر مدت میں اس نے علم و ادب کی بے مثال خدمت کی اور اہل فن کی سرپرستی میں شہرت حاصل کی۔ اس کی داد و دہش اس حد تک مشہور ہوئی کہ ایران سے جو بھی صاحب فن و ہنر نکلتا تو پہلا سلام قندھار کے دربار کو کرتا اور بعد میں ہندوستان کے جہانگیری دربار کا رُخ کرتا۔ سیاسی طور پر ایک طرف جہانگیر کا "نور چشم" کہلایا تو دوسری طرف ایران کے صفوی بادشاہ کے ساتھ دوستی کا پیوند جوڑ دیا۔ سپاہی خوش، رعیت مطمئن، ملک سرسبز اور خوشحال۔ الغرض، اس کے زمانے میں ٹھٹے سے لے کر قندھار تک اور سیوستان سے لے کر ملتان تک تمام ملک خوش و خرّم تھا۔ مآثر الامرا میں سچ لکھا گیا ہے کہ:

اگر روزگارش امانش می داد، در شجاعت نام رستم و
در سخاوت آوازۂ حاتم و در عیش و عشرت خسرو
پرویز را گمنام می ساخت۔[۱]

میرزا کے دور میں ہندوستان میں مغلیہ دربار کے علاوہ کئی اور امیروں

۱؎ مآثر الامرا، ج ۲، ص ۳۵۴

کے درباروں میں بھی اہل فن و ہنر کی سرپرستی کی جاتی تھی۔ خود ایران میں صفوی بادشاہ کا دربار مرجعِ اہل فن تھا؛ لیکن اس کے باوجود، ایران، عراق اور ہندوستان کے اہل ہنر مرزا کے دربار کو ترجیح دیتے تھے۔ کئی ایک نامی شعرا، علما اور صاحب فن اس کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے تھے، طالب آملی جو بعد میں جہانگیری دربار کا ملک الشعرا بنا، مرزا غازی ہی کی قدردانی کا پروردہ تھا، مرزا کی شان میں اس نے جو قصائد کہے ہیں ان میں گرمی اور مضامین کی جو کیفیت ہے وہ دوسروں کی شان میں کہے ہوئے قصیدوں سے بالکل مختلف ہے۔ بقول عبدالباقی نہاوندی ملا مرشد بروجردی، ملا اسد قصہ خواں، مرزا فصیحی انصاری محوی اردبیلی، سروری یزدی، شمسائی زریں قلم، میر عبدالباقی قصہ خوان میر الاہی اسد آبادی، ملا شانی تکلو، وغیرہ سب اسی دربار دُربار کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

آیندہ صفحات میں ہم ان سب اہل فن کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق بالواسطہ یا بلا واسطہ مرزا غازی کے دربار سے تھا اور ان کا احوال ہمیں معلوم ہو سکا ہے، خدا جانے کتنے ایسے ادیب اور شعرا ان کے دامن سے وابستہ ہوں گے جن کا علم ہمیں نہیں ہو سکا ہے۔

احسنی، ملا احسنی گیلانی

میرزا غازی کے دربار سے وابستہ رہے۔ ان کے متعلق جو کچھ اطلاع میسر ہوئی ہے وہ فقط تذکرۂ 'خیر البیان' کے ذریعے، اور وہ یہ ہے کہ:

— شاعر پیشہ و ہزال و ہجو گوی و بی ملاحظہ است، واوقات شریفش بخوردہ گیری و وقت است و در شہور سنہ تسع و عشر و الف (۱۰۱۹ھ) بسیستان آمدہ بخدمت ملک الملوک[1] بودہ رعایت کلی یافت وایامی بیاران اہل سیستاں بسر بردہ۔

وہیں سیستان سے (۱۰۲۰ھ) کے لگ بھگ میرزا غازی ترخان کے پاس آئے، مؤلف نے لکھا ہے:

— ازانجا بقندھار رفت و از میرزا غازی ترخان نیز بہرہ ہا یافت۔

اس کے بعد جب میرزا فوت ہوئے اس وقت ملا احسنی لاہیجان جاکر مستقلاً مقیم ہوگئے اور وہیں مؤلف 'خیر البیان' سے ملاقات ہوئی۔

— درحینی کہ (راقم) از فرخ آباد مازندران بخدمت

---

[1] ملک الملوک ملک نجم الدین محمود بن ملک حیدر دیکھئے 'احیاء الملوک'، طبع تہران ص ۲۰۱ تا ص ۲۱۳۔

اشرف از راه دارالمرز روانہ گرجستان بود، چند روز موکب ہمیون ساکن لاہیجان بودند، مولانای مذکور کمال گرمی مینمود و یاران اہل لاہیجان را با راقم آشنا ساختہ، نہایت محبت و گرمی بجان آورد، و دران ایام سرگرم محبتی بود و دلگرمی شوق بزمزمۂ شعر و شاعری اشتغال داشت۔

ان کی شاعری کے متعلق مؤلف خیرالبیان کی رائے ہے کہ:

— در قصائد الفاظ غریب و کلمات عجیب بکار میبرد و زبان ہجو او بسیار فصیح است۔ اگرچہ درین نسخہ ابیات ہجو ثبت نشدہ ولیکن چون درین روش ظاہر است اظہار حال او شد۔[1]

اس کے بعد یہ اشعار نمونتہً دیئے ہیں:

تا عطر سر زلف تو، آشوب دماغ است
در مغز صبا، نکہت گل، بوی چراغ است
شاید کہ، کند باز بآزادی پرواز
مرغی کہ، صفیر قفسش زینت باغ است

آنرا کہ کفر زلف پریشاں، نشد نصیب
در کام جان، حلاوت ایمان، نشد نصیب
صد رہ جنون گراہم زد، ولدست مراز ضعف
یک بار طوق چاک گریبان، نشد نصیب

---

[1] خیرالبیان ۳۵۸ الف و ب۔

صد چشمه شد ز خون دل، و در نیمه راه چشم
یک قطره را، زیارت دامان، نشد نصیب
شد سبز باغ دیده، و داغم که، دیده را
گل، زیر جیب و دامن مژگان، نشد نصیب
یک سجده کعبه، زو نکند سالها، قبول
آنرا، که طوف خاک شهیدان، نشد نصیب

زچاک سینه پس از مرگ، شعلهای غمش
علم علم رود، از پیش پیش تا بوتم

عشق آتش است کز من و خاکم نشانه سوخت
چون شعله پای تا سرم، از یکزبانه سوخت
دل را متاع خانه، همان شعله است باز
صد ره اگرچه، خانه و اسباب خانه سوخت
افشاند دل، بکوی تو امشب سرشک گرم
شرمنده گشته ام که، رخ آستانه سوخت
معلوم فیض نشا، نه جرعهٔ حیات
سرجوش عمر ما، بخمار زمانه سوخت
جمع است احسنی! مکش آبی خمار اشک
دل تا لبت، ز آتش آه شبانه سوخت[۱]

اسحاق، ملا شیخ اسحاق بکھری

میرزا غازی کے یہ استاد تھے، ابتدائی زندگی بکھر میں سلطان محمود بکری کی ملازمت میں گزری، تحفۃ الکرام کے مؤلف کا قول ہے کہ :

— بوفور فضیلت متصف، از ملازمان سلطان محمود خان است و آخر معلم میرزا غازی وقاری .... شدہ [1]

قانع کا ماخذ تاریخ طاہری ہے جس میں ہے کہ :

— .... استاد خضر طبیعت آخوند مولانا اسحاق البکری الاصل، از ملازمان محمود خان بن فاضل کوکلتاش معلم میرزا بود [2]

لیکن میر معصوم، جو کہ ان کے ہم وطن، ہم سبق اور ساتھی تھے، نیز گجرات میں بھی ساتھ رہے تھے، سلطان محمود بکری کے متوسلین میں ان کا ذکر نہیں کرتے [3]

سلطان محمود بکری سے ان کا تعلق جو تھا وہ اس وقت ختم ہو چکا، جب کہ

---

[1] تحفۃ الکرام مطبوعہ ۲۲۸، نیز مقالات ۷۹

[2] تاریخ طاہری ص ۱۴۱

[3] رک: تاریخ میر معصوم ۲۳۷ - ۲۴۱

سلطان محمود نے ۹۸۲ھ میں انتقال کیا اور خود انھیں کی تحریک پر، اکبر کی طرف سے مغلوں کے دو سرداروں نے آکر بکھر پر قبضہ کیا اور سندھ کے اس حصّے کو مغل سلطنت کا جزو بنا دیا۔

شیخ اسحاق کے لیے اپنے سرپرست کے فوت ہو جانے کے بعد یقیناً مغلوں سے وابستہ ہو جانے کے سوا چارہ کار ہی کیا رہا ہوگا،

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بکھر سے نکلنے کے بعد گجرات چلے گئے، جہاں 'طبقات اکبری' کے مصنف خواجہ نظام الدین ہروی سے، جو کہ اس وقت صوبہ گجرات کے دیوان اور بخشی تھے، توسل پیدا کر لیا اور اس کے وکیل مطلق العنان بن گئے۔ شیخ فرید بکھری مصنف 'ذخیرۃ الخوانین' نے، جن کے شیخ تائے ہوتے تھے۔ اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے، پہلی مرتبہ میر معصوم بکھری کے گجرات پہنچنے اور خواجہ نظام الدین سے بذریعہ شیخ توسل پیدا کرنے کے سلسلے میں لکھا ہے کہ جب میر معصوم بکھری کو معاش کی تنگی نے پریشان کیا تو وہ گجرات پہنچے اور:

—..... میاں شیخ اسحاق فاروقی، طغائی مسوداین مجوعۂ شیخ فرید بکھری، وکیل مطلق العنان خواجہ نظام ہروی بود، وعزیمت میر (معصوم) بصوب گجرات محض از تقریب محبت شیخ اسحاق بود، کہ در سکھر یکجا بکسب علوم مشغولی داشتند شیخ اسحاق قدوم میمنت لزوم میرزا از جملہ مغتنمات دانستہ ملازمت صاحب صوبہ و دیوان کنانید، منصب تجویزی دہانید[1]

گویا شیخ اسحاق کا اثر صاحب صوبہ شہاب الدین احمد خاں نیشاپوری پر بھی تھا اور خواجہ نظام الدین کے تو وہ وکیل مطلق العنان تھے ہی۔

---

[1] ذخیرۃ الخوانین خطی ص ۱۲۱

شہاب الدین (متوفی ۹۹۹ھ) گجرات کا صوبہ دار سال (۹۸۵ھ) سے (۹۹۱ھ) تک تھا اور خواجہ نظام الدین بھی اسی زمانے میں دیوان تھے اور بعد میں اعتماد خاں کے دور میں بخشی بن کے گئے، گویا شیخ کا قیام نظام الدین ہروی (متوفی ۲۳ صفر ۱۰۰۳ھ) کے پورے دور (۹۱-۹۹۸) تک گجرات میں رہا۔[1]

میر معصوم اور شیخ اسحاق نے خواجہ نظام الدین کو ان کی تصنیف طبقات اکبری کے لکھنے میں بڑی مدد دی جیسا کہ شیخ فرید نے نظام الدین کے ذکر میں لکھا ہے کہ:

— میاں شیخ اسحاق بھری طغای حفیض راقم ایں مجموعہ
شیخ فرید بھکری، دیوان سرکار ایشان بود۔ مشارٌ الیہ
تاریخ نظامی را باتفاق میر معصوم بکھری و میاں شیخ اسحاق
نوعی ترتیب دادہ کہ امروز در تمام ہند مستند روزگار است۔[2]

خواجہ نظام الدین کو بادشاہ خاں نے (۹۹۸ھ) میں گجرات سے لاہور میں اپنے پاس بلالیا، قیاس ہے کہ اسی زمانے میں شیخ اسحاق بھی، پہلے لاہور اور بعد میں خواجہ سے دائمی رخصت لے کر اپنے وطن پہنچے ہوں گے، کیونکہ یہی زمانہ سندھ پر لشکر کشی کا تھا اور میر معصوم بھی گجرات سے لاہور اور پھر ۹۹۹ھ میں خان خاناں کی کمک میں اپنے وطن واپس پہنچے تھے۔[3]

جانی بیگ نے (۱۰۰۰ھ) میں شدید جنگ کے بعد مرزا عبدالرحیم خان خاناں سے صلح کرلی اور اکبری دربار میں پہنچنے کے بعد جب سندھ کا صوبہ بطور جاگیر کے مرزا ہی کے نام واگزار ہوا، تو اس نے اپنے امرا کو وطن واپس کیا، اور اپنے اکلوتے بیٹے مرزا غازی کی تعلیم و تربیت کی ان کو تاکید کی، اس دور میں (۱۰۰۲ھ) شیخ اسحاق

---

[1] دیکھئے میرا مضمون جام جم کراچی آبان ماہ ۱۳۴۶

[2] ذخیرہ خطی ص ۱۲۷۔ یہی مطالب مآثر الامرا کے مولف نے بھی لکھے ہیں، دیکھئے ج ۳ : ۳۲۷۔

[3] تاریخ معصومی ص ۲۵۱۔

بکری کا مرزا غازی کی معلمی پر تقرر ہوا اور مستقلاً تعلیم کا سلسلہ تو (۱۰۰۸ھ) تک جاری رہا ہوگا، کیونکہ اس سال باپ کے انتقال کے بعد مرزا غازی تخت پدری پر بیٹھنے کے بعد ملکی مسائل اور اپنوں کی دراندازیوں کو دور کرنے میں ایسے مصروف اور مشغول ہوئے کہ ان کو باقاعدگی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا ہوگا، لیکن قیاس ہے کہ جب معلمی پر مقرر ہو کر شیخ اسحاق بکھر سے ٹھٹھہ پہنچے تو میرزا غازی جیسے نیک دل انسان نے اپنے شفیق اور لائق استاد کو اپنے سے جدا نہیں کیا ہوگا۔

شیخ کے مشہور شاگردوں میں سے تاریخ طاہری کے مصنف میر طاہر نسیانی بھی تھے، انھوں نے لکھا ہے کہ مرزا غازی کے ہاں شعرا اور اہل علم کی خاص محفلوں میں اسے بار نہیں ملتا تھا حالانکہ وہ دربار کے قدیم اور موروثی متوسلین میں تھا، اس کی وجہ اس کی کم علمی تھی اور اسے اپنی اس بے مائگی کا بڑا صدمہ تھا۔ جب مرزا غازی کو جہانگیر نے ۱۰۱۵ھ میں قندھار کی مہم پر بھیجا تو طاہر کو فارسی میں اپنی قابلیت بڑھانے کا موقع ملا۔ فارسی عبارت یہ ہے:

—این خوشہ چین خرمن خردمندان، کہ از سائر الناس بود بموجب ناقابلی و بی استعدادی فضل ـ کہ جوہر گوہر انسانیت و اصالت است ـ باوجود نسبت قدامت در صحبت خاص آن اہل نواز (مرزا غازی) راہ نداشت، از فرط غیرت ندامت و پشیمانی پیشہ داشتہ در سنہ ہزار و چہاردہ (۱۰۱۴ھ) کہ وفات حضرت خاقان زمان عرش آشیان (اکبر) بود، تاریخ وفاتش در وقت نصف ز فوت شہ اکبر) یافتہ، پس بیست و پنج عمر خود کہ میرزا بدولت بہر کشایش قلعہ بندی قندہار..... عازم گشت،

مرخص گردیدہ بہ بلدہ ٹھٹہ کہ وطن اصلی است، رسیدہ
از اشغال دیگر پرداختہ۔ بخواندن مشغول گشت [1]

گویا میر طاہر سندھ سے میرزا غازی کے ساتھ اکبری (اور جہانگیری) دربار میں گیا تھا، عبارت بالا میں۔ صحبت خاص آن اہل نواز۔ سے ظاہر ہے کہ جب تک میرزا وہاں رہے اس وقت بھی شعرا اور اہل علم سے ان کی صحبتیں اور مجلسیں جاری تھیں، جب وہ قندھار کی مہم پر روانہ ہوئے تو میر طاہر ان سے مرخص ہو کر ٹھٹہ آیا اور دیگر علائق زمانہ کو ترک کر کے تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ مرزا غازی کی تعلیم کے زمانے سے شیخ اسحاق بکھری، طاہر نسیانی کو محل کے معمولی متوسل کی حیثیت سے جانتا پہچانتا ہوگا، اسی تعارف کی بنا پر اس نے شیخ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا چنانچہ اس نے ملا اسحاق بکھری سے سعدی کی تصنیفات، مثنوی مولانا روم اور کلام جامی پڑھنے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ تھوڑے عرصے کے اندر نظم و نثر پر عبور حاصل کر لیا، اپنے استاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

— در اندک، عبور منظوم و منثور از عنایت لانہایت
رب السماوات والارض و توجہ موجہ استاد کامل طبیعت
موزون داشت درخدمت استاد خضر طبیعت اخوند
مولانا اسحاق بکھری الاصل خواندن گرفت۔ چوں اخوند
صاحب دل، صوفی المذہب را در کلام عندلیب بوستان
بی خار شیراز حضرت شیخ المشائخ، شیخ سعدی شیرازی و
مولانای متبحر، مولوی معنوی، ممدوح موالی و اہالی جامی

---

[1] تاریخ طاہری ص ۱۳

قدس سرہ، وقوف تمام بود، بنا برآں وارث کلام شریف
الیشاں -میخواندند- باندک عبور شعر از حضور آن منبع
فضائل و مصدر نوادر توجہ موجہ آن معلم معروف بہر
صفت، کہ در تحریر و تقریر گنجائش ندارد، موصوف
شاعری گردیدہ [1]

اس سے ظاہر ہے کہ جب میرزا غازی ۱۰۱۳ھ میں سندھ سے اکبری دربار میں روانہ ہوئے تو شیخ کو ٹھٹہ چھوڑا اور میرزا کے قندھار کی مہم پر روانہ ہو جانے کے بعد طاہر واپس ٹھٹہ پہنچے تو شیخ ٹھٹہ میں ہی مقیم تھے، جہاں میر طاہر نے ان سے سعدی، مولانا روم اور جامی کی کتابیں پڑھیں اور شاعری میں بھی دسترس حاصل کی۔

میر معصوم (۹۴۴ھ) میں پیدا ہوئے، شیخ چونکہ ان کے ہم سبق تھے اس لیے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ نے بھی اس کے لگ بھگ دنیا میں آنکھیں کھولی ہوں گی، اس حساب سے ۱۰۱۵ - ۱۰۱۶ھ میں ان کی عمر ۷۲ سال کی ہونی چاہیے، اور ظاہر ہے کہ میر معصوم نے ۱۰۱۵ھ میں انتقال کیا اور شیخ کا انتقال دو تین سال بعد ہوا ہوگا، اور شاید وہیں ٹھٹہ ہی میں دفن بھی ہوئے ہوں گے۔

ملا اسحاق جید عالم اور مورخ ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ مقالات الشعرا میں افسوس ہے کہ ان کا صرف ایک شعر درج ہے:

میتپد دل در برم، در شوق تو
میگزارد خانہ را از ذوق تو [2]

[1] طاہری مطبوعہ ص ۱۴
[2] مقالات ص ۷۹

اسدؔ، ملّا اسد قصّہ خوان

میرزا غازی کے ساتھ ملا اسد قصہ خوان کا تذکرہ مرشد بروجردی کے ضمن میں پہلے عبدالباقی نہاوندی نے مآثر رحیمی[۱] میں، اور اس کے بعد ملا عبدالنبی نے میخانہ[۲] میں کیا ہے۔ جداگانہ عنوان کے تحت تقی اوحدی نے اپنے تذکرے میں ان کا حال یوں لکھا ہے:

— شکرریز گوہر فشان، سخن سنج خوش بیان، ..... مولانا اسد بن مولانا حیدر قصہ خوان۔ بغایت خوش فہم، متتبع صوفی طبیعت واقع است۔

مولانا اسد کے والد کا نام مولانا حیدر تھا۔ ان کا پیشہ بھی قصہ خوانی تھا، خود مولانا اسد اپنی شیریں گفتاری، خوش بیانی اور انداز فہم کے لحاظ سے لاجواب تھے، مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے صوفی باصفا تھے، ان کے چچا فتحی بیگ کے لئے لکھا ہے کہ شہنامہ خوانی میں مشاہیر روزگار اور نوادر عصر میں سے تھے۔ مولانا حیدر بھی اسی طرح تھے، یعنی دونوں بھائی صوفی منش اور علم میں طاق تھے، ایک قصّہ خوانی کرتے تھے تو ایک شاہنامہ کی ملی داستانیں سنا سنا کر لوگوں کے دلوں کو گرمایا کرتے

۱؎ رحیمی ۳: ۷۸۱ - ۷۸۸ -

۲؎ میخانہ طبع گلچیں ۲۹۳ - ۴۵۶/۵۹۸ - ۶۰۴ -

ہوں گے۔ تقی اوحدی نے اسد کے لئے لکھا ہے کہ اگر یہ اپنے باپ اور چچا سے بڑھ کر نہیں تھے تو کسی حالت میں ان سے کم بھی نہیں تھے:

— و وی نیز در تصوف و تتبعات سخن، و طرز، و روش صحبت، و آداب دانی، و شیوۂ آدمیت، و رشد، زیادہ از ایشان نباشد، کم نیست —

یہ خاندان شیرازی تھا، اور تقی نے اسد قصہ خوان کو وہیں شیراز میں دیکھا تھا، لکھتے ہیں

— مدتہا اورا در شیراز بدایت حال میدیدیم —

اس کے بعد سندھ کی طرف آنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

— چوں سفر ہند عازم شد و بہ تتہ رسید، میرزا غازی کہ ہنوز در مرتبہ طفولیت بود، با او گرمی بسیار کرد واز اثر خصوصیت او ترقی عظیم در طبع و روش آن میرزای سعید شہید بہم رسید، و وی را از و انتفاع بسیاری بود، و بعد از شہادت وی ہمچنان در تتہ بود —

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایران کے دوسرے شعرا کی طرح ملا اسد بھی ایران کی اس عہد کی مذہبی تنگ دلی اور اس سے پیدا شدہ بے قدری اور تنگی معاش سے بیزار ہو کر، دربار اکبری کی طرف آتے ہوئے، چونکہ ٹھٹھ راہ میں پڑتا تھا، آ کر رکے اور وہیں میرزا غازی نے — جو کہ ابھی واقعی عہد طفولیت کے حدود سے نہیں نکلے تھے، لیکن شعروادب کا ذوق اور ان فنون لطیفہ کی سرپرستی کا ذوق جواں سال امیرزادوں سے بھی زیادہ ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، ان کو ہند کی صعوبت سے بچا کر اچک لیا۔ ویسے بھی قصہ خوانی ایک ایسے امیرزادے کے — جو کہ ابھی عہد طفولیت کی حدیں پار نہ کر چکا ہو۔ ذوق کی چیز تھی، اندازہ یہ ہے کہ ملا اسد (۱۰۰۳ھ) اور (۱۰۱۰ھ) کے درمیان کسی سال سندھ وارد ہوئے ہوں گے، جب کہ میرزا غازی باپ کی جگہ پر متمکن تھے۔ اور ابھی اکبری دربار میں نہیں پہنچے تھے۔

ترخان نامہ کے مصنف نے مرزا غازی کی سوانح شروع کرتے ہی ملا اسد قصہ خوان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

- درین اثنا جمعی از شعراء ملا اسد و ملا رشید وغیرہ در لباس فقرا از ولایت ایران آمدند، ملا اسد وجیہہ و قصہ خوان و فصیح بود۔ مرزا از صحبت ایشاں محظوظ گردید وہمہ را بمنصب و جاگیر سرفراز ساختہ۔ ملا اسد را بمعلمین خود ممتاز گردانید[۱]

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ ملا اسد برے حالوں ٹھٹھہ پہنچے تھے۔ ظاہری صورت احوال گداگروں کی سی تھی لیکن صورت و شکل کے وجیہہ اور فصیح تھے۔ مرزا نے ان کو اپنی مصاحبت میں لے لیا، جاگیر دی، اور ابتدا میں اپنی معلمی پر سرفراز کیا۔ تاریخ طاہری سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا اسد اور ملا رشید دونوں ایران سے بندر لاہوری پر اترے تھے اور وہاں سے ٹھٹھہ پہنچے۔[۲]

ملا مرشد بروجردی کو بھی اسی دور کے اندر[۳] ملا اسد نے تحریک کرکے مرزا کے دربار میں شیراز سے بلا لیا تھا،[۴] اور مرزا کے کہنے پر اسد نے ذاتی خط بھی ان کو لکھا

---

[۱] ترخان نامہ چاپ راقم ص۸۹

[۲] تاریخ طاہری ص۲۲۴

[۳] مولانا شفیع نے لکھا ہے کہ مرشد غالباً ۱۰۱۲ھ میں ہمدان سے تتہ پہنچا، دیوان مرشد میں دو قطعے ہیں جن سے یہی سن برآمد ہوتا ہے، ایک میں شیراز کا واقعہ ہے اور دوسرے قطعے میں سندھ کا، اس کے متعلق بحث اور قطعے مرشد کے حالات میں دیکھیے۔

[۴] طاہری میں ہے: ملا عبدالرشید قصہ خواں کی وساطت سے مرشد شیراز سے مرزا غازی کے پاس پہنچے تھے، یہی سبب ہوا کہ میں نے مقالات الشعرا کے حواشی میں - آں اسد بیشۂ فصاحت اور عبارت کا سیاق و سباق دیکھ کر اسد قصہ خواں اور ملا عبدالرشید قصہ خواں کو ایک ہی شخصیت لکھا ہے۔ مقالات ص ۸۲۹ - مزید ملا عبدالرشید کے تحت دیکھا جائے۔ میں شکرگزار ہوں کہ آقای گلچین معانی نے میرے اس نظریے پر میخانے میں حاشیہ لکھ کر معاملے کو صاف کر دیا۔ ص ۵۹۸۔

جس کا ذکر صاحب میخانہ نے ان الفاظ میں کیا ہے :

- فصاحت شعار بلاغت آثار مولانا اسد قصہ خوان۔ کہ یکی از مقربان مربی ہنرمندان میرزا غازی ترخان بود۔ حقیقت اہلیت و قابلیت سخنور بروجرد بعرض میرزای مذکور رسانید، آں قدردان نکتہ سنجان از روی خواہش تمام مرشد را طلب فرمود۔ مولانا اسد نیز حسب الحکم خداوند خویش کتابت بترغیب آمدن ارسال داشت۔ ہنگامیکہ آن مکتوب محبت اسلوب بہ او رسید، بجہت برآمدن مولوی از شیراز بعض امور دست دادہ بود۔ کہ تحریر آن مناسبتی بسیاق این تسویہ ندارد۔ چون استمالت نامۂ برگزیدہ سندیان رسید، باعث از دیاد تحریک خروج او شد، یکبارگی دل ازاں معمورۂ دلکشا کندہ از راہ ہرمزیہ تتہ رسید، وقصیدہ درمدح انتخاب دودمان ترخانیان گفتہ بر سبیل رہ آورد گزرانید[1]

ملا مرشد بروجردی کو شیراز ترک کرنے میں کئی ایک خانگی دشواریاں تھیں، جن کا بیان مولف میخانہ نے غیر ضروری سمجھا ہے، لیکن اسد کے خط کے بعد جب میرزا غازی کا، استمالت نامہ پہنچا تو پھر نہ آب رکنا باد، نہ گلگشت مصلا، نہ دروازۂ اللہ اکبر اور نہ گل و بلبل گے اس شہر کی وضع بے مثال[2]، مرشد کے دامن کو روک سکی، مشکلات کی

---

[1] میخانہ طبع گلچیں ص ۵۹۸۔

[2] شیراز پر مرشد نے بہت سے شعر کہے ہیں جن کو ان کے سوانح میں دیکھنا چاہیے۔

تمام زنجیریں توڑ کر ہرمز کے راستے سے ٹھٹھ پہنچ کر دم لیا۔

رہ آورد کے طور پر جو قصیدہ لکھ لائے تھے اس میں ملا اسد کے خط کا حوالہ دیتے ہوئے یہ اشعار لکھے ہیں :

سپہر مرتبتا! چاکرت اسد، کہ مرا	برادر است، وجہاں را بیادگار، ظہیر
زمیل خاطر عاطر، کہ ہست وباقی بادا!	بسوی اہل ہنر، خاصہ این فقیر حقیر
نوشتہ بود حدیثی، کہ شہر حب وطن	شد از تصور آن تلخ، در مذاق فقیر
چو نامہ خواندہ، شد از شوق کعبۂ کو یت	کہ ہیچ کس ننماید رہش مگر تقدیر
رہے بہ پیش گرفتم کہ پیک باد، درو	بود چو نور بصر در جبال مہر منیر
رہی چنان کہ بمری ز دور لیش، حرفی	نمیرسد لبر خامہ از بنان دبیر
ہزار شکر کہ از سجدۂ در ـت بختم	نہاد پایۂ کرسی بدوش چرخ اثیر
نثار بزم تو عقد جواہر آوردم	برسم طبع ز دریای طبع وکان ضمیر[1]

اسد اور مرشد دونوں کو میرزا غازی ترخان (۱۰۱۳ھ) میں ہندوستان ساتھ لیتے گئے یا بعد میں ۱۰۱۵ھ یا ۱۰۱۷ھ میں قندھار[2] پر جب ان کا تقرر ہوا تو وہ ساتھ گئے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن اسد کا اور ان کے دوست مرشد کا ساتھ میرزا غازی سے برابر ان کی شہادت تک رہا۔ ان کے وفات پا جانے کے بعد جب قندھار کی وہ دلچسپ اور رنگین محفل اجڑی اور اس کے باغ و بہار پر غیر متوقع طور پہ اچانک اور یک لخت خزاں آئی، تو اس محفل باغ بہار کے یہ تمام پھول پتے اِدھر اُدھر بکھر گئے،

---

[1] بقیہ قصیدہ ملا مرشد کے حالات میں دیکھیے۔

[2] مولانا شفیع نے مرشد کے سلسلے میں لکھا ہے : ان کو ۱۰۱۶ھ میں اپنے ہمراہ میرزا غازی قندھار لے گیا، میخانہ طبع محمد شفیع ۱۳۴۱ بحوالہ خوشگو (ایتھے ۲۳۰ ص ۵۰۴)

ملا اسد بقول تقی اوحدی بعد از شہادت بھی کچھ وقت ٹھٹھ میں رہے ، اس کے بعد غالباً (۱۰۲۵ھ) کے لگ بھگ وہ جہانگیر کے پاس پہنچ گئے ۔ جہاں انھیں حفیظ خاں کے لقب سے نوازا گیا ۔ تقی نے لکھا ہے کہ :

۔ الحال در اردوی جہانگیر بود بہ حفیظ خاں ملقب
و در ۱۰۲۷ھ کہ آں شہریار از گجرات بہ آگرہ برگردیدوی
درراہ بگذشت [1]

ملا مرشد بروجردی نے اپنے عزیز دوست بلکہ بقول خود اپنے اس « برادر » کی وفات پر مندرجہ ذیل تاریخی قطعہ کہا ہے :

دریغا دریغا کہ محفوظ خاں رفت — اسد آں جہان ہنر ، از جہان رفت
ز ویرانۂ تن ، اگر مرد راہی ! — بروں آ کہ ، سر حلقۂ کاروان رفت
ز ہمراہیش باز ماندن خطا بود — ولیکن باین تا کجا میتوان رفت
زبان ؟ کو سخن چیست ؟ کز رفتن او — سخن از زبان و زبان از دہان رفت
ز ہجرش چنان باغ و بی رنگ و بو شد — کہ بوی ز گل رنگ از ارغوان رفت
بماندیم چنداں کہ ، دیدیم مرگش — ازیں سود برما ، زیان بر زیان رفت
غمش کرد دل را بزخمی نوازشش — کہ چاکش بدامان آخر زمان رفت
غبارش مخوانی کہ از صحبت او — زمین بسکہ مالید بر آسمان رفت

اسد رفت و تاریخ فوتش ز مرشد
طلب کرد دل ، گفت : اسد رائگان رفت [2]
۱۰۲۷ھ

---

[1] میخانہ طبع گلچیں ۵۹۹ ـ ۶۰۰ ـ [2] دیوان میں (الف ۱۲۹) آخری شعر (و) کے ساتھ یعنی : طلب کرد و دل گفت : اسد رائگاں رفت ۔ لیکن گلچیں معانی نے (و) کو کاتب کی غلطی سمجھا ہے ۔ ص ۶۰۰ ۔

مولانا شفیع نے اس قطعے میں ثبت شدہ "محفوظ خاں" کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کو محفوظ خان کا خطاب ملا تھا[1]، لیکن تقی اوحدی جو کہ معاصر تھا اس کا قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ لقب "محفوظ خان" نہیں بلکہ "حفیظ خان" ہے اور یہ جہانگیر کا دیا ہوا ہے[2]

مولانا نے اس قطعے سے سال (۱۰۲۶ھ[3]) اخذ کیا ہے، جو غلط ہے۔

فقط قصہ خوانی اسد کا پیشہ نہیں تھا، بلکہ شاعری میں بھی اس کا حصہ ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کے اشعار ہمیں نہیں مل سکے۔ تقی اوحدی کے تذکرے "عرفات العاشقین" سے آقای گلچین معانی کے ذریعے یہ اشعار ہاتھ لگے ہیں:

آن دل کہ، سودا و ہمگی، در زیان اوست
جنس کساد مہر و وفا، در دکان اوست
نازک دل مرا، کہ بزلف تو خو گرفت
زنہار نشکنی، کہ غمت درمیان اوست
برگردن وجود، از و طوق آتشست
عین عدم، کہ حلقۂ میم دہان اوست[4]

یہ شعر صبح گلشن میں ہے:

دیروز ز اسد، جامۂ ہجران تو، زد چاک
امروز غم مرد، ہمان جامہ کفن شد[5]

---

[1] تعلیقات میخانہ ۵۶ [2] ہر کہ صبح گلشن ص ۲۳ قطعہ میں چونکہ محفوظ خاں نہیں آسکتا تھا اس لئے مرشد نے حفیظ خاں نظم کیا۔ [3] علی حسن خاں نے صبح گلشن میں اسد کا حال (ص ۲۳) میں بیان کیا ہے، لیکن غلطیوں کے ساتھ سالِ وفات بھی غلط دیا ہے یعنی سال ۱۰۴۸ھ ص ۲۳۔ [4] میخانہ طبع گلچیں ص ۷۰۰۔ [5] صبح گلشن ص ۲۳۔

الٰہی، میر عماد الدین محمود اسد آبادی

اسد آباد ہمدان اور کرمان شاہ کے درمیان وہ قصبہ ہے، جہاں کے سید جمال الدین افغانی تھے۔[1] قصبہ بڑا خوبصورت دماوند پہاڑ کے دامن میں ہے۔

میر الٰہی اسد آبادی وہیں کے تھے، ہمدانی بھی لکھا گیا ہے کیونکہ اسد آباد ہمدان ہی کے توابع کا قصبہ ہے، عماد الدین محمود نام اور الٰہی تخلص تھا۔

میرزا غازی کے زمرۂ شعرا میں ہونے کا ذکر ملا عبد الباقی نہاوندی نے مرشد خاں بروجردی کے ضمن میں[2] سرسری طور پر کیا ہے، لیکن کسی اور صاحب تذکرہ نے اس بات کا نہ خاص طور پر ذکر کیا ہے اور نہ تفصیل دی ہے۔ عبد الباقی نے یوں لکھا ہے:

> ۔ و در ایام سلطنت قندھار میرزا (غازی)..... اکثری
> از مستعدان ایران مثل.... میر الٰہی اسد آبادی و دیگر مستعدان
> ایران بشرف ملازمت آن بختیار رسیدند[3]

میں نے ان تمام تذکروں سے جو دسترس میں تھے، ان کے حالات تذکرۂ کشمیر

---

[1] اس قصبے کو خاکسار نے سال گزشتہ (۱۹۶۸ء) ۲۲ مئی کے روز کرمان شاہ جاتے ہوئے دیکھا اور سید جمال الدین افغانی کے عزیزوں سے ملاقات کی، ان کا مکان دیکھا اور آبا و اجداد کی قبروں کی تصویریں لیں۔ [2] مآثر رحیمی، ۳: ۷۸۱ [3] مآثر رحیمی، ۳: ۷۸۳۔

کی جلد اول میں (۱۱۲-۱۲۷) دیئے ہیں، خلاصہ یہ ہے: ریاض الشعرا و مجمع النفائس' نے ان کا نام میر عماد الدین محمود[1] پسر میر حجت اللہ اسد آبادی[2] لکھا ہے لیکن 'سخن سرایان ہمدان'، کے مولف نے میر عماد الدین فرزند محمود بن حجت اللہ لکھا ہے۔

ہند میں وارد ہونے کا سال 'مجمع النفائس' نے (۱۰۲۰ھ) لکھا ہے اور سخن 'سرایان ہمدان' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

— در اواخر سلطنت اکبر شاہ یعنی بسال ۱۰۰۹ ہجری
بہندوستان مہاجرت کرد[3]

لیکن صحیح سال وہی معلوم ہوتا ہے جو 'مجمع النفائس' نے دیا ہے، اور ہندوستان آتے ہوئے میرزا غازی سے سال سوا سال صحبت رہی ہوگی۔

ایران میں جب تک تھے تو ایک عرصہ اصفہان میں بھی بسر کیا، ملا شکوہی ہمدانی، تقی اوحدی، آقای رضی، ذوقی[4] اردستانی اور حکیم شفائی ان کے دوستوں میں سے تھے، ہندوستان میں جب آئے تو پہلے بقول شاہجہاں نامہ: حکیم حاذق بن حکیم ہمام گیلانی سے۔ جو اس وقت بخارا کی حجابت سے واپس ہو کر کابل ٹھہرے ہوئے تھے جھڑپ ہوگئی، حکیم، مغرور اور بڑے ٹھاٹھ کے آدمی تھے۔ کچھ زیادہ گفتگو نہ ہوئی اور صحبت میں زیادہ تر خاموشی رہی، میر الٰہی نے جل کر کہا:

دائم ز ادب، سنگ سبو، نتوان شد | در دیدۂ اختلاط، مو نتوان شد
صحبت بحکیم حاذق از حکمت نیست | بالشکر خبط رو برو نتوان شد[5]

---

[1] تذکرہ کشمیر ۱۱۹ بحوالہ مجمع النفائس استوری نے حجتہ الدین نام لکھا ہے۔

[2] والہ داغستانی اور صاحب عرفات نے سعد آبادی لکھا ہے اور ان کی تقلید میں صاحب مجمع النفائس نے بھی انھیں سعد آبادی لکھا ہے جو غلط ہے۔

[3] تذکرہ کشمیر، ۱: ۱۲۴ - [4] اصفہان میں ذوقی کی میر نے ہجو کہی ہے، تذکرہ کشمیر ۱: ۱۲۱-

[5] تذکرۂ کشمیر ۱: ۱۱۳ -

اس کے بعد شیدا فتح پوری جو بڑا ہجو گو اور کسی کو معاف کرنے والا نہیں تھا، اس سے بھی جھڑپ رہی، شیدا نے کہا:

زین رطب ویابسی کہ بود در کلام تو گر، منکر کلام الٰہی شوم، بجاست

میرؔ نے کہا:

شیداؔ بردانا بحذر میآید در مجمع ابلہان بسر میآید
سازند اگر زاستخوانش بجلی ہر بار کہ افگنند خر میآید

مرزا غازی کی وفات کے بعد میر الٰہی نے ہندوستان آکر مختلف امرا سے وابستگی پیدا کی، آخر شاہجہاں کے دربار میں بار پایا، ظفر خاں احسن کو جب بادشاہ کشمیر کی صوبے داری پر بھیج رہا تھا، تو مقامی لوگوں سے اچھا سلوک کرنے کی ضمانت مانگی، میر موجود تھے، انھوں نے فی البدیہ یہ کہا:

خدا ضامن، رسول، وچار یارش

بادشاہ کو یہ بات پسند آئی، اور ظفر خاں جیسے علم پرور امیر کو بھی یہ بات بھا گئی، بادشاہ سے عرض کر کے الٰہی کو اپنے ساتھ کشمیر لے گئے، اور پھر میر الٰہی نے کشمیر ہی میں بقیہ زندگی گزار دی، انھوں نے (۱۰۵۰ھ) میں کشمیر میں نوشہرے کے جنوب میں باغ الٰہی۔ کے نام سے ایک باغ بنوایا، جو بڑا مشہور تھا اور ظفر خاں کے علاوہ کئی اور شعرا نے بھی اس باغ کی تعریف کی ہے، ظفر خاں نے تعریف میں بہت سے شعر کہے ہیں، یہ شعر بھی لکھا ہے:-

یکی از باغہا۔ باغ الٰہی۔ است کہ رضوان را ز رشکش چہرہ کاہی است
دران گلشن یکی کہنہ چنار[1] است ز نخل طور، گوئی یادگار است

یہ باغ اس چنار کی وجہ سے۔ باغ چنار۔ کے نام سے بھی مشہور ہے، کسی شاعر نے یوں تاریخ نکالی ہے:-

---

[1] پنڈت آنند کول نے لکھا ہے کہ یہ چنار ابھی تک (۱۹۳۳ء) موجود ہے اور ۴۸ فٹ اس کا دور ہے۔

گریباں میکشد خواہی نخواہی　　بسوی خود، مرا - باغ الہٰی

فلک آشفتہ بود از بہر سالش　　ملک گفتا: بگو - باغ الالٰہی

۱۰۵۰ھ

الہٰی نے وہیں کشمیر میں وفات پائی، تاریخ اعظمی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

- میر الہٰی در احاطۂ مقبرہ حضرت شیخ بہاء الدین جانب غرب مقبرۂ الیشان مدفن یافتہ وسنگی بر بالین قبرش ایستادہ است کہ این کتبہ دارد:

میر الہٰی ملکِ مُلکِ نظم
بود در اقلیم سخن بی قرین
سال وفاتش طلبیدم زعقل
گفت: بگو، بود سخن آفرین

۱۰۶۳ھ

"سرو آزاد" اور "تاریخ اعظمی" کے بقول غنی کاشمیری نے جو تاریخ لکھی ہے اس سے سال (۱۰۶۴ھ) برآمد ہوتا ہے:

بُرد الہٰی، زجہاں گوئ سخن[1]

۱۰۶۴ھ

مرحوم محمد الدین فوق نے جب خود جاکر شیخ بہاء الدین کا مقبرہ دیکھا تو وہاں میر الہٰی کی قبر کا کوئی نشان نہیں تھا، فقط ٹوٹا ہوا کتبہ سنگی ایک گوشے میں پڑا ہوا تھا جس پر

---

[1] سرو آزاد ۸۵، تاریخ اعظمی ۱۵۳، نتائج الافکار اور شمع انجمن میں بھی یہی سال (۱۰۶۴) ہے۔

میر الہٰی کے اشعار کندہ تھے، لیکن الہٰی کا نام نہیں تھا[1]۔

ان کی شاعری اور اشعار کی تمام تذکرہ نویسوں نے تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ شاعر نازک مزاج اور خوش خیال تھے، درستی مضمون، زبردستی زبان اور تازگی خیال بھی حاصل تھی، نزاکت استعارہ اور تازہ گوئی میں کامل تھے اور ساتھ ہی خوش خلق اور درویش مزاج بھی تھے 'مجمع النفائس' میں ہے کہ: طغرای مشہدی نے

---

[1] تذکرہ شعرائے کشمیر ۱۲۶ میر علی شیر قانع نے ایک الہٰی شیرازی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"آمدن وی (درتتہ) از دیوان شہرتی دریں سرزمیں متحقق شدہ"

اور غزل لکھی جس کے یہ دو شعر ہیں

ای راز غمت فسانۂ دل — وقف الم تو خانۂ دل

تا سوز تو در دلست آید — دوزخ بطواف خانۂ دل (مقالات ص۱۰۰)

یہ وہی الہٰی شیرازی ہیں جن کے لئے اسپرنگر نے 'ہمیشہ بہار' کے حوالے سے میر الہٰی کے تحت میر صدرالدین محمد علی کے نام سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے باپ حکیم محمد شیرازی تھے جو اصل باشندے ہمدان کے تھے اور وہ (۱۰۱۰ھ) میں ہندوستان آئے اور حکمت کی وجہ سے شاہی دربار میں بہت آبرو پائی اور 'مسیح' لقب حاصل کیا۔

'سفینۂ خوشگو' اور 'ہمیشہ بہار' میں الہٰی اسد آبادی ہمدانی کے تحت 'حکیم صدرالدین بن علی بن محمد شیرازی مخاطب بہ مسیح الزماں و متخلص بہ الہٰی کا احوال لکھ دیا ہے، حالانکہ یہ دوسرا شاعر ہے جو میر الہٰی ہمدانی کا معاصر تھا اور اس کا ممدوح تھا۔ (مکتوب آقائی گلچیں معانی) نیز دیکھئے سفینہ خوشگو نسخہ سبہ سالار (شمارہ ۲۷۲۴) تذکرۂ نصر آبادی میں بھی (ص۶۱) حکیم ضیاء الدین (صدرالدین) کا ذکر ہے جو کاشانی تھے اور دربار جہانگیر میں پہنچ کر 'مسیح الزماں' کا خطاب حاصل کیا۔ میر الہٰی کے اشعار ان کی مدح میں انتخاب کے اندر دیکھئے۔

کسی معاصر شاعر کو ہجو کیے بغیر نہیں چھوڑا، لیکن میر الٰہی کا اپنے رسالے میں جب حال لکھا ہے تو بڑے ادب اور احترام سے[1]۔

تقیؔ اوحدی میر الٰہی کا معاصر تھا، اس نے 'عرفات' میں ان کا تذکرہ کیا ہے چونکہ یہ تذکرہ نادر ہے، اس لیے اس کی پوری عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے:

- مجموعہ کمال ہمہ دانی، میر الٰہی ہمدانی، نام وی میر عماد الدین محمود بن میر حجۃ اللہ سعد آبادی است۔ و سعد آباد از توابع ہمدان است۔ ووی مدتی در شیراز[2] بکسب کمال اشتغال داشت۔ ازانجا بہ عراق آمدہ، یکدو سال در صفاہان مکث نمود۔ و در سنہ ہزار و بیست و یک (۱۰۲۱ھ) بہ ہند آمدہ بصحبت وی در آگرہ رسیدیم۔ الحق جوانیست در غایت دقت طبع و ادراک عالی، بکمال شوخی فطرت و صفائی خاطر دارد۔ آب

---

۱ دیکھیے تذکرہ شعرائے کشمیر ص۱۲ اور یہ حال دیکھیے تذکرۂ شعرائے کشمیر (۲: ۷۶۷) میں۔

۲ اسپرنگر نے 'گنج الٰہی' سے ثابت کیا ہے کہ میر الٰہی ۱۰۱۵ھ میں اصفہان گئے اور ۳ سال وہاں رہے اور ۱۰۱۵ھ میں شیراز گئے اسٹوری نے شیراز جانے کا سال ۱۰۱۰ھ لکھا ہے اور کہا ہے کہ اسپرنگر کے اس اشتباہ کو PER TSEH فہرست نگار نے اپنی فہرست میں دور کر دیا ہے، (۱: ۸۱۵) اسپرنگر نے، الٰہی شیراز (حکیم صدر الدین) اور الٰہی ہمدانی کو ایک سمجھ لیا ہے (ص۲۶) لیکن دوسری جگہ دیوان الٰہی کے تحت اس اشتباہ کو دور کر دیا ہے (ص۳۶۴)

نغمش در نہایت عذوبت ، ابر فکرتش در غایت رطوبت
بر ہر گونہ سخن قدرتی تمامش ہست ، اگر توفیق مشق یابد
شاعری بغایت خوب خواہد شد ، تا غایت دو ہزار بیت
گفتہ ، ادراک درست رسای دارد و سخن نیز خوب میرسد
و در صفاہان ذوقی اردستانی را اہاجی بسیار ، بر نحوی کہ
سنت شعرای عصر است ، گفتہ است ، والحال (۱۰۲۲-۱۰۲۴)
در ملازمت مہابت خان میباشد ..... (اشعار ۱۰۶ بیت)
..... وقتی در آگرہ باہم بودیم ، وی ہم در آن حوالی بود ،
شعری چند تازہ گفتہ نزد مخلص فرستاد و بجہت مخلص خود
این رباعی ہم گفتہ داخل آنہا فرستادہ ، بندہ ہم جواب
کردہ فرستادم [1]

میر الٰہی نے دو کتابیں تیار کیں ایک تذکرہ اور ایک دیوان :

۱- تذکرہ - خزینہ گنج الٰہی - کے نام سے (۱۰۴۲ - ۱۰۵۲ھ) لکھا ، جس کے چار سو شعرا کی فہرست اسپرنگر[3] نے صفحہ ۶۷ سے ۸۷ تک دی ہے - اس کا ایک نسخہ برلین میں ہے اور غالباً یہ وہی مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ہے جو شاہان اودھ کی ملک تھا اور

---

[1] آگے انتخاب میں دیکھیے -

[2] عرفات ورق ۱۲۲ - ۱۲۳ ارسال کردہ آقای گلچیں معانی -

[3] شعرائے قرن نہم و دہم اور کچھ شعرا قرن ہشتم کے بھی ہیں حروف تہجی کے تحت ابن یمین سے ہمایوں بادشاہ تک شعرا موجود ہیں اس کے بعد یہ تذکرہ کامل نہ ہو سکا - اس تذکرے میں مؤلف نے دولت شاہ ، مجالس النفائس ، مذکر احباب ، مقالۃ الابرار ، مجالس عبد القادر ، تحفہ سامی ، جواہر العجائب اور عرفات العاشقین کو ماخذ بنایا ہے لیکن زیادہ تر انحصار مذکر احباب اور تقی اوحدی پر ہے -

بعد میں اسپرنگر نے برلن میں پہنچایا۔ وہاں نمبر (۶۴۶) پر موجود ہے۔

۲۔ میر الٰہی نے دیوان مرتب کیا تھا جو بقول صاحب 'شمع انجمن' پانچ ہزار اشعار پر مشتمل تھا اور بقول 'سخن سرایان ہمدان' یہ دیوان ہندوستان میں خاص طور پر مشہور رہا[۱]۔

راقم نے میر الٰہی کے اشعار تمام تذکروں سے انتخاب کرکے 'تذکرۂ شعرای کشمیر' میں دے دیئے ہیں۔ افسوس ہے کہ دیوان دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے میرزا غازی کے سلسلے میں کہا ہوا ان کا کوئی قصیدہ یا شعر نہیں مل سکا، عرفات نے ان کے جو اشعار نموتاً دیئے ہیں وہ اس لئے یہاں درج کئے جاتے ہیں کہ تقی اوحدی کا یہ تذکرہ نادر ہونے کی وجہ سے خواص تک کی رسائی سے باہر ہے:

صفحۂ سینہ ام بود محضر (عشق) نو خطان
صورت زخمہا بر و ہست خط گواہیم

زبس گز دیدۂ من دیدہ ہا را اشک غم گیرد
بمن گر چشم عینک بنگرد، از گریہ نم گیرد

شب کہ نم در جگر و دیدۂ بیخواب نبود
اشک را نیز فشردیم، درو آب نبود

رخسار تو آب، در رخ گل نگذاشت
زلف تو شکن بجعد سنبل نگذاشت

تا ہمچو بہار، از گلستان رفتی
گل نوبت فریاد بہ بلبل نگذاشت

خاطر بلبل بگل شاد است، لیکن پیش من
داغہا بر روی ہم چون برگ گل چیدن نوشت

تا نسوزد ہمہ را دلبر ما، ننشیند
شعلہ چون تند شود زود زپا ننشیند

نگہم گوشہ نشین خم ابروی کسی است
کہ عرق بر رخش از پاس حیا ننشیند

سر سبز گشت خوبیت، از نو بہار خط
سیراب حسن شد رخت از جویبار خط

---

[۱] دیوان کے دو نسخے موجود ہیں:

(۱) برٹش میوزیم مورخہ ۱۰۴۲ھ شمارہ ۲۵،۳۳۰ Add

(۲) نسخہ اودھ مورخہ ۱۰۵۲ھ جو اسپرنگر کے ذریعے برلن میں پہنچا (فہرست اسپرنگر ص ۲۳۵)

باشد شرارهٔ شبنم روی گیاه ما　　خاکستریست شعلهٔ دوزخ ز آه ما
فتح گروه معرکه تیغ شهادتست　　زخمست حرز بازوی مرد سپاه ما

چشمی بدور چشم تو، بدنام خواب نیست　　وز حیرت رخت حرکت در نقاب نیست
نیلوفرم بچشمهٔ مهر و وفا، ولی　　در روزگار تربیتم آفتاب نیست

تا نشاء مجاز و حقیقت یکی شود　　کاش! این دو باده را همه در یک سبو کنند
از بخیه زخم لاله و گل بیشتر شود　　راضی نیم که چاک دلم را رفو کنند

تا پی بزخم بند کنند، ناله هر قدم　　از سینه رفته رفته، بلب چون دعا رسید

خون ز مژگان بقدح ریزم و مستانه کشم　　کز پیِ گریه دهم باز بچشم تر خویش

مشتاق آب تیغ تو لب تشنه جان دهد　　گر همچو موج غوطه، در آب بقا خورد

از بسکه مرا، تفرقه در هر سر موئیست　　اشک از مژه ام تا مژه، صد مرحله دارد

از مهر خود بکاه، و بیفزا بمهر دوست　　بگذر ز کین دشمن، و بگذر ز کین خویش

از آه حسرتم، جگر شعله آب شد　　وز آتش دلم، دل آتش کباب شد
بیداریٔ، کز و مژه برهم نمیزدم　　در چشم بخت من گذر افگنده، خواب شد

در گریه زان دلیر نباشم که بے خبر　　از دل مباد آبله یی را بدر کنم

زان خط سبز، چرا بال گشوده است زهم　　طوطی حسن ترا گر سر پروازی نیست

چو آسایش ببزمت کاش هرگز جا نمیکردم　　که خود را چون نگاه بوالهوس رسوا نمیکردم
شکست کشتی دل، نامزد کردم بهر موجی　　وگرنه خواب خوش، در بستر دریا نمیکردم

خواه آهو باش، خواهی شیر، در صحرای عشق　　بے خبر منشین! که آن صیاد غافل میرسد

ز چشم افتادهٔ نازتوام، زان روی در محشر　　بدوزخ گر برندم آتش از من زود بگریزد

ز آب روی تو، نظاره آب میگردد　　ز طلعت تو نقاب، آفتاب میگردد
چو برفروخته می بینمت ز آتش می　　نگاه بر سر مژگان کباب میگردد

شب آئینۀ رخ سحرگاه منست هر جا که غمیست، چشم برراه منست
تاری که به او لباس حسرت دوزند ابریشم تاب دادۀ آه منست

ستم رسیده تر از من کسی، زمانه نیافت که دور من همه، ایام بینوائی بود

بشمع طور مبرالتجا، که در ره عشق چراغ وادئ ایمن، بدست خاشاکست

و درین ایام قصیده یی در مدح مسیح الزمانی الهی گفته، این دو بیت از انجاست:

بس که ذکر تو باواز بلند همه دم ورد زبان قلم است
راست چون مکتب طفلان همه روز خانۀ حجره ام پرنغم است

در دشت قناعت که نشیمن همه تفته است ابری که بود خشک بجز بال هما نیست

نتوان قصاص خون من از تیغ او گرفت تاوان آب رفته، نشاید زجو گرفت

غافل بگلستان شد و از شرم عندلیب در گل خزیده و پردۀ شبنم برو گرفت

دو عالم گرچه برروی نگار ما، حجاب آمد زپیدائی جمالش درنظر بیش از نقاب آمد
ازان ته جرعۀ کز لعلت نصیب خاک بستان شد لب هرگل که بوسیدم، از و بوی شراب آمد

افگنده کوه محنت هجر، از کمر مرا برخاستن فتاد بعمرد گر مرا

اگر خواهی افسون پی دفع غم دم از تیغ بستان و برخود بدم

از دو ریت، ای تازه گل باغ مراد! چون غنچۀ چیده خنده ام رفت زیاد
گریان، چو پیالۀ پرم، در کف مست نالان، چو سبوی خالیم، در دم باد

صورت حال خانۀ خویش

ایکه ابر صدق رای روشن تو ماه و خورشید، اعتراف کنند
کهنه ویرانه ایست، مسکن من که درو جوگیان طواف کنند
خفته یی، گر درو کشاید چشم مژه ها سقف را، شگاف کنند

زان عفونت، که در هوایش هست | مگسان دمبدم، رعاف کنند
نیست در وسعش، آن قدر میدان | که دو مور اندرو، مصاف کنند
هست گنجائشم درو ز انسانک | کاف را، جا بچشم قاف کنند
در عوض بخش منزلی، که توان | الفی اندرو، بکاف کنند

خوش آنکه بوقت تفک اندازی و جنگ | چون ماشه بخوابانمت ای دلبر سنگ
ز بگو نه سر فتیله در کار کنم | کز پس آتش برادری همچو تفنگ

در هجو ذوقی اردستانی و بینی او گفته است

به بینیت، چو روداژدهای آتشبار | بود چو کرم شب افروز، در میانهٔ غار
چه بینی است که، در زیر گاو و ماهی اگر | دهند گور ترا بعد مردن تو قرار
ز بس که، باشد از اندازهٔ لحد بیرون | بردی خاک، بماند بجای سنگ مزار
معالجی نتوان یافت به زبینی تو | اگر زمانه کشد پل، بروی دریابار
دراز گشت سر بینیت، چو پای اجل | گره زنش چو دم اسپ، و حلقه ساز چو مار
زیاده هرچه بماند بپیچ بر سر خویش | نمانمای زن از صد هزار گز دستار
خدانخواسته، گر بفگنی نظر بکتاب | زبوی گندهٔ دماغت، که هست مزبله‌زار
رمند مورچهای حروف از پس و پیش | مثال کبک، جهد نقطه بر یمین و یسار
کشیده و کج و سر تیز و پهن، بنیاد است | مگر بردی تو بینی، شدست موسیقار
ز بس که لاشهٔ بینیست سر باوج کشد | همیشه کرگس گردون، ازوچرد مردار
تماقه گر طلبد بینی تو، چون شاهین | کند سهیل یمن، نه سپهر را یلغار
نگه رود بسر انگشت پای در رخ تو | چنانکه مردم پاکیزه در نجاست زار
نشسته بر کمر بیستون، بینی تو | سپهر عربده جو، چون کلنگ بر کهسار
بماه کینه بجوید پلنگ بر سر وی | که ماه را همه شب، زیر پای اوست گزار

ز آسمان، بتهٔ آسیای بینی تست | چو ارزنی که نماید بخاک در انبار
در و مقط ز قلمهای پای عوج نهند | دهند مجره یی گر زبینی تو قرار
خوشست کندن از انرد خیار بینی تو | کرسا کنند سپشها درو، چو تخم خیار
زبان دراز چو تیری، سیاه دل چو تفنگ | دهان دریده چو زخم و گزنده نشتر وار
تو فیل مست و مرا خامه (چون) ابابلیت | پی هلاک تو اش سنگ هجو در منقار
تو نیستی بمیان هر چه هست بینی تست | که از بنای رخت کنده باد این دیوار

هر صید را که داد رهائی ز دام زلف | بر خاک میطپید و نظر سوی دام داشت

نگاه کس نشود محرم گریبانش | بروی باد نخندد، در گلستانش
نشسته همچو غریبان بکوی او گردم | که رفته رفته شود آشنا بدامانش

در احوال اسپ خویش

ای صاحب بنده پروری! کز تو | دوران تن عیش را همچین دارد
اسپی دارم، که ضعف تن او را | چون صوفی زاویه نشین دارد
نسبت بکرشمه های رفتارش | رفتار ملخ، صد آفرین دارد
فربه تر از وست مرکب شطرنج | کو طاقت حمل نقش زین دارد
در آب اگر رود، زهم باشد | خاصیت اسپ کاغذین دارد
گفتم: داغی کنم ترا، گفتا: | مهر تو بمن نتیجه، کین دارد
اسپی که باسپ کاغذین ماند | کی طاقت داغ آتشین دارد

وقتی در آگره بودیم، وی هم دران حوالی بود، شعری چند تازه گفته نزد مخلص فرستاد، و بجهت مخلص خود این رباعی هم گفته داخل آنها فرستاد، بنده هم جواب کرده فرستادم:

او راست:

بر دوش سخن گر ز غلط باری هست　　سهلست اگر مدد ز غمخواری هست
از داروی اصلاح شفا خواهد یافت　　در بیتی اگر مصرع بیماری هست

جواب:

جز فیض الٰهی از کست یاری نیست　　ادراک تو محتاج مددگاری نیست
نظم تو ز صحتست چون چشم بتان　　در چشم بتان عیب ز بیماری نیست

شبی که بود خوشائیده تر ز صبح وصال　　در و نتان خجل از عرض شعله های جمال
ز صفحهٔ رخ شب، مینمود طلعت روز　　چنانکه عاقبت کارها ز صورت حال
ز بس که بود در آن شب ز فیض پرتو ماه　　بدن چو شیشهٔ می پر ز نور مالامال
چو شخص لعبت موم از پس نقاب بلور　　ز بطن حامله گشتی عیان تن اطفال
فتادی از بمثل عکس بخت من، در چاه　　بسان طلعت یوسف، در آمدی بخیال
ستاره بس که دران شب بخویش میبالد　　کشیده قد، بنظر آمدی شهاب مثال
نگه چو برقع مژگان فگند از رخ چشم　　نمود چشمه لی از دور همچو آب زلال
بتی رسید خرامان که (درفت) پیش از دل　　بسوی او برد آغوش من باستقبال
چو عیش تنگ منش بود، غنچهٔ دهنی　　که جنبش نفسی را، درو نبود مجال
شکر لبی، که درخشنده ساق سیمینش　　بود شکنجه کش بار سایهٔ خلخال
نگه، چو گوهر حسنش، بوزن جان سنجد　　شود ترازوی آن چشم و مردمک مثقال
بصد کرشمه، چون آن رشک نوبهار رسید　　چو برگ گل، همه تن لب (شد) از برای مقال
چه گفت؟ گفت که: ای همچو مردمی بقدر!　　چه گفت؟ گفت که: ای همچو دوستی پامال!
چو نوک خامه، چراگشته لی گریبان چاک　　چو فوج نقطه، چراگشته لی پریشان حال
دلت چراست گره بر گره، چو خوشهٔ نخل　　تنت چراست شکن در شکن، چو شاخهٔ نال

کزان شکن چو گره سر فگنده یی شب و روز — وزان گره چو شکن دل شکسته یی همه سال
نرسته موتبنت، بلکه از تن وره جوین (کذا) — دو انده رلیشه برون بو تهای خار ملال
ازان فسانه چو دلگیر شد بشر، گفتم — که: ای نمکچش حسنت بکام عشق حلال
حدیث من بجگرخواری آشناست، مپرس — همان بهت که در پرده ماند این احوال
کدام قصه من، زد در سراچه گوش — که گریه از ته دل نامدش باستقبال[۱]

---

[۱] عرفات ۱۲۲ - ۱۲۳ ارسال فرموده جناب آقای گلچین معانی از کتاب زیر تالیف «کاروان هند»

بزرگ بکھری، میر

میر بزرگ، میر معصوم بکھری کا بڑا لڑکا تھا۔ میر معصوم نے اس کی تعلیم و تربیت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ میر معصوم خود بہت اچھا خوش نویس تھا، بیٹے کو بھی خوش نویسی کی تعلیم دی۔ چنانچہ ذخیرۃ الخوانین کا بیان ہے:

"پدرش در تربیت او تقصیر نکردہ۔ خط خوب می نوشت۔ و در علم نظم و نثر دستگاہی داشت"[1]

تاریخ معصومی کی تالیف بھی میر بزرگ کے لئے ہوئی۔ چنانچہ میر معصوم نے خود لکھا ہے:

"...... در عقدۂ تسویف و تاخیر می ماند، تا درین ایام کہ قرۃ عینی و ثمرۃ فؤادی میر بزرگ جعلہ اللہ من عباد الصالحین باعث تحریر و تالیف و سبب تسوید و تصنیف این نمیقہ گردیدہ، علۃ غائی این وثیقہ گشت۔

[1] ذخیرۃ الخوانین ص ۲۳۔

لامحالہ متوجہ تسوید و ترصیف این اوراق گردید۔ باشد
کہ از مطالعہ احوال تربیت یافتگان مہد امکان و گزشتگان
بنی نوع انسان بلوازم خیر و شر و مواد نفع و ضرر وقوف و
اطلاع حاصل نمودہ بحسن سیرت ہوشمندان آگاہ و نیکو
صفتان بارگاہ اہتدا یابد، و بہ سنن سنیہ و اخلاق رضیہ
آن زمرۂ علیہ اقتدا کردہ، از شیوہ ناپسندیدۂ اہل نخوت و
غفلت و خصائل ایشان و شیمہ ردیۂ ارباب بطالت و
عطلت اجتناب و احتراز نماید۔ و من اللہ التوفیق
والعصمۃ والعون۔

میر بزرگ، باپ کے بعد جہانگیر کے دربار میں ملازم ہوا۔ سلطان خسرو[1] کی بغاوت کے دوران میں ایک دن مسلح سواروں نے اس کو راستے میں پکڑ لیا اور کوتوال کے سامنے پیش کیا کہ یہ بھی سلطان خسرو کے ساتھ ہے۔ جب یہ معاملہ جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے میر بزرگ سے اس کا جواب طلب کیا۔ میر بزرگ نے انکار کیا، بادشاہ نے کہا: اگر تم بغاوت میں شامل نہیں ہو تو تمہیں مسلح ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ میر بزرگ نے جواب دیا کہ: میرے والد کی وصیت تھی کہ جب بھی پہرہ دیا کرو تو مسلح ہو کر دیا کرو۔ جس وقت مجھے گرفتار کیا گیا میں اس وقت چوکی پر پہرہ دے رہا تھا۔ اس پرچوکی نویس کو بلوایا گیا، اس نے میر بزرگ کے بیان کی تصدیق کی اور میر بزرگ کی جان بچ گئی۔[2]

---

[1] خسرو بن جہانگیر نے باپ کے تخت نشیں ہوتے ہی بغاوت کی اور پنجاب میں پکڑا گیا۔ لاہور میں جہانگیر کے سامنے پیش ہوا۔ تزک جہانگیری اور دوسری تاریخوں میں اس کا حال موجود ہے۔ یہ واقعہ (۱۰۱۴ھ) کا ہے۔ [2] ذخیرہ ص ۲۱۹۔

اس واقعہ کے بعد جہانگیر نے اس کے والد کی جائداد اور نقدی واگزاشت کردی اور ساتھ ہی اسے ۱۰۱۵ھ میں قندھار کا بخشی بنا کر بھیج دیا[1]۔ صاحب ذخیرۃ الخوانین نے اس کے کردار کا یہ حال لکھا ہے:

"زرہای پدر را باسراف خرج کردہ دماغی بہم رسانید، وسر تواضع بکس فرونمی آورد۔ نوکر بسیار داشت و بیش قرار نگاہ می داشت و باہیچ صاحب صوبہ نساخت وکیف خوردن از ہر قسم بافراط رسانید وظالم طبیعت گشت۔ عاملان پدر را بشکنجہ کشید و توکرہ و غلولہ بآنہامی زد"۔

قندھار کے بعد اس کا تقرر دکن میں ہوا، وہاں وہ خاصی مدت تک رہا:

"در ہندو برکاب سعادت حضرت جنت مکانی رسید و تعینات دکن متمادی ایام در آنجا گزرانید۔

اس کے بعد:

"چوں از حاصل جاگیر کفاف معیشت او نمی شد، ترک منصب وجاگیر کردہ در بھکر وطن خود مقیم گشتہ، باملاک و باغات پدر قانع گردیدہ نشست"[2]۔

میر بزرگ کی خوراک و پوشاک کے متعلق ذخیرۃ الخوانین کا بیان ہے:

"ودر بساط و پوشاک وخوراک بسیار لطیف بود"۔

قندھار کی بخشی گری پر کافی عرصہ تک رہا۔ سردار خان، مرزا غازی، بہادر خاں، قرا خان،

---

[1] دیکھیے ڈیرہ غازی خاں کا کتبہ۔

[2] ذخیرۃ الخوانین ص ۱۹ا۔ ۲۰ا۔

ابل بے اور قاضی خاں وغیرہ اس کی بخشی گری کے زمانے میں قندھار کے صوبے دار رہے لیکن کسی کے ساتھ اس کی نہیں بنی [۱]

مآثر الامرا نے لکھا ہے کہ شاہ خرچی اور اسراف کی یہ حالت تھی کہ چالیس (۴۰) لاکھ روپے نقد جو اس کے والد نے چھوڑے تھے وہ تھوڑے ہی عرصہ میں خرچ کر ڈالے [۲]

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، میر معصوم نے اس کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ میر بزرگ نے نثر، نظم اور خوش نویسی میں کمال پیدا کر لیا تھا۔ اس کی شاعری کے متعلق مقالات الشعرا کا بیان ہے کہ:

"طبع مذکی و فکر رسا داشتہ"

اس کا یہ شعر بھی بطور نمونہ درج کیا ہے:

دوش سودای سر زلف کسی کردہ گذر

سحر از ہر سر مو حلقہ بپایم پیچید

میر بزرگ کے بعد اس کی کچھ اولاد بکھر میں رہی جو آج تک وہیں ہے، اور کچھ حصہ خاندان کا ملتان چلا گیا جیسا کہ بلاخمن [۳] نے لکھا ہے۔ صاحب ذخیرۃ الخوانین نے اس کی ایک لڑکی کا ذکر کیا ہے جو میر خواجہ محمد چشتی کے عقد میں تھی۔

۱۔ ذخیرۃ الخوانین ص۱۶۲، ص۲۱۹

۲۔ مآثر الامرا - ج ۳، ص۴۳۵ - ص۳۲۹ میرزا غازی کو جب قندھار میں روپوں کی ضرورت پڑتی تھی تو میر بزرگ سے قرض لیا کرتے تھے،

"و احوال خود ایشان بجای رسید کہ از سرکار سردار خان و میر بزرگ (بن میر) معصوم قرضی آوردہ، خرچ بیوتات میساختند" (طاہری مطبوعہ ص۲۰۷)

۳۔ بلاخمن ص۵۸۰۔

میر خواجہ محمد چشتی، سلطان مودود چشتی کی اولاد میں تھے جن کا وطن شال، مستنگ تھا۔ بکھر اور قندھار کے درمیان بلوچ اور افغان ان کے مرید تھے۔ بہادر خان صوبہ دار (قندھار) نے میر خواجہ پر بغاوت اور شاہ ایران کے ساتھ سازش کرنے کا الزام لگایا اور چاہتا تھا کہ اس کو گرفتار کرلے، لیکن میر خواجہ وہاں سے نکل آیا اور جہانگیر بادشاہ کی خدمت میں پہنچ کر منصب حاصل کیا اور قندھار کا قلعہ اس کے سپرد ہوا۔ اس کے بعد یہ بکھر آیا اور میر بزرگ کی لڑکی سے عقد کیا۔ اس نے اپنی آخری عمر قصبہ حسن پور[1] (؟) میں بسر کی اور وہیں وفات پائی۔

میر بزرگ کے ایک لڑکے کا ذکر تحفۃ الکرام میں ہے۔ لکھتا ہے:

"میر محمد زکریا ولد میر محمد بزرگ بن میر معصوم بکری کہ مذکور شد، بفرط بزرگی ظاہر و باطن زیستہ۔ بہ سبب ارادت جناب شاہ خیرالدین[2] مذکور ساکن سکھر شدہ۔ بعد رحلتش

---

[1] ذخیرۃ الخوانین ص۲۳۴۔ شاید یہ قصبہ سید پور ہو۔

[2] یہ بزرگ سندھ کے ان چند مخصوص اولیائے کرام سے تھے جن کے فیوض و برکات نے سندھ کو روحانی طور پر ارفع و اعلیٰ مدارج بخشے۔ شاہ خیرالدین نام والد کا نام سید احمد اور بغداد میں ۹۱۱ھ میں پیدا ہوئے، مکہ معظمہ میں تعلیم و تربیت پائی۔ جوانی کے عالم میں سندھ کی طرف سیر و سیاحت کے لئے تشریف لائے، کچھ وقت مخدوم نوح ہالائی کی خدمت میں بسر کیا۔ آخر سکھر (قدیم) میں جاکر سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی۔ ان کے مزار پر ایک شاندار گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔

تحفۃ الکرام میں ان کے متعلق لکھا ہے:

"از اولاد پیر پیران علیہ الرحمۃ۔ درگاہش مطاف اصناف

(جاری)

(بقیہ حاشیہ)

خلایق و محل اجابت دعای اہل اللہ۔ رحمۃ ۱۳۰م

مخدوم نوح علیہ الرحمۃ کے حالات اور ملفوظات کو ایک بزرگ حاجی پھوڑ نے قلمبند کیا ہے۔ اس کتاب کا نام " دلیل الذاکرین " ہے، یہ کتاب طبع نہیں ہوئی اور نادر الوجود ہے۔ اس میں مصنف نے چند حکایتیں شاہ خیرالدین کے متعلق بھی درج کی ہیں۔ ایک حکایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا ایک فرزند تھا جس کا نام محمد عارف تھا۔ مصنف لکھتا ہے:

" نقل است: از زبدۂ عارفان، محمد عارف ابن قدوۂ واصلان، حضرت شاہ خیرالدین بھکری، کہ روزی مخدوم معظم (مخدوم نوح علیہ الرحمۃ) در مسجد بمحفل اہل دل بلسان فصیح و تبیان بلیغ تفسیر آیہ کریمہ۔ فاستقم کما امرت۔ می فرمودند۔ ستونی بخندہ در آمد و بزبان حال بقدرت تعالیٰ و بکمال ذوالجلال " برکشاد، و گفت کہ ما دو نہال از زمین قابل ثمر بر آوردیم۔ من راستی قامت اختیار کردم۔ عاقبت نتیجۂ راستی یافتم کہ ستون مسجد میمون شدم، و دائم الاوقات در صحبت فیض موہبت ہستم۔ و دیگرے کہ در جنب من بود بہ کجی گرائید و پیچ در پیچ شد، از خوف بریدن۔ آخر الامر آن را ہم بریدند و پارہ ہا کردند و در مکانہا مختلف متفرق ساختند۔ " (دلیل الذاکرین ص ۱۵۱)

لکڑی کے ستون نے زبان قال سے اپنی روئیداد پیش کی یا زبان حال سے، اس سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں البتہ اس قصے سے اس کے ناقل محمد عارف ابن شاہ خیرالدین بکھری کا نام معلوم ہوگیا۔ دوسری حکایت اس طرح ہے:

(جاری)

(جاری)

"نقل کرد درویش حسین عرف سوم، کہ بملازمت سراسر سعادت، سید السادات، لازم البرکات اہل کشف و یقین شاہ خیرالدین بھکری کہ یکی از اکمل مرشد الوقت بودہ، مشرف شدم - از زبان عزت ترجمان وی در حالت جذبہ چنیں ظاہر شد کہ ہفت پشت گزشتہ و ہفت پشت آیندہ، مریدان حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا از آتش دوزخ آزاد اند- و ہر کہ از یاران مخدوم معظم مخدوم نوح است، فردا روز جزا، با فرزندان حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا در جنت ہم جوار خواہد بود" (دلیل ص۱۸۸)

تیسری حکایت یہ ہے:

"نقل است کہ خدمت فیض موہبت مخدوم معظم (مخدوم نوح) حضرت شاہ خیرالدین بھکری شنیدہ کہ فرمودند کہ حق تلقین چنانکہ دادنی است، بکسی ندادم مگر فرزند خود را کہ جان بحق سپرد کہ طاقت تلقین در دنیا و دیگری را از اولاد غوث العالم شاہ خیرالدین، چوں فقرا را بذکر مشغول دیدی فرمودی کہ شما را تلقین ذکر نفرمودند، پس شما برای چہ ذکر می کنید و توبیخ کردی - حضرت زکریا بملاقات شاہ رفت و اظہار کرد کہ ما ازاں می باشم کہ تلقینی کما ہو الحق ندارم - اما از دیدن روی مخدوم معظم (مخدوم نوح) چناں فیض مند شدم کہ اگر چہار صد زناردار پیش می آیند،

(جاری)

دو پسر نامی مخلف ماند، سید محمد علی شیر و سید محمد، بزرگ وقت گذشته"[۱]

اس کے بعد ان کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ایضاً — دو پسر والا اختر گذاشته، میر عزیز اللہ، میر

(جاری)

بیک نظر مانند شما بدرجۂ ولایت رسند، وراه ہدایت حق برآنہا روشن گردد - بعد حال از سرزنش فقرا زبان بربست وگاہی اظہار نکرد" (دلیل ص۳۳۶)

چوتھی حکایت یہ ہے:

نقل است کہ گاہی صاحب مجاہدہ درویش یحییٰ را وحُتیہ وحضرت شیخ محمود ابن صدیق فخریہ وسید السادات سید نصیرالدین مرید شاہ خیرالدین بھکری باہم صحبت کردند، واز طلب طالبان وذکر ذاکران سخن راندند - سید مذکور گفت کہ چہار بار تکرار اسم اللہ در ہر نفس از فقیر شدہ مدام می آید ومعاً از زبان وی آواز ذکر وآواز خواندن قرآن شنیدہ می شد - بعد ازان درویش یحییٰ اظہار کرد کہ چہار صد بار تکرار اسم اللہ در ہر دم از فقیر می شود، اما، ما این ذکر ہنوز در شمار نمی آرم کہ سوای آن مرتبہ ذکر مرتبہ ہاست کہ "مالا عین رات ولا اذن سمعت" (دلیل ص۲۵)

[۱] تحفۃ الکرام ۳: ۱۳۱ -

لطف اللہ۔ میر عزیز اللہ عزیز مصر بزرگ گذاشتہ ازو هم دو پسر ماند، میر کرم علی شاہ و میر گلاب شاہ درین وقت یادگار آباست۔

میر لطف اللہ ولد سید محمد دو پسر ماندہ، میر عزت علی و میر احسان علی - ایں ہر دو بزرگ زادہ حیات مسموع اند۔

میر علی شیر ولد میر زکریا موصوف و متصف باوصاف آبا زیستہ ، سہ پسر گذاشت ؛ میر اسد اللہ میر عنایت اللہ میر بزرگ۔

منجملہ ، میر بزرگ پسر گذاشتہ ، میر شہباز علی ، علی شیر لقب ، کہ اکنون در زمرۂ احیا مسموع۔

میر اسد اللہ ، نواسہ میر اسد اللہ ولد میر علی شیر مذکور جوانی باستعداد است - در مراد آباد میاں مراد یاب خاں وی را دیدہ بودم ، طبع شعر داشتہ - آرزوی تخلص می کرد - بموافقت نام " ساقی " تخلص و - اسد اللہ ساقی کوثر - ازیں تخلص سجع قبول فرمودہ . اکنون در سلک احیا منخرط مسموع [1]

میر بزرگ کے دوسرے لڑکے میرزا قندھاری کا ذکر ذخیرۃ الخوانین میں آیا ہے اور لکھا ہے :

" مرزا قندھاری ولد میر بزرگ سہ ہیتی دہ سوار منصب

---

[1] تحفۃ الکرام ۳ : ص۱۳۱

داده و تعینات تتہ است اوقات گذر او بر املاک

جد و پدر راست ۔ حیای چشم و اہلیت و مددی بسیار دارد۔"

غالباً یہ بیٹا اس وقت پیدا ہوا جب میر موصوف قندھار میں تھے اسی وجہ سے میرزا قندھاری نام رکھا گیا ۔ ذخیرۃ الخوانین ۱۰۶۶ھ کی تالیف ہے ، گویا میرزا قندھاری اس وقت زندہ اور ٹھٹھ میں منصب دار تھے ، لیکن سرکاری طور پر آمدنی کم ہونے کی وجہ سے زیادہ تر اپنے اجدادی املاک پر گزر بسر کیا کرتے تھے ۔

میر بزرگ کی خوش نویسی کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ خوش نویسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے باپ کی طرح کتابہ نویس بھی تھا ، چنانچہ اس کے لکھے ہوئے مختلف کتبے آج بھی ملتے ہیں ، چند ایک کتبے جو دستیاب ہو سکے ہیں ہم یہاں درج کرتے ہیں جن میں میر بزرگ کی کہی ہوئی تاریخیں بھی موجود ہیں :

خانقاہ شیخ ناگوری کے کتبے

شیخ حمید ناگوری کی خانقاہ کے دروازے پر بجانب راست میر معصوم کا ایک کتبہ ہے جس پر ۱۰۱۰ھ سال کندہ ہے[۱] ، اسی کے ساتھ اس کے بیٹے میر بزرگ نے بھی اپنی جانب سے دو کتبے لگائے ہیں ۔

۱۔ پہلا کتبہ چار سطری ہے :

(۱) نامی بگشا چشم بصیرت دریاب　　　بنیاد زمانہ ہمچو نقشی است بر آب

(۲) با تو گویم کہ حاصل دنیا چیست　　　بیداری یک زمان و باقی ہمہ خواب

(۳) بتاریخ ۱۰۰۸ھ در خدمت نواب امیر محمد معصوم نامی بزیارت این مزار رسید

(۴) حررہ میر بزرگ

---

[۱] دیکھئے یہ کتبہ حیات میر معصوم تالیف راقم الحروف میں ۔

۲۔ یہ دوسرا کتبہ میر بزرگ کی طرف سے تین سطروں میں ہے:

(۱)۔ عن سلیمان علیہ السلام اعظم المصائب فوت الوقت بلا فایدۃ

(۲)۔ حررہ العبد میر بزرگ بن امیر محمد معصوم النامی تخلصاً والبکری مسکناً

(۳)۔ والترمذی اصلاً والحسینی نسباً وکان ذلک فی شہور سنہ ۱۰۰۹ تسع والف[۱]

۳۔ شیخ حمیدالدین ناگوری کی خانقاہ میں میر بزرگ نے یہ کتبے بھی کندہ کیے ہیں:

(۱)۔ درحین مراجعت از ایران در ملازمت نواب امیر محمد معصوم نامی

(۲)۔ باینجا رسید و این چند بیت از خمسہ ایشان کہ درین ولا باتمام رسانیدہ

(۳)۔ بودند تحریر نمود ۔ در ۱۰۱۳ھ

۴۔ اسی کتبے کے نیچے یہ علیحدہ پتھر پر کندہ ہے:

(۱)۔ از معدن الافکار
بحر زگرداب شدہ کاسہ گر
تا نمی از جود تو یابد مگر

(۲)۔ از کتاب حسن وناز
حدیث لعل آں سرچشمہ نوش
شدہ پیرایہ لب چون درگوش

(۳)۔ از کتاب اکبرنامہ
بگل چینیٔ آن گلستان شدم
سراپا صبا وار دامان شدم

(۴)۔ از کتاب رای صورت
حسنست درم خریدۂ او
خوبی گل آفریدۂ او

(۵)۔ از کتاب خمسہ متحیرہ
ہست برنامت ابتدای ہمہ
بتو آغاز و انتہای ہمہ

---

[۱] یہ کتبہ رسالۂ تاریخ حیدرآباد جنوری ۱۹۲۹ء ۔ انتخاب نادرہ از دیبی پرشاد اور ناگور از عبداللہ چغتائی میں بھی چھپا ہے ۔ ان کتبات کے چربے پاکستان نیشنل میوزیم میں ہیں ۔

۲۔ ناگور کے ایک مقبرے کے کتبے

ناگور میں بیرون شہر جانب شمال محلہ آہن گران میں ایک مقبرے کے دوستونوں پر یہ کتبہ کندہ ہے:

۱۔ توخفتۂ براہ و کاروان تیز
منشین وچو گرد باد برخیز
نامی چہ نشستۂ درین راہ
می نہہ قدمی دراز کوتاہ

۲۔ گوبند بود فاتحہ را یحۂ
زان فاتحہ بخش بکفت راکہ
برروح گزشتگان فرست اخلاصی
محتاج دعائیم بخوان فاتحۂ
حررہ میربزرگ ۱۰۰۸ھ[1]

۳۔ جیسلمیر کے کتبے (فقیروں کا تکیہ)

جیسلمیر کے مشرق میں دہلی دروازے کے سامنے جودھپور کے راستے پر ہندوؤں کے شمشان سے ملا ہوا اور تالاب گدھیسر سے شمال رخ ایک چھوٹا سا سفید پتھر کا مکان ہے۔ اب یہ عمارت ڈھہ گئی ہے اصل میں یہ مسجد تھی۔ تین محرابیں ابھی تک اس

---

[1] رسالہ تاریخ۔ جنوری ۱۹۲۹ء۔ انتخاب نادرہ منشی دیبی پرشاد۔ ان دونوں کتابوں میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ کتبے کتنی سطروں پر مشتمل ہیں اس لئے سطروں کے نمبر نہیں لگائے گئے۔

کی تصدیق کر رہی ہیں۔ عمارت کی بیرونی پیشانی پر، ستونوں اور اندرونی محرابوں اور دیواروں پر ہزاروں عربی فارسی اشعار اور فقرے اور اقوال و احادیث کندہ ہیں۔

پیشانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے زمانے میں حاکم بھکر (میر معصوم) کی دوستی مہاراول بھیم سنگھ والئ جیسلمیر سے تھی۔ حاکم مذکور کو اکبر نے آگرہ طلب کیا تو وہ جیسلمیر سے ہو کر گیا تھا۔ یہاں مہاراول بھیم سنگھ نے اس کو چودہ دن تک اپنے ہاں مہمان رکھا۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا میر بزرگ بھی تھا۔ اس مکان کی اندرونی محراب پر یہ عبارت کندہ کی:

"عن سلیمان علیہ السلام۔ اعظم المعائب فوت الوقت بلا فائدہ۔ حررہٗ العبد میر بزرگ بن میر معصوم النامی تخلصاً والبکری مسکناً، ترمذی اصلاً والحسینی نسباً وکان لما ذالک فی سنہ ثمانیۃ والف۔"

یہ عبارت تلخیص ہے میر مراد علی کے مضمون کی جس کو کئی سال ہوئے راقم نے (یادگار میر مراد علی صفحہ ۳۰۶ - ۳۰۸) کے حوالہ سے رسالہ تنویر، مئی ۱۹۳۷ء سے نقل کیا تھا۔

کئی سال گزرنے کے بعد اور پاکستان بننے کے بعد بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہ پورے کتبے حکومت ہند کے محکمہ آثار قدیمہ نے نقل کرا لئے ہیں، راقم الحروف نے اپنے عزیز دوست جناب مالک رام صاحب کو لکھا جس پر حضرت موصوف نے سولہ (۱۶) کتبوں کی نقلیں مہیا کر کے مجھے بھیج دیں۔ یہ تمام کتبے چونکہ میر بزرگ سے متعلق ہیں اس لئے یہاں اسی طریقے اور ترتیب پر من و عن دیئے جا رہے ہیں جس طرح نقل ہو کر میرے پاس پہنچے ہیں۔

نقل کنندہ کا قول ہے کہ یہ تمام کتبے جس عمارت پر ہیں اس کو "فقیروں کا تکیہ"

کہتے ہیں ۔ جیساکہ میر علی مراد کی یادداشت میں ہے کہ یہ مسجد ہے ۔ ایسا نہیں ہے۔

کتبات

۱ ۔ دروازے کے اوپر سردر پر یہ کتبہ دو سطروں میں کندہ ہے :

(۱) قدم بردار نا آمی! وقت کار است ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ که شخصِ عمر، بر صرصر سوار است
(۲) بیا بگذر ر! ازین زال جہان نام ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ ناکامیست از وی، حاصل کام[له]

(سائز 30/1.20 M.C.)

۲ ۔ اسی جگہ یہ دو سطریں ہیں :

(۱) زد شیشۂ چرخ سنگ، بر ساغر ما ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ خون شد چو انار دانہ، دل در بر ما
(۲) گردی ننشستہ بود، بر افسر ما ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ اکنون، بنگر خاک سیہ، بر سر ما

(سائز مندرجہ بالا)

۳ ۔ اسی کے ساتھ یہ دو سطروں کا کتبہ ہے :

(۱) ما آمده بودیم دریں باغ، بگشت ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ چوں ابر بروی سبزه، چوں باد بدشت
(۲) چوں نرگس برخار، ناگاه از خواب ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ تا چشم کشادیم، زہم عمر گزشت

(سائز 26/1.20)

۴ ۔ اسی جگہ یہ دو سطریں ہیں :

(۱) ہاں نا آمی ہاں! بخویش یکدم پرداز ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ مردانہ لبساز، توشۂ رفتن ساز
(۲) داری در پیش، بس رہ دور و دراز ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ای کاش! امید آمدن بودی باز

(سائز 29/90.)

[له] اشعار میں رموز اوقاف کا اضافہ میں نے اپنی طرف سے کیاہے۔

۵ - ساتھ ہی یہ دو سطریں ہیں :

(۱) ای تازہ وتر، شگفتہ ماندۂ گل — بنگر، سوی اوراق پراگندۂ گل

(۲) ایام بقای زندگانی ..... بمثل — چوں گریۂ شبنم است، چوں خندۂ گل

(سائز 1.22 M / 27 C)

۶ - جنوبی دیوار کے باہر کی طرف یہ کتبہ ہے :

(۱) چوں درمیاں نواب الوی امیر محمد معصوم

(۲) دحکومت دستگاہ راول بینو نسبت

(۳) دیگانگی بود، بنابران باستدعار راول جیو درین منزل

(۴) دہ روز اتفاق مقام افتاد سنہ ہزار ودہ العبد میر بزرگ

(سائز 92 . 63 M . C.)

اس کتبے سے ظاہر ہے کہ جس کو آج 'فقیروں کا تکیہ' کہا جاتا ہے. میر معصوم نے آگرہ جاتے ہوئے جب یہاں بر بنار دوستی راجہ راول، دس دن قیام کیا اور میر بزرگ بھی ان کے ساتھ تھے اس وقت یہ عمارت میر معصوم نے بطور یادگار بنائی اور حسب دستور میر بزرگ نے یہ کتبہ ۱۰۱۰ھ میں اپنے والد کے کہنے پر کندہ کر کے نصب کیا[1]۔

۷ - دروازے کے سر در پر یہ کتبہ ایک سطر میں ہے -

(۱) شد بیتو، مرا نالہ کوتاہ نفس — بی نالۂ بلبل نمی برد راہ، نفس

از ضعف چناں شدم، کہ اندر دم مرگ — بیروں نزود، بی مدد آہ نفس

(سائز 2.30 M / 20 CM)

۸ - دوسرا پتھر اسی جگہ پر ہے جس پر یہ شعر اور عبارت (غالباً) ایک سطر میں کندہ ہے :

---

[1] اگلے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت ۱۰۰۸ھ میں میر معصوم نے بنائی تھی ۔

(۱) نامی! از خرد دوش، دلم کرد سوال — کز رفته و آینده، بیا! کی احوال

گفتا چه خبر؟ ز رفتگان نیست اثر — آینده چو رفته دان، چه می پرسی حال

بندگان حضرت اعلا بایلچی گری عراق نواب سیادت پناه ابوی امیر محمد معصوم بکری را رخصت نمودند، و در ۱۰۱۰ھ ازینجا عازم بکر شدند حرره میر بزرگ -

(سائز 20C / 5.20M)

مندرجہ بالا سال (۱۰۱۰) میں یہ کتبہ لگا ہے - غالباً بکھر سے آگرے جاتے ہوئے جیسلمیر سے ہو کر راستہ جاتا تھا -

۹ - دوسرا کتبہ اسی جگہ پر ایک سطر میں :

(۱) جام از می عیش، تلخکام افتاده — وین مجلسِ باده، ناتمام افتاده

بنگر! ز حریفان می و جام افتاده — مستانه بخواب، هر کدام افتاده

ای آنکه تو! چون بادِ صبائی، در گشت — گه سوی چمن خرامی و گه سوی دشت

چون زیرِ زمین جای تو گردد، دانی! — تا در تہِ خاک، بر سرِ ما چه گزشت

(سائز 20 / 5.15)

۱۰ - اسی مکان پر ایک ہی سطر میں یہ کتبہ ہے :

(۱) گویند: بود فاتحہ را فایحہ — زاں فایحہ، بخش نکہت رایحہ

بر روحِ گذشتگان، فرست اخلاصے — محتاج دعائیم! بخوان فاتحہ

میر معصوم آن سیادت منزلت — ساخت اینجا از پی برنا و پیر

سالِ تاریخش چو جستم از خرد — در زمان گفتا: بنائے دلپذیر[1]

(سائز 20C / 5.92M) ۱۰۰۸ھ / ۹۰۰۷

---

[1] میرے پاس کتبہ اسی طرح لکھا ہوا پہنچا ہے لیکن اس سے تاریخ ۱۰۰۹ھ نکلتی ہے نہ کہ ۱۰۰۸ھ -

۱۱ - اسی عمارت پر دوسرا کتبہ ایک ہی سطر میں یوں ہے :

درسنہ ہزار و ہشت ہجریہ کہ بندگان خلافت پناہی ظل الہٰی جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلد ملکہ ابدا - نواب سیادت پناہ فصاحت و بلاغت دستگاہ امیر محمد معصوم النامی تخلصا والبکری مسکنا ولد میر سید صفائی الترمذی ابا و بن سید شیر قلندر بن بابا حسن ابدال جداً (رح) از خدمت قندھار طلب فرمودہ بودند، در حین نزول بدین مقام بنای این بقعۂ خیر نہادند، حررہ العبد میر بزرگ ولد امیر محمد معصوم

نامی بگشا چشم بصیرت دریاب　　　بنیاد زمانہ ہمچو نقشی است بر آب

با تو گویم کہ حاصل دنیا چیست ؟　　　بیداری یکزمان و باقی ہمہ خواب

(سائز 10.30/20)

اس کتبہ سے ظاہر ہے کہ یہ عمارت بطور یادگار میر معصوم نے (۱۰۰۸ھ) میں بنوائی در آنے جاتے میں اس پر کتبوں کا اضافہ ہوتا رہا ہے -

۱۲ - اسی عمارت پر ایک ہی سطر میں یہ کتبہ ہے:

ای تازہ و تر شگفتہ مانندۂ گل　　　بنگر سوی اوراق پراگندۂ گل

ایام بقای زندگانی بمثل　　　چوں گریۂ شبنم است چوں خندۂ گل

فریاد رحیل از ہمہ کس میشنوی　　　آواز درا ز پیش و پس میشنوی

کردہ ہمہ شبگیر بسر منزل دور　　　تو خفتہ برہ بانگ جرس میشنوی

(سائز 6/20)

۱۳ - اسی عمارت پر ایک سطر میں :

نامی من ازین پشیمان رفتم　　　ناچیدہ گلی، ازین گلستان رفتم

بودم دو ہزار آرزو در دل بیش　　　ناکردہ یکی از و بسامان رفتم

(سائز 2.25/20)

۴- جیسلمیر گورنمنٹ سیکنڈری اسکول

کتبات زیر نظر جیسلمیر میں اس مکان پر لگے ہوئے ہیں جس میں اس وقت گورنمنٹ سیکنڈری گرلس اسکول ہے۔ اور کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عمارت بھی میر معصوم نے ۱۰۰۹ھ میں بنائی، اور اس پر میر بزرگ نے تاریخی کتبہ لگایا۔

۱۴- یہ کتبہ داخلی دروازے کی پیشانی پر باہر کی طرف سے دیوار میں لگا ہوا ہے اور کتبے میں تین سطریں ہیں:

(۱) این تازہ بنا چو، میر معصوم نہاد — چرخ فلکش دید و بروتحسین گفت
ہنگام بنا، چو خلعت کردند دعا — از ہر طرفی خیل ملک آمین گفت
(۲) چوں بود زسنگ، سال بنیادش — بنیاد نمود خانۂ سنگین گفت

۱۰۱۳

(۳) نواب سیادت پناہ ابوی ام امیر محمد معصوم البکری النامی المخاطب باامین الملک بجہتہ یادگار این عمارت بنا فرمودہ ۱۰۱۴ھ

(سائز 2.10 M / 42 C)

آخری مصرعے سے (سال ۱۰۱۳ھ) برآمد ہوتا ہے، لیکن کتبہ میر بزرگ نے (۱۰۱۴ھ) میں نصب کیا ہے، جب کہ عملی ملازمت سے میر معصوم سبکدوش ہو کر اور امین الملک کا عہدہ لے کر (۱۰۱۴ھ) میں آگرے سے اپنے وطن واپس آ رہے تھے۔

۱۵- یہ کتبہ اسی عمارت کے ایک ستون کے بالائی حصے پر تین سطروں میں کندہ ہے:

(۱) در جیسلمیر خانۂ فرمود — میر معصوم آں جہان کرم
(۲) تا خلایق ہمی بیاسایند — اندریں منزل چو باغ ارم
(۳) کرد تاریخ سال میر بزرگ — در زمان خانۂ نشاز رقم

اس کتبے سے ظاہر ہے کہ اس عمارت کا اندرونی حصہ (۱۰۱۴ھ) میں بنا جس کی تاریخ "خانۂ نشاز" سے نکلتی ہے اور بنیاد نمود خانہ سنگین ابتدائی تعمیر کی تاریخ ہے۔
۱۰۱۴ھ ۱۰۱۳ھ

۱۶۔ اسی کے ساتھ یہ کتبہ دس سطروں میں کندہ ہے:۔

(۱) نواب سیادت و

(۲) نقابت پناہ ابوی ام

(۳) امیر محمد معصوم بکری

(۴) المتخلص بالنامی و

(۵) المخاطب بامین الملک

(۶) ایں سر منزل بجہتہ

(۷) اسایش خلایق بنا نمود

(۸) حررہ العبد

(۹) میر بزرگ

(۱۰) سنہ ۱۰۱۴ھ

(سائز 32 C / M 1.50)

۵۔ منارۂ میر معصوم کا کتبہ۔ سکھر

سکھر میں، میر معصوم کے گورستان میں نہایت شاندار منارہ ہے جس میں اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں ہیں، سیڑھیوں کے لئے جو داخلی دروازہ ہے، اس کی پیشانی پر سرخ پتھر پر میر بزرگ کا بارہ سطروں پر مشتمل مندرجہ ذیل کتبہ درج ہے۔

(۱) بنا رھذالمنار فی زمان

(۲) سلطان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی

(۳) بدرِ فلک علا، محمد معصوم

(۴) کزوی بزمانہ صیت نیکو نامیست

(۵) افراشت چنیں بنار عالی، کہ زقدر

(۶) افراختہ سر بچرخ مینا فامیست

(۷) تاریخ بنار او ملایک ازعرش

(۸) گفتند: جہان نمامنار نمایست

(۹) میر معصوم آن رفیع القدر

کہ از کار دین بآئین است

(۱۰) کرد طرح منار، تا گویند

کین پی یادگار دیرین است

(۱۱) پیر چرخ، از برای تاریخش

ساق عرشے برین بگفت این است

(۱۲) قابلہ میر بزرگ بن سیادت پناہ میر محمد معصوم[1]

مندرجۂ بالا تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ (۱۰۰۲ھ) میں اس کی بنیاد میر معصوم نے رکھی اور ۱۰۱۳ھ میں میر بزرگ نے گویا اس پر یہ تاریخی کتبہ لگایا۔

۶۔ لغاری تحصیل یارکھان کے مقبرے کا کتبہ

ڈیرہ غازی خان کی لغاری تحصیل یارکھان سے متصل پشین روڈ پر ایک مقبرہ ہے جس پر چند کتبے ہیں، جن میں سے ایک کتبہ ہتھورام نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر بزرگ ۱۷ رمضان ۱۰۱۵ھ کو قندھار جاتے ہوئے وہاں سے گزرے تھے، کتبہ پتھر پر ہے اور عبارت یہ ہے:

بتاریخ ہفدہم ماہ رمضان ۱۰۱۵ھ بحکم بندگان حضرت نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی بکمک قندھار تعین شدہ بود، ازین منزل عبور

---

[1] اس منارہ اور گورستان کی تفصیلات ملاحظہ ہوں میری کتاب "حیات و آثار میر معصوم بکھری" میں۔

نمودہ۔ میر بزرگ ابن نواب مرحومی میر محمد معصوم بکری المتخلص نامی [1]

یہ کتبہ اہم ہے اس لئے کہ اس میں قندھار جانے کا سال، ماہ اور تاریخ درج ہے، میر معصوم نے ۶ رذی حج بروز جمعہ (۱۰۱۴ھ) کو انتقال کیا اور ۱۷ر رمضان (۱۰۱۵ھ) کو میر بزرگ قندھار کی مہم پر مقرر ہو کر یہاں سے گزرے گویا والد کے فوت ہونے کے ایک سال بعد میر بزرگ کو بکھر سے روانہ ہونا پڑا۔

۷۔ افغانستان کے کتبات

میر معصوم خود قندھار میں (۱۰۰۳-۱۰۰۷ھ) رہے، میر بزرگ بھی مرزا غازی کے دور میں (۱۰۱۵ تا ۱۰۲۲ھ) قندھار میں تھے، پھر دونوں باپ بیٹے ایران (۱۰۱۲-۱۳ھ) گئے اور قندھار، فراہ، ہرات کے راستے سے ہوتے ہوئے تربت جام سے ایران میں داخل ہوئے۔ میر معصوم جن راستوں سے گزرے وہاں پہاڑوں، عمارتوں، مقابر اور کارواں سرائوں پر اس نے کئی ایک کتبے کندہ کئے جو ان کے اس سرکاری سفر کی یادگار کے طور پر اب بھی کہیں کہیں مل جاتے ہیں [2]

اس علاقے میں کتنے کتبے میر معصوم کے ہیں اور کتنے میر بزرگ کے؟ یہ تو صحیح طور پر معلوم نہیں، لیکن میر بزرگ کے بعض کتبات کا نشان ہمیں آقای عبدالحئی حبیبی کی کتاب 'تاریخ افغانستان درعصر گورگانی'، کے ذریعہ ملتا ہے۔ عبارتیں اس محترم عالم نے نہیں دیں، لیکن مقام اور کتبات کا نشان دے دیا ہے۔ اسی وجہ سے یہاں سردست ہم میر بزرگ کے کتبات کی فہرست دینے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

۱۔ مزار سید عبدالجلیل (شاہ مقصود)

---

[1] ہتھورام تاریخ بلوچستان۔

[2] یہ کتبات میر معصوم کی سوانح والی کتاب میں ملاحظہ ہوں۔

میر بزرگ نے سید عبدالجلیل بن سلطان خلیل بن سلطان محمد (متوفی ۸۵۲ھ) کے مزار پر کئی کتبے لگائے ہیں۔ سید عبدالجلیل مشہور اولیا میں سے تھے اور اُن کا مزار قندھار کے شمال میں ۴۰ میل پر شاہ مقصود خاکریز کے مقام پر ہے، اس مزار کی عمارت بھی میر بزرگ نے بنوائی اور بعد میں (۱۰۵۵ھ) شاہ صفی صفوی کے دور میں اسی صفوی پادشاہ نے بھی کتبے کندہ کرائے ہیں[1]

۲۔ کوہ شوراب جادۂ فراہ

جب میر معصوم ایران جا رہے تھے اور بقول حبیبی میر بزرگ بھی ان کے ساتھ تھے، تو راستے میں ہراۃ جاتے ہوئے "حدود دلارام فراہ۔ کوہ شوراب کے پاس، فراہ کے عین راستے" پر میر بزرگ نے ایک عمارت بنائی (۱۰۱۲ھ) اور کوہ شوراب پر کتبہ کندہ کیا[2]

میر بزرگ کا انتقال ۱۰۴۴ھ[3] میں ہوا اور اپنے باپ کی چوکھنڈی میں دفن ہوئے۔ ان کی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے[4]

---

[1] تاریخ افغانستان در عہد گورگانی ص۱۹۶

[2] تاریخ افغانستان در عہد گورگانی ص۱۹۷-۲۰۱ یہ عبارتیں عین اسی طرح نقل ہوئیں جس طرح کتاب میں ہیں، اگر کتبے سامنے ہوتے تو معلوم ہوتا کہ یہ عمارتیں میر معصوم کے حکم سے بنیں یا میر بزرگ نے بنوائی تھیں۔

[3] مآثر الامرا ۳: ۳۲۸ - ۳۲۹ - ذخیرۃ الخوانین خطی ۲۰۴۔

[4] مقابر کے نقشے اور دیگر تفصیل "حیات آثار میر معصوم" میں دیکھیں۔

بزمی کوز

میخانہ کے مصنف نے بزمی تخلص کے شاعر کو بھی مرزا غازی کے درباریوں میں شامل کیا ہے۔ مرشد بروجردی، ملا اسد قصہ خوان، طالب آملی، میر نعمت اللہ وصلی کو گناتے ہوئے بزمی کے لئے لکھا ہے:

۔ و بزمی کوز و دیگر مردی ازین عالم بسیار بہ ایشان بودہ اند۔[۱]

مولانا محمد شفیع مرحوم اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

۔ ممکن ہے یہاں بزمی کرجی مراد ہو، جو کچھ عرصہ تک شیراز میں رہا اور پھر ہندوستان آکر گجرات میں مقیم ہوا۔ اس نے (۱۰۲۸ھ) میں پدماوت نظم کی، جب کہ اس کی عمر ۷۰ برس کی تھی، البتہ اس کا مرزا غازی کے پاس ہونا کسی کتاب میں نظر نہیں آیا۔[۲]

---

[۱] میخانہ چاپ شفیع ۲۲۹ د چاپ گلچیں۔

[۲] میخانہ تعلیقات شفیع ص۵۶۔ بودلین کے کیٹلوگر نے ۷۰ برس عمر لکھی ہے، اسپرنگر نے عمر کا ذکر نہیں کیا۔

پدماوت کے اس قصّے کو اسپرنگر نے عنوان دیا ہے - پدماوت یارت پدم تصنیف بزمی - اور لکھا ہے کہ :

- یہ رت سین اور پدم کی کہانی (۴۰۱۴) ابیات پر مشتمل ہے اور بزمی کرج (KARJ)[1] نے اس کو تصنیف کیا ہے شیراز میں کچھ عرصہ رہا اور پھر جہانگیر کے دور میں گجرات میں آکر ٹھہر گیا، مثنوی اس نے ۱۰۲۸ھ میں لکھی، جس کا سال ان اشعار سے برآمد ہوتا ہے :-

در سال ہزار بیست وہشت　　　　ایں سلک خیال منتظم گشت
شد باسہ ہزار چار دہ در　　　　ایں درج زموج طبع من بر

ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے :

اے نام تو نقش لوح جانہا　　　　درماندہ بوصف تو زبانہا

تخلص اس طرح لایا ہے :

بزمی! روش زمانہ این است　　　　دریای وراکرانہ این است[2]

آقای احمد گلچین معانی نے بزمی کو زیر حاشیے دیئے ہیں ان کا حال تقی الدین اوحدی سے لیا ہے، جس نے لکھا ہے :

- گرجی الاصل تھے، شیراز میں بڑے ہوئے، ہرات میں کچھ عرصے بسر کرنے کے بعد وہاں سے ہند میں آئے میں نے ان کو گجرات میں دیکھا، جہاں وہ مرزا عبداللہ خاں مخاطب

---

[1] کرج تہران کے قریب ہے جہاں سے تہران کو پانی پہنچتا ہے -

[2] اسپرنگر ۳۷۶ بودلین میں بھی اس کا نسخہ ہے ۱۱۳۵ع -

بہ نوازش خان بن سعید خان چغتائی کی ملازمت میں تھے،
کچھ عرصے کے لئے بغیر کسی ملازمت یا سلسلے کے ویسے ہی پھرتے
پھراتے بھی رہے۔

مولانا نظیری نیشاپوری نے دوستداری کی وجہ سے ان کے لئے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے اور کوششیں کیں، عبداللہ خاں فیروز جنگ اور دوسرے آدمیوں سے ان کے لئے انعام مہیا کئے اور خود بھی۔ انسانیات متواتر و احسانات وافر برتے۔

مولانا نظیری جب فوت (۱۰۲۳ - ۱۰۲۲ - ۱۰۲۱ھ) ہوئے تو ان کے ورثا سے بزمی کو شکایت پیدا ہوئی اور مولانا مرحوم کے لئے ہجو آمیز تاریخ کہہ ڈالی۔ بزمی کی اس حرکت پر تقی اوحدی نے لکھا ہے:

.... غرض ازین مقولہ آنکہ اگرچہ در شاعری صاحب طبیعت
تازہ گوئی و خوش فہم بود، اما با شخصی کہ ولی نعمت و مربی و
استاد صاحب حقوق باشد بعبث زشتی کردن و چنین مزخرفی
بعرصہ آوردن، بغایت بدذاتیست، واگر کمینہ مدد
وحمایت او نمیکردم آزار بلیغ بوی میرسانیدند[1]

اوحدی نے اس کو گجرات میں چھوڑا اور خود گجرات سے چلا آیا، بعد میں سنا کہ غرۂ ربیع الاول ۱۰۲۳ھ کو وہ وفات پا گیا۔

بزمی نے بقول اوحدی تین ہزار کے قریب شعر کہے تھے، نمونے کے لئے یہ اشعار دیئے ہیں۔

میترا وید از لب ہر داغ من، صد چشمہ خون
شوق حاصل مو بمویم را گلستان کردہ بود

---

[1] میخانہ چاپ گلچین ۲۹۳۔

نیستم از ماتم پروانہ آگہ ، لیک دوش

شمع را دیدم، کہ گیسوئے پریشان کردہ بود

چہ داغہا زکہ ازین، بردل مسیحا نیست

گرچوں شہید غمت سرخروی فردا نیست

ز بیقراری عشقست، دست شوق دراز

وگرنہ ایں گنہ، از جانب زلیخا نیست

توخواہ وعدہ وفا کن زلطف و خواہ مکن

کہ میزبان ترا قدرت تقاضا نیست

ایک غزل اور بھی اوحدی نے غلطی سے ان کے نام سے دی ہے، جو دراصل مخفی رشتی کی ہے[1]۔

زتاب عشق تو، زانگونہ دوش، تن میسوخت

کہ ہر نفس زتف سینہ، پیرہن میسوخت

مخزن الغرائب میں بھی غلطی سے یہ غزل بزمی گرجی کی طرف منسوب کی گئی ہے[2] اسی غزل کے دو شعر تذکرۂ حسینی میں بھی آئے ہیں، اور اس میں ان کو:

- سراج کاشانہ، نیکو نظمی شاعر شعلہ طبع ملا بزمی

خوشگو است[3]

لکھا گیا ہے۔

مخزن الغرائب نے یہ دو شعر زاید دیئے ہیں:

بزرگان را، فلک محتاج خوردان میکند، ورنہ

چرا باید کشودن لب بہ پیش قطرہ دریا را

---

[1] میخانہ ص ۲۹۴۔

[2] مخزن الغرائب، چاپ ڈاکٹر محمد باقر ۱۹۶۸ ص ۳۲۹۔

[3] " " " " " ص ۷۱

نیستم از ماتم پروانہ آگہ لیک دوش　　　شمع را دیدم، کہ گیسوی پریشان کردہ بود[1]

اوحدی نے جو سال وفات لکھا ہے، اور وہ غلط نہیں ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ 'پدماوت'، والا بزمی کوئی اور شخص تھا جو کرج (KARAJ) کا رہنے والا تھا، کرج اور گرجی کے اشتباہ نے دو شخصیتوں کو ایک کر دیا ہے۔

میرزا غازی کے ساتھ وابستگی کا ذکر 'میخانہ'، کے سوا کسی کتاب میں نہیں آیا، قرین قیاس ہے کہ بزمی کو زہرات سے جب ہند کے لئے چلا تو پہلے قندھار میں پہنچ کر کچھ عرصے کے لئے میرزا غازی سے وابستگی پیدا کر لی ہوگی، (۱۰۲۱ھ) میں ان کے نوت ہو جانے کے بعد گجرات پہنچا جہاں عبداللہ خاں فیروز جنگ نے ۔جن کے ساتھ غازی کی وفات کے بعد طالب آملی بھی کچھ عرصہ وابستہ رہا۔ بذریعہ نظیری مالی اعانت حاصل کی۔

---

[1] مخزن الغرائب چاپ دکتر محمد باقر ۱: ۳۳۰۔

چرکس، خسرو خاں

اس کی سیاسی زندگی کے حالات میرزا کی سوانح میں گزر چکے ہیں، جانی بیگ کے دور سے اس کا نفوذ شروع ہوا جو ترخانی دور کے اختتام تک برابر قائم رہا، جب میرزا غازی کی وفات کے بعد خسرو نے عبدالعلی ترخان کو جہاں گیر سے اجازت لئے بغیر سندھ کے تخت پر بٹھایا، اس وقت یہ بھی پورے ترخانی قبیلے کے ساتھ جہانگیر کے دربار میں معتوب ہو کر پہنچا ان معتوبین کو میر عبدالرزاق معموری نے ٹھٹہ سے لے جاکر بتاریخ ۲۶ ربیع الاول ۱۰۲۲ھ (جمعرات) کو اجمیر کی منزل پر شاہی دربار میں حاضر کیا تھا[1] ترخان نامہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

— چوں عبدالعلی خان ترخان و خسرو خان وغیرہ منسوبان میرزا غازی خان کہ در تتہ و قندھار بودند، بنظر اشرف اقدس گزشتہ اند، حکم شد کہ: عبدالعلی و خسرو خان و پسرش را محبوس سازند![2]

---

[1] تزک جہانگیری ص۱۱۸ ـ [2] ترخان نامہ ص۹۴ ـ

آگے چل کر ترخان نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خسرو خاں چرکس بندی خانے میں فوت ہوا[1]۔ گویا ۱۰۲۲ سے لے کر ۱۰۲۸ھ تک وہ اجمیر کے قید خانے میں رہا اور اسی سال اس نے وفات پائی، اس کی قبر خواجہ معین الدین اجمیری کے احاطہ میں (متصل حجرہ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ) آج تک موجود ہے جس پر یہ کتبہ کندہ ہے:

۱- آن خسرو خان کہ دستِ جودش	از دل، غمِ فقر و فاقہ می شست
۲- از خطۂ سند بود عمری	بس گوہرے عدل و داد راسفت
۳- آخر، بگذاشت این جہان را	خود رفت، و بعالمِ بقا خفت
از دل جستم چو سالِ فوتش	جایش بہ بہشت! ہاتفم گفت[2]

میرزا خسرو کے خاندانی احوال اور ابتدائی زندگی کے متعلق ہمیں تحفۃ الکرام کے ذریعہ فقط اتنا معلوم ہوتا ہے کہ:

"خسرو خاں چرکس منسوب بہ چرکس خان، از اولاد چنگیز خان، کہ در دشتِ قبچاق حکومت کردہ، نخست پیش ملا جانی بندری بود، مرزا عیسیٰ (اول ۹۶۲-۹۷۴) از او گرفتہ آفتابچی ساخت، و بمعائنہ جوہرِ ذاتیش عنقریب عملداری پرگنات فرمود، در عہدِ مرزا باقی (۹۷۴-۹۹۳) ترقی نمود، در عہد میرزا جانی (بیگ) امیر و الاتبار شد[3]۔"

قبیلہ کے چرکس، اور چنگیز خاں کے دشت قبچاق والی شاخ سے تھے، سندھ میں

---

[1] ترخاں نامہ ص۹۵

[2] عکس اور مزید حقیقت دیکھئے میرے مقالہ سندجی تاریخ جا چند واقعہ مہران رسالہ حیدرآباد ۱۹۶۸ء ص۸۵، ص۸۹۔ [3] تحفۃ الکرام ج ۳ ص۲۳۶۔

جب وارد ہوئے تو لاہوری بندر والے ملا جانی کے ہاں ملازم ہوئے جہاں سے عیسیٰ اول نے ان کو اپنے زمرۂ ملازمین میں شامل کرلیا، مرزا عبدالباقی کے فوت ہونے کے بعد جب مرزا جانی کے ہاتھ میں حکومت آئی تو صحیح معنیٰ میں ان کو ترقی حاصل ہوئی خانخاناں اور جانی بیگ کی لڑائی میں سندھ کو مغلوں سے بچانے کے لئے وہ خوب لڑے، اور ترخانی دور ختم ہونے کے بعد جب میرزا غازی کا زمانہ شروع ہوا جسے دراصل سندھ میں مغلوں کے صحیح تسلط شروع ہونے سے پیشتر کا ایک درمیانی اور عبوری وقفہ کہہ سکتے ہیں۔ اس میں خسرو چرکس ہی کا اصل معنوں میں تسلط رہا، میرزا غازی کی عملداری تو برائے نام نشان کے طور پر تھی۔

انتظامی صلاحیتوں، اور ملک داری کی خصوصیات کے علاوہ مورخوں نے ان کے اخلاق و عادات، جودوکرم اور رفاہِ عام کے کاموں کی بڑی تعریف کی ہے، شیخ فرید بکری نے لکھا ہے:

> ۔ او موصوف بصفات حسنہ بود، اولاً زاہد، عابد، متدیّن، فقیر دوست و سخی بے دریغ بود۔ سوال ہیچ کس اصلاً رد نہ نمودہ، وحُسنِ سلوک بمرتبہ داشت کہ اگر دعوائے سرداری میکرد، مردم مطبوع و رغبت سرداری او قبول میکردند و میرزا غازی را از میان بر میداشتند، بنا بران میرزا دست انداختن او قادر نشد[۱]

یہی مصنف آگے چل کر رفاہِ عام کے لئے اُس نے جو کام کئے ان کا اس طرح ذکر کرتا ہے:

> ۔ صاحب خیر و توفیق مثلش کسے درین زمین برنخواستہ، آثارے کہ ازو در سندھ ماندند، احدے

---

[۱] ذخیرۃ الخوانین خطی ص ۱۶۳

ازملوک و امرا برعشرش موقف نشده۔[1]

اسی نوع اور جذبہ کے ساتھ دوسرے مورخوں نے بھی اس کی تعریف کی ہے تحفۃ الکرام کے مصنف نے لکھا ہے کہ خسرو نے ٹھٹہ اور اس کے گردو نواح میں (۳۶۰) عمارتیں بنائیں، جن میں مساجد، تالاب، کنوئیں، مقابر، پُل اور مسافرخانے وغیرہ شامل ہیں، اور ان سب پر بڑی دریا دلی سے اور بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔[2]

اس نیک نہاد کے متعلق ایک آدھ واقعہ بھی نمونتاً تحفۃ الکرام اور مقالات الشعرا میں دیا گیا ہے، اور لکھا ہے کہ ایک مکھی تک کی جان لینے کا روادار نہیں تھا۔

مذکورۂ بالا رفاہی آثار میں سے غالباً بمشکل چند جگہیں اب باقی رہ گئی ہیں، جیسا کہ ٹھٹہ کے محلہ دابگران میں جامع مسجد جو خستگی اور زبوں حالی کے باوجود ساخت کے لحاظ سے اب تک اس دور کی غیر معمولی عمارت شمار کی جاتی ہے، سالِ بنا کتبہ میں ۹۹۷ھ موجود ہے، اس مسجد کے پہلو میں خسرو کی اپنی حویلی تھی اور یہی وہ جامع مسجد ہے جس کے خطیب اور امام سید ابوالمکارم مشہدی جیسے جید عالم اور بزرگ تھے جن کا جب انتقال ہوا ہے تو:

ستون دین فتاد

۱۰۶۵ھ

سے تاریخ نکالی گئی، علامہ مخدوم محمد ہاشم (متوفی ۱۱۷۴ھ) جمعہ کے روز یہیں وعظ فرماتے تھے، ان کے فرزند مخدوم عبداللطیف اور اس کے بعد ان کے صاحبزادے

---

[1] ذخیرۃ الخوانین خطی ص۱۶۳۔

[2] تحفۃ الکرام فارسی مطبوعہ ص۹۱، ۹۲۔

مخدوم محمد ابراہیم بھی اسی مسجد میں یہ فرض بجا لاتے رہے[1]

مکلی پر نہ جانے کتنے مقابر میرزا خسرو نے بنوائے جن میں سے ایک عمارت اب تک اپنی ساخت کے غیر معمولی پن اور منفرد ہونے کی وجہ سے پوری مکلی پر بھاری ہے، لوگ اسے 'ست چڑھنی' کہتے ہیں لیکن دراصل اس نے وہ عمارت اپنے گورستان کے لئے بنوائی تھی، لیکن افسوس ہے کہ اس میں سے دفن ہونا نصیب نہ ہوا[2] میر قانع نے مکلی نامہ میں اس عمارت کی بڑی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ:

رسد اینجا اگر ارواحِ قدسی   شود با زمرهٔ سیار انسی
بنام ایزد، چہ نیکو جائگاہ است   فضایش جملہ پاکیزہ نگاہ است

میرزا خود بھی شاعر، علم دوست اور علم پرور تھا، مقالات الشعراء کے مؤلف نے یہ تین شعر نمونتاً دیئے ہیں:

خسروا! خانی تو در و قتیکہ از خوانِ کرم   ہر صباح و شام میخوانی لبسر اہلِ ہمم
خانیے، درگاہ رب العالمین باشی اگر   از تو ناراضی رود، جانے زتن سوئے عدم
جہد کن، گرد آر، دلہائے خلائق، وانگہے   ہرچہ باشی باش، یکسانست گداؤ محتشم

ان کا سجع امیر خسروؒ دہلوی کا یہ شعر تھا:

خسرو از تو پناہ می طلبد   اے پناہ من و پناہِ ہمہ[3]

میر ابوالقاسم بیگلار خسرو کا دوست تھا، لیکن جب بغاوت کے سلسلے میں

---

[1] اس مسجد کا حال دیکھئے مکلی نامہ میں ص۲۱۱ تا ص۲۱۶۔

[2] اس کا ذکر تحفۃ الکرام اور مکلی نامہ میں ہے۔ دیکھئے مکلی نامہ ص۲۱۶

[3] مقالات الشعرا ص۲۰۰۔

وہ گرفتار ہوا اور اندھا کیا گیا تو خسرو سے غالباً اس لئے شاکی ہو گیا کہ اُس نے کوئی مدد نہیں کی اور ایک طویل نظم شکایتاً کہی جس کے یہ چند اشعار محفوظ رہ گئے ہیں :

نیک بختا! باکسے از بہرِ دنیا بد مباش
چون زمہرِ بے وفا، ہرگز وفا را کس ندید

دل منہ بر طرفِ دنیا! ہرگز اے پیر کہن!
کین زنِ مکارہ، دارد میل بر مردِ جدید

از بنفشہ یاسمن گشتہ، بمویت کن نگاہ
ظلمتِ شب آخر آمد، صبحِ صادق بر دمید

قامتے گویم چو سروے داشتی، اے نوجوان
این زمان از ضعفِ پیری، جانب پستی خمید[1]

اس کے نہادِ نیک اور مزاج کی افتاد کو دیکھ کر میرزا غازی کے دور کے ایک ٹھٹوی مصنف سید عبدالقادر بن سید محمد ہاشم نے ۱۰۱۶ھ میں اپنی کتاب "تذکرۂ حدیقۃ الاولیا" اُس کے نام پر منسوب کی، اور ایک طویل دیباچہ اس کی تعریف و توصیف میں لکھا، مصنف کے دل میں اِس کے لئے جو جذبہ تھا وہ ان اشعار سے واضح ہوتا ہے جو اُس نے اپنے دیباچے میں دیئے ہیں:-

آنکہ آثار صفائے دلش، از چہرہ عیان
نورِ خورشیدِ ہدایت، زجبینش رخشان

وانکہ از فیض سحاب کرم و معدلتش
شد ہمہ عالم و آفاق، چو باغِ رضوان

جمالِ صورت معنیٰ، کمالِ دین و دل
نہالِ دولت و جاہ و گل حدیقۂ جان

خلیل خلق، و مسیحا نفس، علی ہمت
جلیل قدر، و رفیع المکان، عظیم الشان

زہے کریم، کہ دستِ سخاش غارت کرد
ہمہ ذخائرِ بحر و، ہمہ دفائنِ کان

سحاب دستِ نوالش، چو قطرہ بار شود
ز قطرہ قطرہ شود، رشحہ قلزمِ عمان

ازفیضِ نشہ کرمِ او جہانیان
با مایۂ نشاط و طرب ہمدم و ندیم

---

[1] ذخیرۃ الخوانین ص ۱۶۳ ۔

کز حضرت کریم بود نعمت جسیم ——— بر خلق واجب است، دعائے ثنائے او

کہ مانند، تاکہ بنیاد جہاں باد[1] ——— بعہدش، کارہائے یافت بنیاد

جب سندھ پر میرزا عبدالرحیم خان خاناں کا پورا تسلط ہوگیا، اور میرزا جانی کو اس کے امرا کے ساتھ دربارِ اکبری میں لے گیا تو خسرو چرکس بھی ساتھ گیا تھا، اور جب سندھ پھر میرزا جانی کے نام واگزار ہوا اور میرزا جانی نے اپنے تمام امیروں کو واپس کردیا تو خسرو بھی واپس ہوا۔ میرزا جانی نے ان سب کو اپنے بیٹے میرزا غازی کی تعلیم و تربیت کے لئے تاکید کی تھی، خسرو اس کا معتمد خاص تھا ظاہر ہے کہ اس کو خاص طور پر ہدایتیں دی ہوں گی۔ خسرو میرزا غازی کے ابتدائی دور میں معتمد رہا، چنانچہ جب اکبر نے میرزا غازی کو اپنے دربار میں بلایا تو میر ابوالقاسم نمکین کو خاص طور پر لکھا کہ:

"۔۔ فرمان نافذ گشت کہ میرزا غازی را با خسرو خان غلامے۔ کہ معتمد اوست۔ روانہ درگاہ والا سازد۔"[2]

ظاہر ہے کہ میرزا غازی کی تربیت اور تعلیم میں میرزا خسرو کا خاص عمل دخل رہا ہوگا، مابین اختلافات تو اس وقت شروع ہوئے جب کہ میرزا نے امرا کے گٹھ جوڑ کو توڑنے کے لئے، پست اور کم ذات لوگوں کو بلند مراتب پر پہنچانے کی سوچی، میرزا عیسیٰ ثانی اس وقت سندھ سے نکل گیا، بیگلار خاندان سے اس وقت رنجشیں شروع ہوئیں اور دوسرے امرا کے ساتھ ساتھ خسرو کے دل میں بھی میل آگیا۔[3]

---

[1] حدیقۃ الاولیا راقم نے مفصل مقدمہ کے ساتھ شائع کردیا ہے۔

[2] اکبرنامہ ۳: ص ۸۱۶۔

[3] مکلی نامہ میں دیکھئے میرے حواشی ص ۱۹۵۔ ص ۲۳۲ اولاد کا سلسلہ بھی ص ۲۳۲ پر دیا گیا ہے۔

خلدی تتوی

اس شاعر کا تخلص وفاؔری تھا جسے مرزا غازی نے ایک ہزار روپے میں خریدا۔ اس نے اس کے بعد بجائے وفاؔری کے خلدؔی تخلص اختیار کیا۔ میخانہ میں ہے کہ:

"این تخلص را در قندھار از شاعرے کہ صاحب همین تخلص بوده بمبلغ ہزار روپیہ خریدہ۔ و اورا تسلی نمودہ کہ تخلص را بمن واگذار کہ مرا خوش آمدہ است"

چنانچہ:

"آن شخص ہم مفت خود دانستہ زر گرفتہ و تخلص خود را فروختہ"[1]

---

[1] میخانہ لاہور ص ۲۲۹ - چاپ ایران ص ۲۹۳

صاحب ذخیرۃ الخوانین نے اس شاعر کو ٹھٹہ کا بتایا ہے ۔ لکھتا ہے :

"از شاعر تتہ کہ حالا خلدؔی تخلص دارد، بیک ہزار روپیہ خرید ہ "[1]

ذخیرۃ الخوانین کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ شاعر اصل ٹھٹہ کا تھا اور یقیناً مرزا کے ہمراہ یا اس کے جانے کے بعد یہاں سے قندھار پہنچا ہوگا ۔

---

[1] ذخیرۃ الخوانین ص۱۶۵ ۔

داؤد حافظ داؤد بدینیؒ

قصبہ بدین[1] کا باشندہ تھا۔ مرزا غازی کے انتقال سے ایک سال پیشتر ۱۰۳۰ھ میں وفات پائی۔ کسی نے اس مصرعہ سے تاریخ وفات نکالی ہے:

داؤد بدین رفت بفردوس ابد - ۱۰۳۰ھ

صاحب مقالات نے اس کو "ملای متبرک" لکھا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:

دیدہ اندر راہ وصلش بسکہ باشد منتظر
گر غباری خیزد از روی زمین دانم کہ اوست[2]

تحفۃ الکرام میں بھی مصنف نے یہی عبارت لکھی ہے:

"حافظ داؤد ملای متبرک ساکن آنجا (بدین) است
کسے تاریخ خوش مطابق ہزار وسی کسے این مصرعہ یافتہ..."[3]

---

[1] بدین حیدرآباد ضلع میں ایک تاریخی شہر ہے۔

[2] مقالات ص۲۱۲۔ [3] تحفۃ الکرام ص۱۲۷۔

ذہنی، محمد روشن ٹھٹوی

مقالات الشعرا کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"صاحب ذہن روشن می نماید وطبیعت رسا"

لکھا ہے کہ مرزا غازی کا مداح تھا۔ نمونے کا جو شعر دیا ہے وہ مرزا کی مدح میں ہے:

بہ "ذہنی" حاصل است از بی نیازی
وقار از درگہ مرزای غازی

لکھا ہے کہ مرزا غازی کا جب انتقال ہوا تو ذہنی اس صدمہ کی تاب نہ لاسکا اور دنیوی چیزوں کو چھوڑ چھاڑ کر تارک الدنیا ہو گیا۔ اس کا سنہ وفات "مرد ذہنی" سے (۱۰۰۹ھ) نکالا ہے۔ مرزا غازی کا انتقال سنہ ۱۰۲۱ھ میں ہوا۔ سنہ ۱۰۰۶ھ میں اس کے والد مرزا جانی بگ کا انتقال ہوا تھا اور ٹھٹہ کی حکومت مرزا غازی کو ملی تھی۔ قیاس کہتا ہے کہ ذہنی کا سال وفات سنہ ۱۰۲۹ھ ہونا چاہیئے۔ مقالات کے مصنف نے غلطی سے سنہ ۱۰۰۹ھ لکھا ہے[1]۔

---

[1] مقالات الشعرا صفحہ ۲۳۰۔

رشید، ملاّ عبدالرشید بندر لاہری

دراصل یہ وہی ملا عبدالرشید ہیں جنھیں تحفۃ الکرام نے اس نام سے لکھا ہے اور تاریخ طاہری کے مؤلف نے ملا رشید کہا ہے۔ اسی طرح ترخان نامہ کے مؤلف نے بھی ملا رشید ہی مرقوم کیا ہے۔

میرزا غازی کے مصاحب خاص تھے، لاہری بندر[1] سے ٹھٹھ آئے اور میرزا کی حیات تک ان کی خدمت سے جدا نہیں ہوئے، طاہری میں ہے کہ:

> "۔۔۔ ملا رشیدی دران وقت از لاہوری بندر در شہر تتہ عبور داشت۔ و بموجب قصہ خوانی در نظر ایشان گزشت۔ از بسکہ جوہری بود، درعہد طفولیت گوہر اورا بچشم بینائی شناختہ، بمرتبہ تربیت داشت

---

[1] لاہری یا لاہوری بندر ٹھٹھہ کے مغرب میں اس زمانے کا آباد بندر تھا، عالمگیر کے زمانے تک رہا، اس کے بعد اورنا گا بندر نے اس کی جگہ لے لی۔

که در اندک عمر صاحب سامان شد[1]،

وطن کے سلسلے میں قانع نے لکھا ہے کہ وہ لاہوری بندر کے باشندے تھے، عبارت یہ ہے:

— ملا عبدالرشید اصل ساکن بندر لاہری......
بامداد و خرچ مبالغ کلی از موطن اصلش طلبیدہ بخطاب
خانی، سرفراز کردہ۔[2]

طاہری کے عبور داشت، کا سیاق سباق اس کا مظہر ہے کہ ملا صاحب درحقیقت لاہوری بندر کے باشندے نہیں تھے، بلکہ باہر سے لاہوری بندر پر اترے ہوں گے اور سیر و سفر کرتے ہوئے ٹھٹہ سے جب گزرے تو میرزا کی نگاہ جوہر شناس نے ان کو اپنی مصاحبت کے لیے چن لیا۔ ٹھٹہ سے لاہوری بندر کا فاصلہ ہوگا ہی کتنا جہاں سے بلانے کے لیے میرزا غازی کو امداد اور اخراجات کے لیے 'مبالغ کلی' بھجوانے کی ضرورت پڑی ہوگی۔

ترخان نامہ کے مصنف نے وطن کے مسئلے کو واضح کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ: وہ ایرانی الاصل تھے، وہاں سے یہ اور ملا اسد قصہ خوان ساتھ ساتھ فقیروں کی طرح خستہ حالوں میں یہاں وارد ہوئے:

— از ہر طرف مردم صاحب طبع بخدمت او شتافتہ
و درین اثنا جمعی از شعرا، ملا اسد و ملا رشید وغیرہ
در لباس فقرا از ولایت ایران آمدند[3]۔

---

[1] طاہری ص۲۲۴۔ [2] تحفۃ الکرام، ۳: ۲۴۲

[3] ترخان نامہ ص۸۵۔

میرزا نے بقول صاحبِ طاہری : یہاں پہنچتے ہی تھوڑے عرصے کے اندر ان کو "صاحب سامان" کر دیا اور تحفۃ الکرام کے قول کے مطابق ان کو 'خانی' کے خطاب سے بھی سرفراز کیا۔

طاہری نے ملا رشید کو قصہ خوانوں کے زمرے میں شامل کیا ہے، ترخان نامہ نے شعرا کے سلسلے میں ان کا نام لیا ہے اور صاحب تحفۃ الکرام نے واضح الفاظ میں ان کو شعرا کے طبقے میں لکھا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ شعر کے ساتھ ساتھ فقہ میں بھی ان کو شہرت حاصل تھی :

— در فقہ اشہر و در شاعری اظہر بودہ، میرزا غازی صحبت و شعرش را پسند بدہ ۔[1]

تاریخ طاہری کے مولف نے ایک مسئلے کو الجھا دیا ہے، اس نے لکھا ہے کہ مرشد بروجردی ملا رشید کے دوست تھے، ملا کبھی کبھی میرزا کے دربار میں ان کے شعر پڑھا کرتے تھے، آخر کار تحریک پیدا ہوئی اور میرزا نے ان کو بلوانے کی دعوت بھیج دی۔

— گاہ بتقریب، شعر ملا مرشد بخدمت ایشاں میخواندند از بسکہ میرزا اہل دوست بود، انصاف شعرا او میداد تا آنکہ آن اسد بیشہ فصاحت از روی دوستی بار فروشی درمیان آورد، میرزا غازی را بجد برین ساخت کہ غائبانہ پارہ امداد خرچ فرمودہ اورا از ولایت طلب داشت ۔[2]

---

[1] تحفۃ الکرام، ۳ : ۲۴۲ ۔ [2] طاہری ص۲۲۴ ۔

ملا مرشد بروجردی دراصل ملا اسد قصہ خوان کے دوست تھے، جیسا کہ اسد خواہ مرشد کے حالات میں آچکا ہے۔ اور انھیں کی تحریک سے ملا مرشد میرزا کے دربار میں بلائے گئے تھے، جس کا ذکر مرشد نے اپنے قصیدے میں کیا ہے۔

طاہری کی عبارت میں یا تو یہاں چند سطریں ساقط ہیں، یا اس سے غلطی ہوئی ہے، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ملا اسد قصہ خوان اور ملا رشید قصہ خوان ایک ہی شخصیت ہو یعنی ملا عبدالرشید نام اور اسد تخلص ہو۔ ورنہ "اسد بیشۂ فصاحت" کا فقرہ عبارت میں کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ملا عبدالرشید کا کوئی شعر ہمیں نہیں ملا، مندرجہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ دونوں ایک شخصیت نہیں ہیں[1] تو دونوں یہاں ساتھ ہی وارد ہوئے اور میرزا غازی کے پاس ٹھٹہ میں ان کے ہندوستان جانے سے پہلے، یعنی ۱۰۱۲ھ سے چند سال پیشتر پہنچے ہوں گے۔

---

[1] درحقیقت یہ دو جدا جدا شخص ہیں، طاہری کی عبارت میں ملا اسد کے حال کی ایک سطر درمیان سے غائب ہوگئی ہے اور اسد بیشہ فصاحت، ملا رشید کی زد میں آگیا ہے، دیکھئے مرشد اور اسد کے حالات، نیز میخانہ (گلچین معانی) ص ۵۹۹ ص ۶۹۲۔

رضوی، عطاء اللہ کشمیری

گل رعنا نے ان کا ذکر عطائی کے تحت کیا ہے، تقی اوحدی نے رضوی تخلص بیان کیا ہے۔ اور اسی عنوان کے تحت ریاض الشعرا، مجمع النفائس اور صحف ابراہیم نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

سب سے پہلے ان کا ذکر تقی اوحدی نے کیا ہے جس کا ملخص مابعد کے تذکروں نے[1] جس اختصار سے کیا ہے اس سے فقط اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عطاء اللہ نام اور کشمیر ان کا وطن تھا مرزا غازی وقاری کے پاس رہتے تھے، اور ان کے بعد آگرے وارد ہوئے، جہاں غالباً ۲۴ - ۱۰۲۵ھ کے لگ بھگ تقی اوحدی نے ان کو دیکھا ہوگا۔

خان آرزو نے لکھا ہے کہ تقی اوحدی نے ان کو غلطی سے "عین" کے تحت دیا ہے ورنہ دراصل ان کو "رے" کے باب میں لانا چاہیئے تھا[2]

---

[1] ریاض الشعرا، مجمع النفائس، صحف ابراہیم، گل رعنا۔ دیکھیئے تذکرۂ شعرائے کشمیر راقم الحروف ص ۲۷۵۔
[2] مجمع النفائس و صحف ابراہیم (تذکرۂ شعرائے کشمیر ص ۲۷۵)

تقی اوحدی کا تذکرہ سامنے نہیں ہے، باقی تذکروں نے یہ دو شعر نمونتہً دیئے ہیں:

یک شکم سیری بود یا فاقہ، زین بیش نیست　　بی سروسامانی ما و سروسامان ما[1]

زعفران خورداست گوئی، صبحدم از آفتاب　　ورنہ، بیداد است یکدم عمر خندیدن بستن[2]

یہی دو شعر گل رعنا کے مولف شفیق اورنگ آبادی نے بھی دیئے ہیں۔

تقی اوحدی کے بیان سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ رضوی ۱۰۲۱ھ سے پہلے میرزا غازی کے پاس تھے اور ان کی وفات کے بعد دوسرے شعرا کی طرح انھوں نے بھی ہندوستان کے دارالسلطنت کی طرف تلاش روزگار میں رخت سفر باندھا ہوگا، اور اسی زمانے میں تقی اوحدی نے انھیں دیکھا ہوگا۔

---

[1] مجمع النفائس۔　　[2] مجمع النفائس و ریاض الشعرا۔

سروری یزدی

عبدالباقی نہاوندی نے مرشد یزدجردی کے حال میں ان کا نام مرزا غازی کے زمرۂ شعرا میں لیا ہے:

"... محوی اردبیلی و سروری یزدی و ملا اسد.....
و دیگر مستعدانِ ایران بشرفِ آن بختیار (مرزا غازی)
رسیدند"[1]

مولانا محمد شفیع مرحوم نے میخانہ کے تعلیقات میں خوشگو سے یہی عبارت لی ہے لیکن ایمنی یزدی کا لفظ نہیں لکھا[2]

روزِ روشن کے مؤلف نے ان کے متعلق یہ عبارت لکھی ہے:

" سروری یزدی از مردم ممتاز بود و در ملازمت

---

[1] مآثر رحیمی ۳ : ۷۸۵۔

[2] میخانہ لاہور تعلیقات - ۱۱۰۔

شاہ عباس ماضی (۹۸۵ - ۱۰۳۸ھ) عمر بسر نمود، وشاید
سیر کشمیر ہم کردہ کہ در مثنوی خود بتعریف راہِ کشمیر گفتہ:

بپائے کوہ اورا ہے فتادہ — کہ مشکل می رود آنجا پیادہ
بسنگ از بسکہ سنگ است او فتادہ — نباشد راہ یک سوزن، کشادہ
بود ممکن، ازان آندم گذشتن — شتر گر بگذرد، از چشم سوزن
چونا چارت ازان باید گزر کرد — چو موشو، تاتوان زان سر بدر کرد[1]

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس کے علاوہ کسی تذکرے میں سروری کا احوال نہیں ملا اور نہ مرزا غازی سے ان کے تعلق پر مزید روشنی پڑی۔

---

[1] روز روشن ص۲۹۱ تذکرہ سخنوران یزد نے اس تذکرے سے احوال لیا ہے لیکن غلطی سے عنوان سرودی دیا ہے ص۱۵۶۔

سنجر کاشی، میر محمد ہاشم

طباطبائی سید[1] تھے، کاشان میں پیدا ہوئے، ان کے والد میر رفیع الدین حیدر رفیعی معمائی ایران بھر میں مشہور اور معزز تھے، مآثر رحیمی میں ہے کہ محتشم کاشی، مولانا وحشی یزدی، غیرتی شیرازی، فہمی اور حاتم کاشی ان کے ساتھی تھے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے، انھوں نے میر حیدر کی مدح گوئی کی ہے[2]۔

میر حیدر پر شاہ عباس اول (۹۸۵ - ۱۰۳۸ھ) کی ہجو کا الزام لگا، خوف کی وجہ سے وطن چھوڑا اور بقول عبدالباقی نہاوندی (۹۹۹ھ[3]) میں ان کو شاہِ ایران کی طرف سے جو آزار پہنچا اس کی بنا پر..... ہندوستان پہنچ کر مرزا جعفر آصف خاں[4]

---

[1] آتش کدہ ص ۲۴۹ و خیر البیان ۱۳۳۱ ب ۔ [2] مآثر رحیمی ص ۶۲۰ ۔ [3] رحیمی ص ۶۲۱ ۔

[4] مرزا قوام الدین جعفر بیگ بن بدیع الزماں (وزیر کاشان) اکبری دربار کے آصف خاں ثالث تھے، ان سے پہلے ان کے چچا خواجہ غیاث الدین علی قزوینی (متوفی ۹۸۹ھ) آصف خاں ثانی سے ملقب تھے، جعفر بیگ کی وفات (۱۰۲۱ھ) میں ہوئی، جس کے بعد نور جہاں کے بھائی مرزا ابوالحسن (جاری)

کے ذریعے اکبر کا تقرب حاصل کیا۔

میر حیدر اکبر اور جعفر خاں سے بہت سے اخراجات اور اسباب سفر لے کر بقول صاحب خیر البیان ۱۰۱۲ھ[1] میں حج کو روانہ ہوئے اور کیچ و مکران کے حدود میں لٹیروں کے ہاتھوں تمام سامان غارت کرا کے دربار میں واپس لوٹ آئے، چنانچہ دوبارہ اکبر نے ان کو پہلے سے بھی زیادہ زادِ راہ دیکر روانہ کیا۔ سید مجموعی طور پر آٹھ برس[2] ہندوستان میں رہے اور حج سے واپس ہو کر اپنے وطن پہنچے جہاں ۱۰۲۵ھ[3] میں ان کا انتقال ہوا۔

(جاری)
آصف خاں رابع ہوئے۔ جعفر بیگ کو امیر الامرا شریف خاں بن عبد الصمد شیریں رقم سے بتاریخ چہارشنبہ ۳ صفر ۱۰۱۶ھ وزارت عظمیٰ منتقل ہوئی، جب کہ جہانگیر کابل جا رہا تھا۔ دیکھیے: شجرۂ پدری و مادری مرتبہ راقم در تاریخ مظہر شاہجہانی و مآثر الامرا ۱: ص۱۱۱)

[1] یہ سال غلط ہے ایک تو یہ اکبر کے انتقال کا سال ہے، دوسرے یہ ہے کہ اگر سید حیدر ۹۹۹ھ کے بعد واردِ ہند ہوئے اور مجموعی طور پر آٹھ برس قیام رہا تو اس صورت میں وہ (۱۰۰۷ھ) میں گویا دوبارہ حج پر روانہ ہوئے ہوں گے جہاں سے واپسی میں ہندوستان کے بجائے سیدھے وطن چلے گئے، سال ۱۰۰۷ھ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے، مآثر رحیمی میں ہے کہ وہ چار سال مکہ میں رہ کر ۱۰۱۱ھ میں ایران پہنچ گئے (ص۲۲۳) پس اس حساب سے بھی ۱۰۰۷ھ قرینِ قیاس ہے۔

[2] رحیمی ۶۲۲ - ایام توقف ایشان در ہندوستان در ہر دو مرتبہ قریب بہشت سال بلالی شد۔

[3] ان کی وفات کی تاریخ فقط تذکرہ شعرا عبد الغنی میں مرقوم ہے ص۵۹ مرزا ابو تراب بیگ شاعر نے ۱۰۲۵ھ میں انتقال کیا جس کی تاریخ وفات میر حیدر معمائی نے نکالی۔ صد ہزار حیف از ابو تراب۔
۱۰۲۵ھ
(میخانہ ص۱۶۱) گویا میر معمائی مرزا ابو تراب بیگ کے بعد فوت ہوئے لیکن اسی سال ان کی زندگی کا جام بھی لبریز ہو گیا۔ ان کے اشعار کا نمونہ یہ ہے:

دوش بر نعشِ رقیبی رشکہا بردم کہ تو — ہمرہش گریاں تر از اہلِ عزا می آمدی

(جاری)

میر سنجر کے وارد ہندوستان ہونے کے متعلق تین روایتیں ہیں :

(۱) صاحب خیر البیان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے والد کے ساتھ ہی ہندوستان میں وارد ہوئے[۱] - یعنی سنہ ۹۹۹ھ میں آئے -

(۲) مآثر رحیمی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ میر سنجر (سنہ ۱۰۰۰ھ) میں ہندوستان پہنچے -

و - او نیز بتاریخ سنہ الف ہجری بجانب ہندوستان
آمدہ[۲]

(۳) تیسری روایت صاحب میخانہ کی ہے جس میں کہا ہے کہ میر سنجر اس وقت دربار میں وارد ہوئے جب ان کے والد دوسری مرتبہ حج کو جانے لگے - وہ اپنے والد کے ساتھ نہیں گئے ہندوستان کی ہوا اور طرز معاشرت بھا گئی اس لیے وہیں اکبر آباد میں رہ گئے -

---

(جاری)

یک زماں صبر کن اے خستہ گرانجانی چیست ‌ ‌ ‌ گر نیاید بعیادت ، بعزا می آید
دوش خوش مخمور پیراہن قبا می آمدی ‌ ‌ ‌ از کجا می خوردہ بودی ؟ وز کجا می آمدی
اے بہ محنت خانہ ام فرمودہ ، خاموشی چراست ‌ ‌ ‌ گر ہماں باقیست رنجش ، بس چرا می آمدی
نازک دلم اے دوست ! علاجم چہ تواں کرد ‌ ‌ ‌ من عاشقِ معشوق مزاجم ، چہ تواں کرد
عزم سفر یار کرد ، ما زمیان میرویم ‌ ‌ ‌ او اگر از شہر رفت ، ما ز جہان می رویم
آنچہ این نادان دشمن دوست ، با من میکند ‌ ‌ ‌ کافرم ، کافر اگر دشمن بدشمن میکند
ایں صیدِ زبون کیست رفیعی ، کہ درین دام ‌ ‌ ‌ نزدیک بہ مردن شد و صیاد نیامد
چوں شنیدی کز سرِ کویت رفیعی شد بخاک ‌ ‌ ‌ ہیچ رفتی ؟ گریۂ کردی ؟ عزائے داشتی ؟

[۱] خیر البیان ورق الف ۳۳۲ - باوالد ماجد خود بہ ہندوستان افتادہ -

[۲] ص ۳۳۲ -

"... بہ تحقیق پیوستہ کہ پیش از آنکہ سنجر بہ ہند بیاید پدرش میر حیدر بہ ہند آمدہ ...[1]" "و بعد از چند گاہے کہ پدرش ..... بہ ہند آمد او نیز در سن بیست و سہ سالگی بعد از پدر از وطن خروج نمودہ بہ ہندوستان .... آمدہ"[2]

اس کے بعد میر حیدر کے حج کو جانے، لُٹنے اور پھر جانے کے ذکر میں لکھا ہے کہ:

".... خان نکتہ دان میرزا قوام الدین جعفر خان دیگر بارہ بدستورے کہ ذکر کردہ شد ویرا بہ پادشاہ میگزراند و بجہت او انعام می ستاند و ہزار مہر دیگر از سرکار خود می رساند"

لکھا ہے کہ:

"— درین مرتبہ فرزندش سنجر داخل بندگان عرش آشیان شدہ در دار الخلافہ آگرہ نشو و نما نمودہ بود کہ میر حیدر بہ ہندوستان معاودت نمود ..... بعد از رفتن پدر محمد ہاشم (سنجر) در ہند بخدمت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ماندہ"[3]

میر حیدر کے حج پر جانے کے دونوں سال مقرر نہیں کئے جا سکتے، سال ۱۰۰۲ھ میں وہ دربار اکبری میں موجود تھے کیونکہ اس سال فیضی نے اپنی تفسیر ـ سواطع الالہام ـ ختم کی جس کی تاریخ میر حیدر نے سورۂ اخلاص ـ سے نکالی، مآثر رحیمی سے ظاہر ہوتا

---

[1] میخانہ ص۳۲۲ - [2] میخانہ ص۳۲۱ - [3] میخانہ ص۳۲۲ -

ہے کہ باپ بیٹا ہندوستان میں بہت ہی تھوڑی مدت یک جا رہے جس کے بعد باپ دوبارہ حج کو چلا گیا :

د ۔ او نیز بتاریخ سنہ الف ہجری بجانب ہندوستان

آمدہ و پدر را دریافت و اندک زمانے کہ در صحبت

ہم بسر بردند، بندگان میر را ارادہ سفر حجاز و مکہ معظمہ

در خاطر مصمم گشت ..... الخ[1]

اوپر کے بیانات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ میر حیدر سنہ ۹۹۹ھ میں یہاں وارد ہوئے اور سنہ ۱۰۰۰ھ تک ہندوستان میں رہے، سال سنہ ۱۰۰۲ھ کے بعد پہلی مرتبہ حج کے ارادے سے چلے اور لٹ لٹا کر واپس آئے اور (۶-۱۰۰۷ھ) کے لگ بھگ دوبارہ یہاں سے روانہ ہوئے ۔

میر سنجر سنہ ۱۰۰۰ھ میں نہیں بلکہ سنہ ۱۰۰۲ھ کے بعد ہندوستان پہنچے، عین ممکن ہے کہ (سنہ ۱۰۰۵ھ) کے قریب پہنچے ہوں چند ماہ یا زیادہ سے زیادہ ایک سال باپ کے ساتھ اکٹھے آگرے میں رہے اور (سنہ ۱۰۰۶ھ) کے آخر یا (سنہ ۱۰۰۵ھ) کے شروع میں ان کے والد دوسری دفعہ حج کو راہی ہو گئے ۔

میر معمائی اگر (سنہ ۹۹۹ھ) میں ہندوستان وارد ہوئے اور سیدھے دربار میں پہنچے تو وہ یقیناً سندھ وارد ہوئے ہوں گے، یہاں کے اوضاع خراب دیکھ کر آگرے نہیں بلکہ لاہور میں جا کر اکبر کے دربار میں رسائی کی کوشش کی ہوگی ۔ یہ وہ دور تھا جب کہ (سنہ ۹۹۹ھ) میں خان خاناں نے میرزا جانی بیگ پر لاہور سے لشکر کشی کی اور بادشاہ اس وقت وہیں لاہور میں منزل انداز اور سندھ کی فتح کا منتظر تھا ۔

---

[1] رحیمی ص ۳۳۷ ۔

میر سنجر کاشی باپ کے بعد جلد ہی (۱۰۰۰ھ) یا (۱۰۰۲ھ) میں عازمِ ہند ہوئے سندھ ۱۰۰۰ھ میں فتح ہو چکا تھا، (۱۰۰۲ھ) میں میرزا جانی بیگ خان خاناں کے زیر نگرانی اپنے شکست خوردہ امرا کے ساتھ سندھ کو الوداع کہہ کر شاہی دربار کی طرف نکل گیا تھا، اور پیچھے ان کا اکلوتا بیٹا میرزا غازی، جو کہ ابھی نوجوانی کے عالم میں قدم رکھا تھا، موجود تھا،

میر غلام علی آزاد نے میر سنجر کے لیے سروِ آزاد میں لکھا ہے کہ:

"۔۔۔ در سلک ملازمان اکبر بادشاہ انتظام داشت و قصائد فراوان در ثنا طرازئ بادشاہ و شہزادہا و امراء اکبری بنظم آوردہ با میرزا جانی والئ تتہ نیز مربوط بود و زبان بمداحی میرزا جانی و میرزا غازی وقاری کشود۔"[1]

اسی مصنف نے اپنی دوسری تصنیف خزانۂ عامرہ میں لکھا ہے:

"۔۔۔ و با میرزا جانی والئ تتہ و پسرش مرزا غازی بسیار ارتباط داشت و مدح پدر و پسر را بر جریدۂ روزگار می نگاشت"[2]،

چونکہ ابھی بہت سے تذکرے غیر مطبوعہ اور دسترس سے باہر ہیں اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ اس سلسلے میں میر آزاد کے پیشِ نظر کون سا ماخذ تھا، لیکن عبارتوں سے ظاہر ہے کہ میر سنجر کاشی کا میرزا جانی بیگ اور اس کے بیٹے میرزا غازی بیگ دونوں سے بہت ارتباط تھا۔ بلکہ میرزا جانی سے وہ مربوط بھی رہے،

---

[1] سروِ آزاد ص ۲۶ - [2] خزانۂ عامرہ ص ۲۵۹ -

ہمارے خیال میں میر سنجر کے اس ارتباط کی ابتدا دراصل ان کے والد میر حیدر معمائی نے کی ہوگی، جب کہ وہ (۹۹۹ھ) میں ایران سے آتے ہوئے پہلے لاہوری بندر پر اتر کر ٹھٹہ پہنچے ہوں گے، یقیناً جانی بیگ سے ان کی ملاقات ہوئی ہوگی اور پھر سندھ پر حملے کی روئداد سن کر فوری انھوں نے شاہی دربار کا دامن پکڑنے کے لیے، لاہور کا رُخ کیا ہوگا، میرزا جانی سے ہندوستان میں بھی ارتباط اور ملاقاتیں رہی ہوں گی کیونکہ دونوں اکبری دربار میں موجود تھے۔

میر سنجر بھی ہندوستان پہنچنے کے لیے اسی راستہ سے پہلے سندھ میں وارد ہوئے اور میرزا غازی سے ارتباط بھی پیدا کیا ہوگا، پھر ہندوستان پہنچ کر میرزا جانی بیگ سے ملے ہوں گے۔ شہزادوں اور اُمرا کے متعلق جہاں میر سنجر نے بہت سے قصیدے کہے وہاں طبیعی امر ہے کہ ان باپ بیٹے کو بھی وہ نہیں بھولے،

یہ بات یاد رہنی چاہیئے کہ میرزا جانی جب تک جیا (۱۰۰۹ھ) اس وقت تک اکبری دربار میں بھی اپنے مخصوص طرز اور بڑے ٹھاٹھ سے زندگی گزاری، شہزادوں سے کم حیثیت نہیں رکھی، اگرچہ مفتوح تھا لیکن اپنی سلطانی آن بان نہیں چھوڑی، اکبر نے جب آسیر کا قلعہ فتح کیا اور بہادر خاں (۱۰۰۵ - ۱۰۰۸ھ) پیش ہوا تو جانی بیگ نے کہا کہ: "اگر میرے پاس اس قسم کا قلعہ ہوتا تو اکبر کو کبھی طاقت نہ ہوتی کہ مجھے مفتوح بناتا!"[1] اکبر نے اپنے خاص گویئے تان سین کو اس کے پاس جاکر گانے کا حکم دیا، جانی بیگ سمجھ گیا کہ اکبر کو اس سے میری سبکی اور رسوائی مطلوب ہے، تان سین نے جب گانا ختم کیا تو جانی بیگ اٹھا اور کہا کہ: "اے فنکار میں مفتوح ہوں! ظاہر ہے کہ تجھ پر نثار کرنے کو جو کچھ میرا دل چاہتا ہے، وہ نہیں ہے، لہٰذا میں اپنے آپ کو تجھ پر نثار کرتا ہوں!" یہ کہہ کر جانی بیگ نے تان سین کے گرد سات مرتبہ گردش کی، تان سین باچشم نم اٹھا اور سیدھے ہاتھ سے جانی بیگ کے سامنے کورنش ادا کرتے ہوئے کہا کہ: "اے سردار! میں نے

---

[1] ذخیرۃ الخوانین

بھی آج تک کسی کو سیدھے ہاتھ سلام نہیں کیا، آج تجھے سلام کر رہا ہوں کہ تو ہی اس کا مستحق ہے[1]!"

ظاہر ہے کہ ایسے قدردان سلطان اور اس کے جانشین کے لیے سنجر جیسے شگفتہ مزاج اور آزاد منش شاعر نے کیوں نہ کہا ہوگا۔ علاوہ ازیں میرزا غازی اور سنجر کی طبیعتوں اور مزاج میں بھی کئی باتوں میں یکسانیت اور ہم آہنگی تھی۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے سنجر نے میرزا غازی سے ایران وارد ہوتے ہوئے ٹھٹھ میں پہنچ کر وابستگی پیدا کرلی ہوگی، اور کچھ عرصے اس کے یہاں رہے بھی ہوں گے، کیونکہ ان کے والد سفرِ حج سے لٹ لٹا کر واپس آگرے آئے اور جب دوسری مرتبہ جانے لگے تو اس سے قدرے پیشتر سنجر آگرے پہنچے۔ گویا (۱۰۰۲ھ) سے لے کر (۱۰۰۶ھ) کا عرصہ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے میرزا غازی جیسے خوبصورت اور نوخیز امیرزادے کی محفل میں بسر کیا ہو۔ ویسے سنجر خود بادہ خوار عاشق مزاج اور امرد پرست تھے[2]۔

میرزا غازی کے والد جانی بیگ (۱۰۰۹ھ) میں فوت ہوئے، عین ممکن ہے میرزا غازی کی آشنائی کی وجہ سے میر سنجر نے ہندوستان پہنچ کر ان سے بھی راہ و رسم پیدا کرلی ہو اور وہیں ان کے متعلق قصیدے کہے ہوں۔ میرزا غازی کے لیے تو میر سنجر نے نہ فقط یہاں سندھ میں اور ہندوستان میں رہ کر قصائد لکھے ہوں گے بلکہ یقیناً بیجاپور جاکر بھی ان کی مدح میں قصیدے تصنیف کئے ہوں گے اور وہاں سے ان کو سندھ، ہند اور پھر قندھار بھیجتے رہے ہوں گے۔

میر حیدر کے چلے جانے کے فوراً ہی بعد (غالباً ۱۰۰۸ھ) کے لگ بھگ

---

[1] مقالات الشعرا ص ۱۴۲۔

[2] دیکھیے رحیمی ص ۲۳۲۔

میر سنجر شاہی عتاب میں آ گئے، اور کچھ عرصہ[1] گجرات میں راجہ سورج سنگھ کے پاس نظر بندی میں رہے، اور جب آزاد ہوئے تو عافیت اور عاقبت کی خیریت سوچ کر سورت بندر سے کشتی میں سوار ہو کر سیدھے بیجاپور پہنچ گئے جہاں شاہ نواز خاں کے ذریعے ابراہیم عادل شاہی ثانی (۹۸۷ - ۱۰۳۵ھ) کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے۔[2]

غالباً فراغت اور فارغ البالی کے ایام وہی تھے جو بیجاپور میں میر سنجر نے گزارے، باپ ایران میں شاہ عباس ماضی (۹۸۵ - ۱۰۳۸ھ) کے پاس تھے ہی، شاہ نے ان کو بھی ایران آنے کا بلاوا بھیجا، خلعت اور زاد راہ بھی بھیج دیا، میر سنجر نے اپنے باپ کو غالباً بیجاپور سے سترہ بیت کا قطعہ لکھ کر ایران بھیجا تھا، عین ممکن ہے کہ یہی قطعہ باعث بنا ہو کہ باپ نے شاہ سے عرض کیا ہو اور شاہ نے میر کے لیے حکم صادر کیا ہو، میر آزاد نے دو شعر اس قطعہ کے لکھے ہیں:

پدرا! صاحبا! خدا وندا | اے تو، مر بندہ را خدائے دوم
دعوتت، از دعائے حق، واجب | خدمتت، از نماز فرض، اہم[3]

بہر حال میر سنجر ابھی تیاریوں ہی میں مصروف تھے کہ پیغام اجل آن پہنچا اور غریب غریب الدیار ہو کر ملک ایران کے بجائے ملک عدم جا پہنچے۔

صاحب میخانہ نے لکھا ہے کہ میخواری نے صحت کو تباہ کر رکھا تھا، شراب چھوڑی تو ضعف بڑھ گیا اور تیاریوں میں تھے کہ اسہال شروع ہو گئے، اور دو دن کے بعد (۱۰۲۱ھ) میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

---

[1] عبدالباقی نے 'مدت مدید' لکھا ہے لیکن ہمارے خیال میں یہ 'مدت مدید' ایک سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ (۴۰۳)، عتاب کی وجہ بیان نہیں کی گئی۔

[2] سورج سنگھ راجہ اودے سنگھ راٹھور کا بیٹا اور راجہ مالدیو کا پوتا تھا، اجمیر، جودھپور، سروہی (جاری)

باقر خورده نے تاریخ کہی:

سنجر زسر نہاد، تمنائے سروری — بے پادشاہ ماند، جہانِ سخنوری

تاریخِ او، بتعمیہ گفتم، بوالدشش — افگند۔ پادشاہِ سخن۔ چترِ سنجری

۱۰۲۱ : ۲ - ۱۰۲۳ھ

صاحبِ میخانہ نے غلطی سے سال ثلث عشرین والف (۱۰۲۳ھ) لکھا ہے، اور پھر یہی تاریخ بھی نقل کی ہے، یہ کتابت کی سہو معلوم ہوتی ہے، مآثر رحیمی نے بھی یہی سال (۱۰۲۱ھ) لکھا ہے:

"۔۔۔ درہماں چندروز کہ سنہ ہزار و بیست و یک ہجری بوده"

(جاری) ناگور اور بیکانیر ان کے حلقے میں تھا۔ نسب یوں ہے:

(راجہ مالدیو)
|
راجہ اودے سنگھ عرف موٹا راجہ متوفی (۱۰۰۲ھ)

- مان متی — زوجہ سلطان سلیم (جہانگیر پادشاہ) — شاہ جہاں بادشاہ
- راجہ سورج سنگھ متوفی (۱۰۲۸ھ) — راجہ گج سنگھ

راجہ سورج سنگھ پہلے مراد کے ساتھ منسلک رہا اور پھر دانیال کے ساتھ۔ گجرات اور دکن کی مہمات پر متعدد بار مامور ہوا، بیالیسویں سال اکبری (۴ - ۱۰۰۵ھ) میں گجرات متعین ہوا، سینتالیسویں سال (۷ - ۱۰۰۸ھ) میں دکن گیا، اڑتالیسویں سال (۱۰ - ۱۰۱۱ھ) میں دوبارہ دکن گیا جہاں سے تیسرے سال جہانگیری میں (۱۰۱۶-۱۰۱۷ھ) دربار میں واپس پہنچا (مآثر الامراء: ۲ ص ۱۷۶ اور امرائے ہنود ص ۲۶۵)

۳ خزانۂ عامرہ ص ۲۶۱ وطن جانے کی کشش کے سلسلے میں دیکھئے میخانہ کی عبارت ص ۳۲۳۔

باشد در بیجاپور از دارِ فنا بعالمِ بقا خرامید[۱]

خزانۂ عامرہ اور سروِ آزاد میں بھی یہی سال ہے[۲] - مولوی ہدایت حسین نے مآثرِ رحیمی کے حاشیے میں میخانہ پر اعتراض کیا ہے ، اور لکھا ہے کہ آئین اکبری ترجمہ بلاخمن[۳] کی تحقیق کی رو سے سال (۱۰۲۱ھ) صحیح ہے[۴] - اور اتفاق کی بات ہے کہ اس کے ممدوح مرزا غازی ترخان نے بھی اسی سال اس دارِ فانی سے کوچ کیا - میر سنجر وہیں بیجاپور میں "تال شاپور" کے کنارے مدفون ہوئے اور چار سال کے بعد ملک قمی فوت ہوئے تو ، حسب وصیت ان کو بھی میر سنجر کے مقبرے میں سپرد خاک کیا گیا ، انھوں نے خود ہی وصیت کی تھی اور اہلی شیرازی کا یہ شعر کہا تھا :

جایم بروزِ واقعہ پہلوئے اوکنید — او قبلۂ منست ، رخم سوئے اوکنید[۵]

ہندوستان میں ان کی آمد اگر (۱۰۰۰ھ) میں بعمر ۲۳ سالگی مان لی جائے تو ان کی ولادت (۹۷۷ھ) میں ہوئی ہوگی اور وفات کے وقت اس حساب کی رو سے وہ چوالیس سال کے ہونے چاہئیں نہ کہ اکتالیس کے جیسا کہ صاحب میخانہ نے لکھا ہے کہ :

د۔ درسن چہل و یک سالگی داعیٔ اجل را......[۶]

---

[۱] مآثرِ رحیمی ۳ : ۷۳۵ - [۲] خزانہ ص ۲۵۹ ، سرو ص ۲۷ - [۳] بلاخمن ص ۵۹۵ - [۴] رحیمی حاشیہ ص ۷۳۵ - [۵] میخانہ ص ۳۵۳ ص ۳۵۴ - اہلی شیرازی حافظ کے قریب دفن ہیں -

[۶] میخانہ ص ۳۴۲ میر سنجر کے ایک بھائی میر معصوم تھے ، پہلے حاکم ہرات حسن خاں شاملو سے وابستہ رہے بعد میں شاہجہاں کے دور میں ہند میں وارد ہوئے اور اعظم خاں حاکم بنگالہ کے ساتھ وابستہ ہوگئے ، انھوں نے (۱۰۵۲ھ) میں انتقال کیا ، محمد علی ماہر نے تاریخ کہی :

معصوم نزد حیدر و سنجر قدم نہاد

کسی اور نے تعمیہ کے ساتھ کہا :

(جاری)

میخانہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ آگرے کے قیام تک انھوں نے بارہ ہزار اشعار پر مشتمل دیوان تیار کر لیا تھا۔ بیجاپور جا کر جو کچھ لکھا ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے۔

تمام تذکرہ نویس سنجر کی شاعری کی تعریف کرتے ہیں، صاحبِ میخانہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

"۔ بعد از عرفی در استعارہ کردن بہ از و مرتکب این شیوہ نشدہ بعضے از اعزہ او را درین فن کمتر از عرفی نمی دانند [1]"

خیر البیان کے مؤلف نے جو کہ اس کا معاصر (۱۰۱۹ھ) ہے، لکھا ہے:

"۔ امید کہ بمطالب ارجمند فایز گردد و از عمر و جوانی برخوردار بود، سخنانِ اثر ناکِ او کہ پیراستۂ نتیجۂ عشق و محبت است، بعرصۂ معنی منتشر گردیدہ، محبوب خاطر خواص و عوام باشد [2]"

نہاوندی نے مخالف و موافق رائیں لکھی ہیں اپنی طرف سے کہا ہے کہ:

"۔ الحق ابیات عالیہ بیش از وصف دارد، و طالع شہرت عجیبے بآنہا ہست، و اکثر آن ابیات در صفائی خاطر خوش

(جاری)

ز گلشنِ نظم شد محمد معصوم — او پر توے فکر می افشاند

یہ تین شعر خزانۂ عامرہ میں ہیں:

کسیکہ گلشن کوئے ترا و داغ کند — اگر بہ نکہتِ گل برخورد صداع کند

آں خالِ عنبریں، کہ نگارم بروزدہ — دل میبرد ازاں کہ بوجہ نکو زدہ

حرام باد بمعصوم ذوقِ عشق اگر — بغل کشادہ در آغوش نیشتر نرود ص۲۶۱

[1] میخانہ ص۳۲۲ ۔ [2] خیر البیان ورق ۳۳۲ الف ۔

نہماں و مستعدان منقوش است ۔[۱]

دیوان ہماری دسترس میں نہیں ہے ورنہ ممکن ہے کہ ہمیں معلوم ہو جاتا کہ انھوں نے میرزا جانی بیگ اور میرزا غازی بیگ کے لیے کن جذبات کا اظہار کیا ہے اور ان کے لیے کہے ہوئے اشعار یا قصائد کا کیا رنگ ہے۔[۲]

تذکروں میں ان کے اشعار ملتے ہیں، میخانہ میں ان کا ساقی نامہ وغیرہ موجود ہے، ہم نموتاً یہاں ان کے کچھ اشعار دے رہے ہیں:

مرا کجاست پر و بال قرب شعلۂ حسن — ہمین بس است کہ پروانہ ام سپند ترا

برگ سبزے ہم نیاوردی زہے بے طالعی — از گلستانے کہ، ہرکس گل بدامن میکند

ہمین ترانۂ حسرت، ز تار می آید — کہ بزم، بے مے رنگین، چہ کار می آید

اگر طفلِ نگاہم دیدہ گستاخانہ، بررویت — کرم فرما کہ بر نادان، کسے ایراد کم گیرد

اگرچہ کار تو، غیر از جفا نمی باشد — وظیفۂ دلِ ما، جز دعا نمی باشد

شرم باد از اہلِ مجلس سنجرِ بیقدر را — تا بکے ناخواندہ آید؟ چند بے رخصت رود؟

جمعے کہ از تقرب او، گفتگو کنند — ترسم خجل شوند، اگر رو برو کنند

ما خود ز آرزو، بہ شہادت رسیدہ ایم — خوبان صواب نیست، کہ فکرِ دیت کنند

با من، سخنے از برہمن و شیخ، مگوئید — آنم کہ، نہ بتخانہ شناسم نہ حرم را

نہ تابِ دیدن و نے طاقت شکیبائی است — تو چون نقاب کشی، رحم بر تماشائی است

محققان، کہ ز دریائے علم، درجوش اند — چو کوہ، تا نہ کنی شان سوال، خاموش اند

۱؎ رحیمی ص۳۶۰۔ ۲؎ دیوان کا ایک نسخہ تہران میں کتب خانۂ ملی ملک کی ملک ہے (شمارہ ۵۱۵۸) اور دوسرا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں موجود ہے جو مولوی ہدایت حسین کے سامنے رہا ہے، اس کا نمبر ۵۱۳ ہے، ایک نسخہ اسپرنگر کے ہاں ۵۲۳ نمبر پر ہے، دیکھیے ص۵۰۔

آتشِ خرمنِ منی، شبنم کشتِ دیگران — دوزخِ من چرا شدی اے تو بہشتِ دیگران

الماس بدل پاشم و منت کشم از خود — من لذتِ این زخم، بسوزن نہ پسندم

اگر از دامنِ محمل کشیدم دست بیتابی — بہ پائے ناقہ اُفتم، بہ گردِ ساربان گشتم

اے غمِ ہجر بیش ازین، جائے تو نیست در دلم — یا بگذر ازین سرا، یا بنما قبالہ را

نیست اورا سرِ آزادیٔ این مرغِ اسیر — ورنہ صد مرتبہ گرداند، بگردِ سرِ خویش

این زمان بے نسبتم سنجر، وگرنہ پیش ازین — دستِ من در زلفِ او گستاخ تر از شانہ بود[له]

بے لختِ جگر، از مژہ برگشت، سرشکم — شرمندہ تر، از قاصدِ گم کردہ کتابت

وقت است کہ چون صبح ببالین من آئی — شمعِ سحرم، یکدو نفس بیش ندارم

یکشب چراغِ خلوتِ ما میتوان شدن — تا کے چو صبح خندہ توان زد بشامِ ما

داغم بہ نمک خشک شد و زخم بہ الماس — آگہ کن ازین تجربہ مرہم طلبان را[٢]

بہ اندک کوششے، یوسف فروشان — زلیخا، مصر را در بستہ می داد

من غافل و او مست و زمین تشنۂ خون بود — از خانہ برون آمدنم صبح شگون بود

مے در سر و شورِ تو بدل، چون ندرد جیب — جرم از طرفِ دیگر و بدنام جنون بود

ندیدہ صورتِ خود، میکشد بناز مرا — ز آب و آئینہ اورا، خدا نگہ دارد

ما گذشتیم ز صد کعبہ، و این نوسفران — ہمہ گوشند کہ، بانگِ جرسے برخیزد!

آشیان سوختۂ، آن مرغِ شگون بد شدہ ام — کہ ز ہر شاخ، فغانِ قفسے برخیزد

از مرگِ خود، بخصم خبر بردہ ایم ما — رشک از دلِ حسود بدر بُردہ ایم ما

شبہا در انتظارِ تو، ہردم ز برقِ آہ — شمعے بہ پیشِ بادِ سحر بردہ ایم ما

تحصیلِ علم ما، بہ ادیب و سبق نہ شد — فیضِ ازل، ز پندِ پدر، بردہ ایم ما

له انتخاب از خزانۂ عامرہ و سروِ آزاد ۔ ٢ شمعِ انجمن ص۱۹۸۔

از گریہ، سبز شد چمنِ انتظارِ ما / گلہائے غم، شگفت ز باغ و بہارِ ما
دنبالِ ما متاز، کہ ما صیدِ لاغریم / فتراک سرخرو نشود، از شکارِ ما
بر گردِ بادِ آہِ اسیران، نشستہ ایم / بر دامنِ کسے، نہ نشیند غبارِ ما

من آن نیم، کہ نسیمِ گلم فریب دہد / بہ آشنائیٔ بلبل، مگر بباغ روم

امروز، بآزادیٔ من، رشک برد سرو / آن رفت کہ چون فاختہ طوقم بہ گلو بود

آتشین روئے کہ مے در جام بلبل میکند / از کمندِ زلف، پیوندی بہ سنبل میکند
تازہ عاشق گشتہ! از گریہ نتوان باز داشت / دیدۂ نو کیسہ ام، عرضِ تجمل میکند

عشق، روزے کہ بخون ریختن، از جا برخاست / شیون اول، ز در و بامِ مسیحا برخاست

تا با خبرش ساختہ ام بستہ لب از شرم / دیریست کہ گوشم ز زبانم گلہ دارد

در سینہ کند، آنچہ بآہن، نہ پسندم / از دوست کشم، آنچہ بدشمن، نہ پسندم
ہر گریہ کہ خیزد ز جگر، در مژہ دزدم / این آتشِ سوزندہ بدامن نہ پسندم
افسوں مدم اے شیخ کہ من سنجر مستم / آئینِ تو و کیشِ برہمن نہ پسندم

روزِ مرا چو شامِ غریبان سیاہ کرد / اے پارسا! ملاحظہ زان زلفِ تیرہ کن
ناموس دودمانِ ادب را بباد داد / سنجر یکے نصیحت این چشم خیرہ کن

سنجر شہید گشتۂ و زخمے نخوردہ است / رسمِ نوی گذاشتہ در دودمانِ ما

در طالعِ من نیست بر افشاندنِ بالے / از دام گر آزاد شوم، در قفس افتم

سنجر! نفسِ گرمِ تو، فولاد گداز است / آنجا کہ توئی، سنگ بصد نرمیٔ موم است[1]

---

[1] خیر البیان ورق ۳۳۲ الف تا ۳۳۳ الف، اس کے علاوہ میخانہ اور ماثر رحیمی دیکھنا چاہیئے
میخانہ چاپ گلچیں کے حاشیے میں آقارے معانی نے خوشگو کے حوالے سے لکھا ہے، کہ میر سنجر کا ایک
بیٹا تھا جو یہیں پیدا ہوا اور یہیں فوت ہوا، افسر نام اور لقب سید العارفین تھا (میخانہ ص ۳۴۲) سنجر
نے اپنے اس بیٹے کو ساقی نامہ میں مخاطب کیا ہے۔ (میخانہ ص ۳۴۳)

یکبار بخوان سوئے خودم، گرچہ نخواہی — شرطیست کہ، دیر آیم و بسیار نباشم

بوالفضولیہائے غیر، امشب ز رشکم کشتہ بود — خوب کردم، زود خود را بر تغافل داشتم

گرفتاران دلِ غمگین پسندند — ملولان جبہۂ پُرچین پسندند

یدِ بیضا کلیم اللّٰہیان را — حریفان ساعدِ سیمین پسندند

متاعِ کفر و دین بے مشتری نیست — گروہے آن، گروہے این پسندند

در روزگارِ عشقِ تو من ہم فنا شدم — افسوس کز قبیلۂ مجنون کسے نماند

نگاہے را بصد جاں می فروشند — بجزا اے دل! کہ ارزان می فروشند

بسودائے قدِ او باغبان سرو — بیابان در بیابان می فروشند

در ہمہ بزم یکے سوختہ جاں می جُستم — شمع برخاست باین دعوی و تنہا برخاست

طاقتِ دیدنِ خورشید ندارد ہمہ کس — بنشینید! کہ سنجر بہ تماشا برخاست[1]

---

[1] انتخاب از خلاصۃ الاشعار مرسلہ آقائے گلچین معانی۔

شاہد، محمد شریف ٹھٹوی

صاحب مقالات الشعرا نے لکھا ہے کہ بے حد حسین و جمیل تھا، اس وصف میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اس کے دیدار کے لیے خاص و عام کا ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ شعر اچھا کہتا تھا اور فصیح اللسان تھا۔ ایک مغل کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ مقالات میں لکھا ہے کہ:

"بدست مغلی در زمانۂ ایالت مرزا غازی، در مجمعی کہ جمعی از ارغون و مغل خواہانِ اختلاط وی بودند بہ شمع شبستان روحانیان شد۔"

بطور نمونہ اس کے کلام کا ایک ہی شعر دیا ہے:

نیست در ملک سخن رسم امانت داری
کامل آن ست کہ در معنی بیگانہ برد[1]

---

[1] مقالات صفحہ ۳۳۳

شانی تکلو، ملّا نفیس الدین

عبدالباقی نہاوندی نے ان کو 'حسان الزمانی ملا شانی' کے نام سے یاد کیا ہے، اور مرشد یزد جردی کے حالات میں جہاں میرزا غازی سے اس کے تعلق کا اظہار کیا ہے وہیں لکھا ہے کہ:

"..... و احسانی کہ بمستعدان عراق و خراسان نمودہ زیادہ از حد و حساب است۔ چنانچہ مبلغین کلی بجہت حسان الزمانی ملا شانی تکلو و مرزا فصیحی انصاری بخراسان فرستادند، و ایشان نیز بہ شکرانۂ آن احسان قصائد غرا گفتہ فرستادند.....[1]"

مولانا محمد شفیع نے تقریباً یہی عبارت خوشگو سے نقل کی ہے:

"..... اور مستعدان عراق و خراسان مثلاً ملا شانی اور میرزا

---

[1] مآثر رحیمی ۱/۷۸۱ - ۷۸۸ -

فصیحی انصاری[1] کو حکم طلبی پہنچا، گو وہ خود نہ آسکے، انھوں نے قصائد بھیجے[2]،

مولانا فصیحی ملا شانی کے کمال کے بہت معترف تھے اور بقول صاحب سرو آزاد انھوں نے ان کی مدح میں ایک طویل قطعہ لکھا تھا جس کے اشعار یہ ہیں:

صبا! بکوئے دل آشفتگان عشق گذر — زمین ببوس، اگر آسمان دہد دستور
بگو بمردکے دیدۂ ہنر شانی — کہ: اے ضمیر تو چون چشم عقل سایۂ نور
تو آن مسیح مقامی کہ، ملکِ معنی را — بیاضِ جبہۂ کلکِ تو، صبح گاہِ نشور[3]

شانی اگرچہ غازی کے دربار میں پہنچ نہ سکے لیکن مولانا فصیحی ہروی کی طرح گھر بیٹھے ان سے انعامات اور صلہ پاتے رہے۔

ملا شانی کے حالات دو معاصر تذکروں میں قدرے وضاحت سے ملتے ہیں، بعد کے تذکرہ نگاروں نے چند سطروں پر اکتفا کیا ہے۔ ان معاصر تذکرہ نگاروں میں سب سے پہلا تذکرہ نگار "خیر البیان" کا مؤلف ملک شاہ حسین ہے جو "احیاء الملوک" تاریخ سیستان کا مصنف بھی ہے، اس نے لکھا ہے کہ مولانا شانی تکلو کا منشا و مولد ہراۃ ہے، وہیں انھوں نے نشو و نما پائی اور شاہ عباس ماضی کی مداحی اور ثنا گستری کرتے رہے، قصائد میں جب یہ شعر شاہ کے سامنے پڑھا تو بہت خوش ہو کر ان کو زر میں تلوایا:

اگر دشمن کشد ساغر و گر دوست — بطاقِ ابروئے مردانۂ اوست

اسی طرح شاہ سے ہمیشہ خوب صلے پاتے رہے اور فراواں رقمیں ان کو میسر ہوتی رہیں۔

ان کا تعلق قزلباش کے قبیلہ تکلو سے ہے، مؤلف نے لکھا ہے کہ وہ اب یعنی (۱۰۱۸ھ) میں مشہدِ مقدس میں مجاوری کر رہے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ مؤلف نے حسب اپنا یہ

---

[1] دیکھئے فصیحی انصاری۔ [2] میخانہ تعلیقات شفیع ص۱۱۱۔ [3] سرو آزاد ص۲۵۔

تذکرہ (۱۰۱۹ھ) میں ختم کیا، اس پر ابھی نظر ثانی نہیں کی تھی کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہوگئی اور ان کو علاج کے لیے بتاریخ غرّہ ربیع الاول سال (۱۰۲۵ھ) میں ہراۃ آکر ٹھہرنا پڑا اور خانہ نشین ہوگئے اس وقت تنہائی کو دور کرنے کی خاطر تذکرہ پڑھواتے گئے اصلاح اور اضافہ کرتے رہے اور اشعار پہلے سے دوگنے انداز میں شامل کر دیئے۔

اسی دور میں دیوان شانی تکلو بھی ان کے سامنے رہا، پہلے تو انھوں نے ایک ہزار اشعار اس سے انتخاب کرکے اس پر دیباچہ اور خاتمہ لکھا، پھر اسی انتخاب سے تین سو شعر منتخب کرکے اپنے تذکرے میں شامل کر لئے۔ گویا پہلے کے انتخاب شدہ اشعار پر ان تین سو اشعار کا اضافہ ہے[1]۔

جہاں تک ذاتی حالات کا تعلق ہے، ملک حسین نے بھی کچھ دیئے ہیں، اسی زمانے کا دوسرا معاصر تقؔی کاشی مؤلف خلاصۃ الاشعار (۹۸۵ - ۹۹۳ - ۱۰۱۶) ہے جس نے حالات کے علاوہ (۳۸۰) اشعار درج کئے ہیں۔ خیرالبیان یا خلاصۃ الاشعار دونوں تذکرے غیر مطبوعہ، نادرالوجود اور عمومی دسترس سے باہر ہیں، اس لیے جو کچھ ان میں ملتا ہے اس کا ضروری خلاصہ یہاں دینا ضروری ہے، تقؔی کاشی غالباً پہلا شخص ہے جس نے مولانا شانی تکلو کا نام دیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"۔۔۔ زینت دہ سفینۂ معانی مولانا نفیس[2] الدین شانی اصل آنجناب از اویماق تکلوست، کہ بعضے اوقات در ہمدان و اکثر اوقات در دارالخلافہ رے می باشد، و از اقران مولانا

---

[1] خیرالبیان کے ورق ۳۰۳ ب اور ۳۰۴ الف پر پہلا انتخاب ہے اور ۳۰۴ ب سے لے کر ۳۱۰ الف تک نیا اضافہ ہے۔

[2] صاحب عرفات العاشقین تقی اوحدی نے نام "نسف آقا" لکھا ہے۔ غالباً نفیس الدین کا مخفف بلکہ بگاڑ معلوم ہوتا ہے۔

ملک قمیؔ و غیرتی شیرازی وو قوعیؔ تبریزی ست، لیکن انگیز طبع وے از ایشان بیشتر است۔

طبعے بغایت بلند و سلیقۂ مرغوب دل پسند دارد و ہموارہ معانی رنگین و نکات دل نشین بر لوحِ خاطر می نگارد، باوجود حالت ترکیت و تتبع روش شعرا مردے نیک نفس پرہیزگار و شاعرے بے تعین کم آزار است...

در اوائلِ کار کہ قدم در وادیٔ شاعری نہاد، بعضے از ستم ظریفان و اربابِ عناد، میگفتند کہ گاہے اشعار کم رتبہ میگوید و بعیب شعر خود، چنانچہ دیگران می رسند، نمی رسد و بیتے چند بوے استاد میکردند کہ خالی از ظرافتی

لہ صادقی کتابدار صاحب "مجمع الخواص" شانی کا معاصر تھا، لکھاہے کہ:

— بابا فغانی کی تقلید کرتے ہیں.... رودکی کے دور سے لے کر آج تک روپوں میں تلنے کا شرف کسی کو حاصل نہیں ہوا...." چون مشارٌ الیہ قدرے تنگ حوصلہ است وقتے کہ در مباحثہ با ہمکاران خود عاجز می ماند اغلب شروع میکند بمباہات بقبیلہ و خانوادہ، و اگر طرف متین و پا بر جا باشد ازان ہم مغلوب شدہ، بمباہلہ متوسل می گردد آن بد جنسان راست یا دروغ میگویند: اکثر ابیات خوب این شاعر ماخوذ وارد از دیگران گرفتہ شدہ است۔ (ص۱۱۳)

اپنے اس دعوے میں مخالفین بطور سند کے یہ شعر لاتے تھے:

امام فخر رازی

سوخت چندان دلِ پر حسرتِ من	کہ دمد گر گلے از تربت من
خشک لب باشد و نادیدہ بہار	اگر از بحر دمد مرجان دار.

(جاری)

بنود - لیکن چون کمینہ (یعنی خود مؤلف تذکرہ) بصحبت
شریف وے رسید، این سخن خلاف واقعہ بود، و در شعر
شناسی و دریافت غث وسمین از اقران واکثر شعرا

(جاری)

امیر خسرو

چگونہ بر تو نہ لرزم زہر طرف کہ درآئی — ہزار دیدۂ خونبار در قفائے تو باشد

فروغی

گردے بدامنِ نہ نشیند، کہ روزگار — در دورِ او زمن نکشد انتقام را

نرگسی

زخم خدنگِ او، دگر اے دل! ہوس مکن — ایں خانۂ خراب تو روزن چہ میکند

حالتی

مگذر از قتلم مرا چوں نیم بسمل کردۂ — رحم بر من بعد ازیں عین ستمگاری بود

ان اشعار سے مطالبے کر عیناً اسی طرح ملا شانی نے اپنے یہ اشعار لکھے ہیں:

از سمومِ خشک سالی ناامیدی خوردہ ایم — سبزۂ ما، گر زدریا سرزند، سیراب نیست

دامن کشان زناز، مرو ہر طرف، کہ باز — چشمِ ہزار کام طلب، از قفائے تست

ستم نگر کہ، بہر کس زمانہ خوارے کرد — فلک زشانیٔ بیچارہ انتقام کشید

سینہ را سوراخ ہا کردی، بہ پیکانِ ستم — خوب کردی، خانۂ تاریک ما روزن نداشت

نیم بسمل شدۂ را کہ توانائی نیست — کشتنش بہتر از آنست کہ آزاد کند

مولانا ملک قمی کا حال بیان کرتے ہوئے عبدالباقی نہاوندی نے لکھا ہے کہ مولانا ملک اور ملا شانی کے درمیان مباحثہ اور مناقشہ ایران میں بہت رہا۔ (میخانہ حاشیہ ۳۵۵)

زیادہ نمود، واگرنیز در ابتدائے شاعری، چنانکہ رسمیست
خامی در شعرش پیدا می شدہ الحال (۱۰۱۶ھ) در وادئ سخن
کمی ندارد، واز فصحاء و بلغائے دوران دانمی ماند، خصوصاً
کہ در زمان عدالت اقتران پادشاہ جمجاہ ..... شاہ عباس
.... خلد اللہ تعالٰے ..... در اقوال و افعالش انتظام و
انضباط تمام پیدا گشت، واز درجہ بدرجہ واز پایہ بپایہ
ترقی نمودہ، مرتبہ اش[1] از شعراو موزونانِ عصر در گذشت

---

[1] تقی کاشی مولانا شرمی قزوینی کے بیان میں لکھتا ہے: شاہی دربار میں ان کا مرتبہ سب سے بلند تر تھا، لیکن:

"۔۔ بعد از انکہ مولانا شانی تکلو پائے بر مسندِ منادمت نہادہ منظورِ نظر پادشاہ کشورستان گشت، مولانا (شرمی) از پایۂ خود نازل گردیدہ از سر ملازمت در گذشت و الحال کہ سنہ (۱۰۰۳ ہجریہ) است در وطن مالوف و مسکن معہود آرام دارد ۔"۔ (میخانہ حاشیہ گلچین معانی ص ۸۹۳)۔

تقی الدین اوحدی نے اسی شاعر کے احوال میں لکھا ہے کہ:

"وقتے در سنہ الف (۱۰۰۰ھ) کہ ہنوز مولانا شانی تکلو را شاہ عباس بزر نسنجیدہ بود، چندروزے باعث تربیت و استکمال وے نیز شد، و یرا از دکۂ خیاطی برآوردہ یکچند در ملازمت خود باز داشت ....،" میخانہ ص ۸۹۳۔

ان دونوں اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۰۰۰ھ سے پہلے شانی بادشاہ کی ملازمت میں داخل ہو چکے تھے، لیکن ابھی ان کو روپوں میں تولا نہ گیا تھا، یہ کمال اور مولانا شرمی کا زوال (۱۰۰۰ھ) سے پہلے ہوا اور اس آخری سال میں مولانا شرمی شاہی ملازمت سے نکل کر اپنے وطن

(جاری)

چنانچہ نصاب منظوماتش بسرحدِ کمال رسیدہ ، اشعار
پاکیزۂ بے حشو و افکار تازۂ بے لغو بسیار گفت ، و
دُرہائے آبدار از بحر خاطر بساحلِ ظہور آوردہ ، لآلی
معانی ثمین بمثقب فکر متین سُفت ، ارباب فصاحت و
بلاغت و اصحاب صناعت و بداعت ، قصائد و
غزلیات و مثنویاتِ آن شاعر سخن سرا را استحسان فرمودند
و نتائج نطق و بیان و نگاشتۂ کلک و بنانش در سفائن
غزلیات خود مثبت و مسطور نمودند و بے شایبۂ تکلف
پایۂ شعر را عالی ساختہ و نرخ شعر را غالی گردانیدہ
قبول سخنان مقبولش در دلِ ارباب دین و دول راہ یافتہ۔
و پرتوِ انوار منظوماتش بر اکثر بلاد ایران و توران و
ممالک روم و ہندوستان تافتہ و نیز طالعش مساعدت
نمودہ بخت و اقبال معاضدت کردہ بخدمت درگاہ
پادشاہ سلیمان مکین و شائستگی مجلس بہشت آئین
موسوم گردید ، و روز بروز تقرب او وسمت ازدیاد یافتہ

(جاری)

میں جا بسے تھے ، شانی تکلو کو مولانا شرمی نے بہت تربیت بھی دی تھی ، خیاطی کا پیشہ انھوں نے
چھڑایا ، لیکن کچھ ہی دیر میں تربیت یافتہ تربیت کنندہ سے مرتبے اور مراتب میں کوسوں آگے
نکل گیا ، خزانۂ عامرہ میں آزاد نے لکھا ہے کہ ان کو روپیہ میں (۱۰۰۱ھ) میں تولا گیا تھا ص ۳۶۹ ،
اس کے بعد ، میر آزاد نے ان شعرا اور علما کی فہرست دی ہے جن کو زر میں تولا گیا ہے۔

بمدارج بلند رسید و در دیوانِ صاحب قرآن کیخسرو زمانی
اکثر اوقات لسخنان و لطائف جانفزائے و محاورہ و مکالمہ
غم زدائی مخالفان را موالف و شاعران را مطاوع و
مطابع گردانده، و ارباب حقد و حساد را با وجود ہوسِ
تقدّم ارادۂ تفوّق نمانده، و اکفاء و امثال از روئے
طوع و رغبت بالشعریّت وے اقرار کردند، و اقران
و ہمگنان سبقت او را ازبُنِ دندان گردن نہادند۔ بیت

اقرارِ شاعران بہ علوئے مراتبش — چوں ساحران مصر، باعجاز موسوی

بینۂ این مدعا آنکہ در اثنائے این حالات، حسب الامر
جہان مطاع "قصۂ ولادت حضرت شاہ اولیاء"
علی مرتضیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ بر نہج فصاحت نظم کردہ۔ در روزیکہ
ایلچی از جانبِ سلطان روم بپایۂ سریرِ اعلیٰ آمدہ بود،
آن نظم را گذرانید، و بادشاہ سکندر حشمت بصلات
گرانمایہ و تفقدات کریمانہ کرّۃً بعدِ اُخریٰ وَ مَرّۃً
ضعفِ اُولیٰ پایہ اش باوجِ ثریا رسانید، ازانجملہ
فرمود تا مولانائے مشارٌ الیہ برابر بزر کشیدند، وآں
نقود را، کہ قریب دولیست تومان بود، بالتمام بوے
دادند، و مولانائے لطفی درین معنی گفتہ:

رباعیہ

شاہا! زکرم، جہان منور کردی — ملکِ دل عارفان مسخر کردی
شاعر کہ بخاکِ رہ برابر شدہ بود — برداشتی و بزر برابر کردی

ومولانا ازان عاطفت، قروض و دیونِ خود ادا کرده
در اصفهان تاہل ساخت، بعد از اندک زمانے ارادۂ
سفرِ حجاز نموده علم عزیمت بجانب مکّۂ معظمہ زادہا اللہ
شرفاً برافراخت۔

والحال کہ سنۂ اثنی و الف ہجریہ (۱۰۰۲ھ) است بآن
سفرِ مبارک رفتہ واین اشعار ازان شاعرِ حج گذار درین
اوراق مثبت گشتہ بمنہ وجودہ [1]،

جس بیت پر انھیں زر میں تلوایا گیا وہ خیر البیان کے اقتباس میں موجود ہے اور آزاد نے بھی اس کو دیا ہے [2]

مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ آخری عمر میں مشہدِ مقدس میں جاکر گوشہ گزیں ہو گئے تھے، خیر البیان (۱۰۱۹-۱۸) پر جب نظر ثانی ہو رہی تھی، اس وقت وہ مشہد میں تھے۔ شاہی دربار میں ان کو بقول آزاد بیست تومان وظیفہ ملتا تھا، آزاد ہی نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال (۱۰۲۳ھ) میں ہوا اور اس سے ان کی وفات کی تاریخ نکلتی ہے۔[3] "بادشاہِ سخن"

---

[1] اقتباس ارسال کردہ آقائے گلچین معانی۔ [2] سروِ آزاد ص۲۹۔

[3] خزانۂ عامرہ میں ہے کہ ثنائی کا ملا حسن نامی ایک بیٹا بھی تھا، جو ثانی تخلص کرتا تھا یہاں ہندوستان آیا اور یہیں عین جوانی (۱۰۶۷ھ) میں انتقال کیا یہ شعر اس کا ہے:

چو آدمی بجہان نیست دل بمہر کہ بندم | کسے ز صفحۂ خالی چہ انتخاب کند

محمد علی ماہر نے اس کی تاریخ یوں کہی ہے:

حیف ز ثانی پاک زادہ ثنائی
۱۰۶۷ھ

(خزانۂ عامرہ)

میرزا غازی نے ملا ثنائی کو (۱۰۱۱ھ) اور (۱۰۲۰ھ) کے درمیان کسی وقت بلایا ہوگا جب کہ وہ مشہد مقدس میں دنیا کے علائق سے قطع نظر کر کے گوشۂ انزوا میں چلے گئے تھے اور روضہ رضویہ کی مجاوری کر کے اپنی آخرت کو سنوار رہے تھے ظاہر ہے کہ ایسی صورتِ حال میں وہ کہاں قندھار آ سکتے تھے، اور پھر شاہ ایران سے بھی بیست تومان وظیفہ پاتے تھے، کسی دوسرے سردار کے دربار سے وابستگی ان کے لیے روایتی طور پر بھی نازیبا تھی۔

ہم یہاں ان کے اشعار کا انتخاب دے رہے ہیں، سب سے پہلے 'ذخیر البیان' سے لیے ہوئے اشعار ملاحظہ ہوں:

اشعار از قصائد

تا آسمان گِل است، زخونِ دلم زمین　　کج کج ازان نہد فلکِ بے مدار پائے

فلک، تلافیٔ یک دیدنِ تو، نتواند　　ہزار سال اگر، فکر انتقام کند

برخ طپانچہ خور شعلہائے قہرِ توام　　بلب، پیالہ خور شیشہائے زہر توام

ما، سمومِ خشک سالی ناامیدیٔ دیدہ ایم　　سبزۂ ما، گر ز دریا سر زند، سیراب نیست

لذّتِ آزار، اگر انیست پیکانِ ترا　　ہیچ اجرے نیست در محشر، شہیدانِ ترا

زبسکہ دیدہ، بدیدارِ دوست حیران بود　　تمام روز وصالم، بیک نگاہ گذشت

با نخلِ طرب، در دلِ خورسند شکستیم　　شاخِ گلِ امید، ز پیوند شکستیم

از بس، پئے یوسف صفتان، جامہ دریدم　　ہنگامۂ صد گم شدہ فرزند شکستیم

مرا مکش کہ، اگر مدعا جفا کاریست　　نگاہ داشتنِ من، بہ از ہلاکِ منست

ہر ذرّہ ز خاکسترِ من، در کفِ آہیست　　چوں سرمہ، کہ در رہگذرِ باد، فروشند

بختم، اگر تلافیٔ شبہائے غم، کند　　یک روزِ خوش، بمردمِ عالم نمی رسد

بوئے او مگر پرورده باد صبح گلها را — که هر کس میرود سوئے چمن، مدهوش میگردد

عشقم چنان گداخت، که موران تربتم — عضوے نیافتند که، ناخن فرو کنند
کنعانیان اگر گل باغ تو، بو کنند — کمتر نسیمِ گلشن مصر، آرزو کنند
گر مے فروش جان طلبد، دم نمی زنم — مستان درین معامله، کم گفتگو کنند
ما دستِ دل بخونِ دل و دیده شسته ایم — مقبول آن نماز، که با این وضو کنند

برگِ عیشے گر نباشد، بینوائی هم خوش است — کم ز عشرت ہائے مردم نیست، حسرت ہائے من
گر نباشد اعتمادِ دوستداری ہائے تو — چوں کند با یک جہان دشمن تنِ تنہائے من

ہرچند در مجادلۂ خصم، بے دلم — چوں کار دل بترک سر افتد، دلاورم

آنجا که، ابر دستِ تو، گوہر فشان بود — بحر از میان، چو موج کشد بر کنار پائے
در مشرقے که صبحِ جلالِ تو، می دمد — ننہادہ است سالکِ لیل و نہار پائے

مگر آفاق را آنسو، ازین سو خوبتر باشد — زمین را در نوردد آسمان را زیر و بالا کن

نفس نفس، جہدم پارہ ہائے دل، بہ ہوا — چو برگِ گل، که بہمراہئ صبا بدود
ہنوز گر بفشارند، خاکِ مشہد را — سفینہ، در شطِ خون، تا بہ کربلا بدود
زمان زمان بدلم، نرخ غم زیادہ شود — چنانکہ جنسِ گرانمایہ را بہا بدود

باز شوریدۂ عشقِ تو بدیدار آمد — برِ سودا زدہ گان بر سرِ بازار آمد
چون گلِ سرخ، که سر برزند از شاخ گلے — سرِ منصور محبت، بسرِ دار آمد

بسیار گزندم مرسانید، که امروز — برکف، قلمِ سر زدہ ام، دم زدہ مار است
از خاطرِ آزردہ ام، ایمن منشینید — گر جانِ شما را، بسلامت سروکار است

چو غمزۂ تو بعزمِ شکار برخیزد — غزالہ مست، ز خوابِ خمار برخیزد
کرشمہ ہائے تو، چون تیغ بر میان بندد — ہزار تشنۂ لب، از کنار برخیزد
شکستۂ تو، سزاوارِ مومیائی نیست — چنین فتادہ، یکے از ہزار برخیزد

بدان صفت کہ فروزد فتیلہ، دردلِ شمع
زسوزِ دل، شدہ مغزم در استخوان روشن

ہزار داغِ پراگندہ، دردلست مرا
چو آتشے، کہ کنند اہلِ کاروان روشن

چراغ دولتِ سلطان حسین بایقرا
خدائے کردہ بہ بزم حسین خان روشن[1]

اے باحیاتِ خضر و ثباتِ جہان مخواہ
اندوہِ بے زوال، و غمِ بیکران مخواہ

مردِ کنار، پیشتر اندر بلا بود
خود را بروز معرکہ، جز درمیان مخواہ

گر خود سکندری، دلے آبِ خضر مجو
عمرِ ابد، برائے غمِ جاودان مخواہ

ہمچون گیاہِ بادیہ، باتشنگی بساز
چون نخلِ باغ، تربیتِ باغبان مخواہ

اشعارِ غزلیات

برے مراد دہد، نخلِ نامرادیٔ ما
ہزار گونہ رواجست، در کسادیٔ ما

ازحد گذشت حیرتِ شانی، نظارہ کن
از چاکِ سینہ ایں دلِ پُر اضطرابِ ما

ہزار خنجرِ الماس، برجگر خوردم
ہنوز، دردل از وہست، خار خار مرا

بچین زخاکِ من، این لالہ ہائے خون آلود
کہ ماندہ اندز داغِ تو، یادگار مرا

مباش غمزدہ شانی! کہ عشق اگر اینست
خلاص میکند از دستِ روزگار مرا

دی روز توبہ کردم و امروز محتسب
مست از سرائے بادہ فروش آوردمرا

چراغِ مجلسیان، آہِ آتشین گردد
بمجلسے کہ، بخوانند داستانِ مرا

نیم نسیم، کہ ہردم بگلشنے گذرم
بناز کوش، کہ مرغِ دلم ہوائی نیست

محبتم بتو، در قرب و بعد، یکسانست
جدائیٔ من و تو، داخلِ جدائی نیست

خطر بسے است درین رہ، کہ میروی شانی
بلائے ما، ہمہ شہباز بے نوائی نیست

---

[1] حسین خاں شاملو صاحبِ ہرات۔

هرکس، بدیدنِ رخِ خوبِ تو، خو گرفت نتوان بہ تیغہا، رہ کویت برو گرفت
مرغِ چمن ز نالۂ زارم، سحر گہے چندان کشید نالہ، کہ آوازِ او گرفت

شب کہ شمعِ جمالِ تو در نظر می سوخت دلم بہ باغِ تو، پیش از شبِ دگر می سوخت

بے داغِ جنون، جانبِ صحرا نتوان رفت بے نشۂ دردے، بتماشا نتوان رفت
راہیست رہِ کعبۂ دیدار، کہ آنرا جز بر اثر آبلۂ پا نتوان رفت

چہ یوسفی، کہ بجز مصرِ دل مقامِ تو نیست چو دل، کہ خطبۂ اقلیم او، بنامِ تو نیست
بر آتشم منشان و بپرسشم مفرست کسے کہ، محرمِ آوردنِ پیامِ تو نیست

در سینہ نہالے، کہ ز قدِّ تو نشاندیم غم شاخ و بلا برگ و ملامت ثمرِ اوست

غیر از غمِ تو، در دلِ من جائے گیر نیست یعنی کہ، جز خیالِ تو ام، در ضمیر نیست

نازت، حریفِ حوصلۂ من، نمی شود سنجیدہ ام، جفائے ترا با وفائے خود
خبر ز آمدن و رفتنت، ہمین دارم کہ داد میکنم و داد خواہ می گزرد

داغِ محبت است کہ جان تازہ میکند این سوز، یک زمان ز دلِ من، برون مباد

گر خضر رہ رفیق بود، بے دلیلِ شوق لب تشنۂ وصال بمنزل نمی رسد

رشکم، بجرعہ نوشِ مئے التفات نیست رشکم بران کسے است کہ، خونِ جگر خورد

چشمِ سیاہ و زلفِ پریشان چہ می کند روزِ سیاہ و حالِ پریشان، نگہ کنید
اے اہلِ مصر! منعِ زلیخا ز گریہ چند یکبار ہم بگوشۂ زندان نگہ کنید

مردم من و حدیثِ غمم در زمانہ ماند من رفتم از میان، سخنم در میانہ ماند
جان رفت، و مرغِ عشقِ تو، بے آشیانہ شد دل خون شد و، خدنگِ غمت، بے نشانہ ماند

دگر ز ہر مژہ ام، سیلِ درد می آید سرشکِ سرخ بر خسارِ زرد می آید
حریفِ یوسفِ من نیست، ہر زلیخائے کہ عشق باختن، از دستِ مرد می آید

بندم بپا منہ، کہ بزنجیرِ امتحان سودائے لیلیٰ از سرِ مجنون نمی رود

بجز خیالِ تو، در چشمِ تر نمی گنجد — درین پیاله ازین بیشتر نمی گنجد
من و خیالِ تو، پروائے دیگرانم نیست — درین قرابهٔ شرابِ دگر نمی گنجد
اگر فرشته شود آدمی، به استعداد — بچشمِ مردمِ بے درد، در نمی گنجد

* * *

صد سال اگر بخلقِ جهان، آشنا شوی — چون نیک بنگری، همه بیگانهٔ تواند

* * *

رشکم از سوخته جانیست، که در دوزخِ هجر — سوخت از تشنگی و منتِ آبے، نکشید

* * *

هر رشتهٔ ز زلفِ تو، زنارِ صد دلست — از کارگاهِ حسنِ تو، یکتار کم مباد

* * *

بکوئے عاشقی، آندم گذر توانی کرد — که پیشِ تیرِ بلا، جان سپر توانی کرد
شرابِ عشق چنان خور، که زهر نوشان را — بشربِ حوصله، خون در جگر توانی کرد
بمجلسے که، شرابِ کرشمه پیمائی — بجرعهٔ همه را بیخبر توانائی کرد

* * *

در پیشِ من حکایتِ اغیار میکنید — دائم بدین وسیله ام آزار میکنید

* * *

باز بر دل سپهِ درد، شبیخون آورد — غمِ عشق آمد و، از چشمِ ترم خون آورد
فلک آن روز که، ترکیبِ وجودم میساخت — مشتِ خاکے ز سرِ تربتِ مجنون آورد

* * *

اے مدعیان! مژده شمارا، که ازین شهر — رفتیم که، تا جائے شما، تنگ نباشد

* * *

حدیثِ وصل، مگوئید شامِ هجرانم — که ذکرِ آب، دلِ تشنه بیشتر سوزد

* * *

دی بیتو، نظر بر سمن و سوسنم افتاد — آتش بدل، از کشتِ گل و گلشنم افتاد
برقِ نگهت سوخت، سراپائے وجودم — فریاد ازین شعله که، در خرمنم افتاد

* * *

شرحِ طومارِ وفائے تو، سراسر خواندم — حدِّ نومیدئ ما بود، دگر هیچ نبود

* * *

تا حشر، ز شادابئ شمشیرِ تو، در خاک — اجزائے شهیدانِ تو، فرسوده نگردد

* * *

گر درد، دردِ تست، بدل میتوان گرفت — گر ناز، نازِ تست، بجان میتوان کشید

* * *

درد منت آنکه، بدرمان نمی رسد — ورنه کدام سر، که بسامان نمی رسد
ما در چه عالمیم؟ که در هیچ نوبهار — پائے نشاطِ ما، بگلستان نمی رسد

تا من به شاهراهِ تظلّم فتاده ام
دستِ بلا بهیچ گریبان نمی رسد

وصالِ یار میسّر شود، ولی روزی
که رشته های تعلق، زهم گسسته شود

مستانِ حق، که جای بیزمِ فنا، کنند
نوشند زهر، و نامِ زلالِ بقا کنند

گر خارِ حسرت است و گر نشترِ ستم
از پا کشند یک بیک و دیده ها کنند

نظر به لالهٔ صحرا، چه بسته ای شآنی!
درونِ سینه، جگرهای چاک چاک نگر

خطِ تو سر زد و لعلِ تو دلکش است هنوز
ز شوقِ لعلِ تو، نعلم در آتش است هنوز

شبم بسینه زدی تیر و بر سرِ پیکان
میانهٔ دل و جانم، کشاکش است هنوز

ای دل! بدوریِ رخِ جانان، صبور باش
پروانه نیستی! ز برِ شمع دور باش

دیوانه را، شراب نصیحت مده، که من
این باده، دوش خوردم و دیوانه تر شدم

آگه نیم که، صیدِ نگاهِ که گشته ام
کز دست رفته بود دلم، تا خبر شدم

از ما حذر کنید، که مادل شکسته ایم
خاکستریم و بر سرِ آتش نشسته ایم

بی تو، چون شمع، ز شب تا بسحر می سوزم
اشک میریزم و بر آتشِ تر می سوزم

امشب از وعدهٔ دیدار تسلّی شده ام
با وجودیکه، ز دوشینه بتر می سوزم

التفاتِ یک نظر، شآنی! بدین روزم نشاند
وای، گر چشمِ ترحّم، بیشِ ازین میداشتم

تا گردن، از فراقِ تو، در خون نشسته ایم
همچون حباب، بر سرِ جیحون نشسته ایم

گر دیگران بعشقِ تو، در خاک خفته اند
ما تا کمر، ز تیغِ تو، در خون نشسته ایم

چند آنکه میتوانی، آزار کن که هست
صبرِ من آنقدر، که مرا منفعل کنم

دیگر به ترکِ عقل و فسون، میکند دلم
با خویش گفتگوی جنون، میکند دلم

صد جای، گریه می شودم در گلو گره
تا ناله، ز سینه برون میکند دلم

گر با هزار قافله، همراه بوده ام
اندیشه زان دو ترکِ سیه پوش کرده ام

تو مستِ بادهٔ حسنی، از آن نه آگهی
که من ز رشک، چه خونناب در جگر دارم

تا زندہ ایم، مرحمتے کن بحالِ ما ——— دنبالِ مردہ، آہ کشیدن چہ فائدہ؟

شانی! اسمندری تو، باآتش مقام کن ——— راضی چرا؟ بمنصبِ پروانہ میشوی

مسافرانِ بیابانِ عشق را، شانی ——— نشانِ بادیہ، سنگِ مزارِ خود کردی

بیگانہ وار، برسرِ راہت فتادہ ام ——— شاید کہ، بے ملاحظہ سویم گذر کنی!

دی گز برمن، رفت دل آگاہست ——— سوئے سفرے کہ باد خاطر خواہست[1]

شانی کے یہ اشعار آقائے گلچیں معانی نے 'خلاصۃ الاشعار' سے بھیجے ہیں:

ایکہ شہرے را، بعزمِ رخصتِ دیدار ہست ——— ہیچ میگوئی غریبے درپسِ دیوار ہست

دراولین نگاہِ تو، مرگ آرزو کند ——— بانکہ بوالہوس نتواند زجان گذشت

بتاں زصبرِ من آئینِ ناز، دانستند ——— ہزار بیدلِ دیگر زآتشِ من سوخت

بتو ہر مئے کہ زجامم، بگلو می ریزد ——— بگلو ناشدہ، از دیدہ فرو می ریزد

روزے کہ بزمِ وصلِ تو، بریک دگر خورد ——— چندیں ہزار دستِ ندامت بسر خورد

اندیشہ از گناہِ شہیدان مکن، کہ حشر ——— از اولیں نگاہِ تو، بریک دگر خورد

می تراود غمِ ہجران، زدلم روزِ وصال ——— ہمچو خونابۂ زخمے، کہ ز مرہم گذرد

مرگ میخواست کہ، آسان شورشِ غارتِ جاں ——— دست دردامنِ غارتگرِ ایمانم زد

درنفس، باآنکہ جانے بیش نیست ——— ہر نفس، با نالہ جانے میرود

دل غرۂ بصیراست، خدایا! برسانش ——— دردے کہ، کم از محنتِ ایوب نباشد

وعدۂ قتل مرا، باز بفردا انداخت ——— ماجرائے من وصبراست، یک امروز دگر[2]

منکہ پروانگی، ہمچو تو شمعے، دارم ——— ہست دردو زخم آسائش جان از آتش

---

[1] خیر البیان ۳۰۳ ب تا ۳۱۰ الف۔

[2] میر تقی میر نے اسی طرح کا ایک شعر کہا ہے: کل کا وعدہ کیا ہے اس نے میر
ایک دن اور بھی جیے ہی بنی

دل ز صلحم می طپد امروز، میدانم کہ باز ——— بامن این صلح، از برائے جنگ فردا کردہ

نگویمت کہ: بنودند عاشقان! بودند ——— ولیکن این ہمہ خون، در جگر نداشت کسے

خوش حیاتیست کسے را، کہ پس از روزِ وفات ——— دوست را بر سرِ خاکش، بزیارت ببرند

ہر قاصدِ آہے، کہ بسوئے تو فرستم ——— ہمچون نفسِ بازپسین، باز نیاید

چوں مرغِ گرفتار، باُمیدِ رہائی ——— ہر چند کہ پرواز کنم در قفس افتم[1]

یہ شعر سروِ آزاد، خزانۂ عامرہ اور شمعِ انجمن سے لیے گئے ہیں:

چہ خوش است بادو زلفت، سرِ شکوہ باز کردن ——— گلہ ہائے روزِ ہجران، بشبِ دراز کردن

دیگرے را در گرفتاری، شریکِ ما مکن ——— مدعا گر شہرتِ حسن است، یک رسوا بس است

شانی! دلت بہ کجکلہان مائل است باز ——— این لالہ را، بطرفِ کلاہ کہ میزنی[2]

---

[1] خلاصۃ الاشعار مرسلہ آقائے معانی۔

[2] شانی کا دیوان ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے، نمبر ۳۷۵ دیکھیے۔ اور اسپرنگر کی فہرست میں اس کا نمبر ۵۰۷ ہے، دیکھیے فہرست ص ۵۶۴۔

شمسای، زرّین رقم

ایرانی الاصل تھا۔ بقول خوشگو مرزا غازی کا مداح تھا۔ ملا مرشد بروجردی کے ذریعہ مرزا سے ہمیشہ انعام و اکرام حاصل کرتا رہا[1] ملا عبدالباقی نہاوندی نے درباری شعرا کے زمرے میں اس کا نام لیا ہے، لیکن حالات نہیں لکھے، یہی لکھا ہے کہ اس نے مرشد بروجردی کے ذریعے مرزا غازی کے دربار میں بار پایا۔[2]

تاریخ طاہری کے مؤلف نے لکھا ہے کہ: قندھار میں طالب آملی اور شمس اس وقت میرزا کے پاس آئے جب کہ سخت قحط پڑا ہوا تھا:

درین نوبت طالب آملی و شمس در قندھار رسیدہ

بملازمت ایشان مشرف گردیدہ، اختیار ملازمت

او داشتند[3]

---

[1] تعلیقات میخانہ (محمد شفیع) ص۱۱۱۔ [2] مآثر رحیمی ۳: ۷۸۱۔

[3] تاریخ طاہری مطبوعہ ۲۵۸۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ مرزا پہلی مرتبہ قندھار گیا تھا، دربار میں پیدا کردہ غلط فہمی کی بنا پر دربار میں واپس بلایا گیا[1] لیکن پھر جلد ہی واپس بھیجا گیا۔[2]

ملک شاہ حسین سیستانی نے اپنے تذکرہ "خیرالبیان" میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

— شمسای زرین قلم لاہیجا نیست، در مبادی حال در خدمت مصیب خاں تکلو۔ کہ حاکم طہران بود۔ نشو و نما یافتہ و مدتہا در ولایت گیلان و مازندران بخدمت سلاطین و سادات عالی درجات و ملوک عالی تبار آن دیار بسر بردہ، نزد ہر کس بودہ داد مردانگی و جلادت و نمک حلالی دادہ۔

وخط نسخ و نستعلیق را بسیار خوب مینویسد و در جمیع سازہا دستی زدہ و در علم موسیقی مہارت کلی دارد، و در تاریخی کہ مرزا غازی بولایت قندھار متمکن گردید، بخدمت او شتافتہ، سال دیگر برسم حجابت سیستان آمدہ مدت شش ماہ از ملاقات او مسرت افزای بود و نوبت دیگر در ایام حکومت ایل بی بولایت قندھار برسم حجابت عزیمت دارالسلطنت ہرات داشت، در قصبہ فراہ یک ہفتہ از ملاقات او محظوظ گردید۔

گویا دو مرتبہ سفارت کے فرائض انجام دینے کے لیے قندھار سے روانہ ہوا، پہلی مرتبہ

---

[1] روز دوشنبہ دوازدھم شعبان ۱۰۱۶ھ لاہور میں جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا تھا۔ دیکھیے مظہر شاہ جہانی ص ۲۸۸ تزک نولکشور ص ۶۳۔

[2] ۱۰ رمضان ۱۰۱۶ھ کو دوبارہ قندھار کی حکومت کا پروانہ ملا۔ تزک ص ۶۴ مظہر شاہ جہانی ص ۱۱۵ و ص ۲۹۱۔

مرزا غازی کی طرف سے سیستان کے ملوک کے پاس گیا اور چھ ماہ رہا، جہاں مؤلف تذکرہ کے ساتھ ملاقاتیں ہوتی رہیں، اور دوسری مرتبہ جب ایل بی حاکم ہوا اس وقت سفارت کے فرائض انجام دینے کے لیے ہرات جاتے ہوئے راستے میں فراہ میں ایک ہفتے تک مؤلف تذکرہ اور اس کے درمیان صحبت رہی۔

مصنف نے لکھا ہے:

۔شمسا بسیار خوش نقل وشیریں حکایتی است وجامع الحیثیات

ووحیدالزمان خود است۔

یعنی شمسا ی زریں رقم خوش مقال تھے، شیریں بیان، جامع الحیثیات اور وحید الزمان تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غازی کے فوت ہو جانے کے بعد کچھ عرصے تو ایل بی[1] کے پاس رہے لیکن جلد ہی پھر ہندوستان آکر جہانگیر کے درباریوں میں شامل ہو گئے۔ مؤلف نے لکھا ہے کہ:

۔الحال بمرتبۂ مجالست جہانگیر بادشاہ معزز و گرامیست و

بادشاہ قدردان بواجبی باحوال او بازمیرسد۔

مؤلف نے لکھا ہے کہ نمونتاً چند بیت دے رہا ہوں، لیکن یہ ایک شعر لکھ کر صائب کا حال شروع کر دیا ہے:

گشتہ ام سرتاسر میدان سربازان عشق
جزدم تیغ محبت آشنا روی نبود[2]

---

[1] ابوالنبی بہادر خاں اوزبک۔ منظہر شاہ جہانی ص ۱۳۱ ۔ ماثر الامرا: ص ۴۰۱

[2] خیر البیان ورق ۳۷۳ ب، ۳۷۴ الف۔

شیدا اصفہانی، ملّا

ان کا نام فقط صاحب ذخیرۃ الخوانین نے لیا ہے، مرزا غازی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"۔۔۔ و اکثر شعرا در مجلسِ ایشان جمع آمدہ بودند، مثل طالبا مازندرانی و شیدا اصفہانی وغیرہ قریب دہ کس از اعیان شعراء مصاحب او بودند[1]"

گویا ان کے دامنِ دولت سے مشہور ترین شاعر دس تھے جن میں سے طالب آملی اور شیدا اصفہانی بھی تھے، کسی تذکرے میں شیدا اصفہانی کا ذکر نہیں ملا۔ ایک ملا شیدا تکلو جہانگیر کے دور میں تھے جہانگیر سے بھی وابستہ تھے اور خان خاناں کے قصائد بھی کہے ہیں[2]

---

[1] ذخیرۃ الخوانین ص۱۶۵۔

[2] رحیمی ۱۴۸۷۔

ان کے والد مشہد سے آئے شیداؔ یہاں پیدا ہوئے اور ملا شیداؔ فتح پوری کہلائے۔ ممکن ہے کہ یہ شیداؔ کسی زمانے میں میرزا غازی سے بھی تھوڑی دیر کے لیے منسلک رہے ہوں جس کا ثبوت ہمیں کسی تذکرے میں نہیں ملتا[۱]، یہ اصفہانی الاصل نہیں تھے۔

۱؎ دیکھیے تذکرہ شعرائے کشمیر ج اول ص ۴۶۲ تا ص ۵۱۶۔

صوفی، ملا محمد ماژندرانی

ملا صوفی ماژندرانی کے چار تذکرہ نویس معاصر تھے جن میں سے دو نے ان سے ملاقات کی ہے اور ایک نے انھیں دیکھا ہے، ایران کو خیرباد کہہ کے وہ یہاں احمد آباد میں آکر مقیم ہو گئے تھے، عرفات العاشقین کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

"ہمیشہ اوقات خود را با انتخابِ شعر و عشرت و فراغت سیر و نرد و کمانداری و کتابت میگذراند..... مجدداً در احمد آباد بصحبتِ اوی رسیدیم، ہمان بہ لباسِ فقر در دشتِ اہلِ سلوک است، والحق دیر آشنای و از غرور و نخوت نیست بالذات چنین آمدہ است.... در سہ ہزار بیست و پنج در اجمیر باز اورا دریافتم[1]"

صوفی باصفا تھے، اہلِ دول کے دروازوں کے پھیروں سے بے نیاز بلکہ بے پرواہ

---

[1] حاشیہ میخانہ گلچیں معانی ص۲۸۰۔

کم آمیزی نخوت و پندار کی وجہ سے نہیں بلکہ طبیعی تھی، تمام دن اپنے ذوق کے مشاغل میں صرف کرتے تھے، کبھی اشعار کا انتخاب، کبھی چوسر، کبھی کمان اندازی اور کبھی کتابت، سیر و سفر بھی ان کو مرغوب تھا، ایران گھومے، حجاز مقدس رہے، اور احمد آباد میں رہتے ہوئے بھی کبھی کبھی اِدھر اُدھر کا پھیرا کر آتے تھے۔

صاحبِ میخانہ نے لکھا ہے:

"— چوں صوفی طبیعت و صافی طینت واقع شدہ، بنا بر آن بمولانا محمد صوفی اشتہار یافتہ مولدش از آمل مازندران است ..... بر ضمیر منیر و خاطر بیضا تاثیر ہنرمندان پوشیدہ نماند کہ این آرزومند صحبت نکتہ سنجان وادی موزونیت را، از بخت سعادت، ملازمت آن صاحب سعادت در اجمیر میسر گردید —"

مزاج اور افتاد طبع کے متعلق لکھا ہے کہ:

"— روشن ضمیرے بنظر در آوردم در لباس فخر فقر در آمدہ درویش نہادے مشاہدہ کردم، حب جاہ دنیوی را طلاق دادہ، خردمندے بر مسندِ استغنائے بے نیازی نشستہ، دانشمندے در طلب بر روئے ارباب دولت بستہ —"

مولانا سے جب اجمیر میں صاحب میخانہ کی (۱۰۲۴ھ) ملاقات ہوئی ہے اس وقت جہانگیر بادشاہ وہاں منزل انداز تھا[1] لیکن مولانا نے کبھی اس کی طرف توجہ

---

[1] ۵ رشوال ۱۰۲۳ھ تا یکم ذی قعدہ ۱۰۲۵ھ جہانگیر اجمیر میں تھا اور یہی وہ دور تھا جب مرزا غازی

(جاری)

نہیں کی، اور نہ ان کے امرا کو ہی خاطر میں لائے۔

د ۔ ہیچک از اعیان دولت را بطبیعت خود ندید، مگر آنکہ بزرگ اہلی اورا از روے خواہش و آرزومندی بخانۂ خود میبرد، بعد از انکہ میرفت فی الحال پشیمان میشد، و در خانۂ او چندانے شگفتہ نمی شد، کم میگفت و کم می شنید، تا از ان منزل بکلبۂ درویشی خود می آمد.....

دران سال کہ سنہ اربع و عشرین الف (۱۰۲۴ھ) بود، باز بگجرات عود نمود ۔ ،

اجمیر سے اس لئے جلد نکل گئے کہ لوگوں کی عقیدت مندی اور آمد و رفت بڑھ رہی تھی، صاحبِ میخانہ سے کہا تھا کہ پندرہ[۱۵] سال مکہ معظمہ میں انھوں نے گزارے ہیں اور ہر سال مدینۂ عالیہ جاتے رہے، اور کہا کہ:

د ۔ کم جا از اطراف و اکنافِ عالم ماندہ باشد کہ من ندیدہ باشم ۔ ،

اپنی شعر و شاعری اور سخن سنجی اور سخن فہمی کے سلسلے میں کسی عزیز دوست سے فرمایا تھا کہ:

د ۔ ہر کس میل دارد کہ شعر فہمیٔ مرا امتحان نماید، منتخب مرا ملاحظہ نماید، کہ چون انتخابے بر اشعار زدہ د

(جاری)

کے انتقال کے بعد مرزا رستم قندھاری کو سندھ کا صوبہ دار بنا کر بھیجا اور عبد العلی ترخان، خسرو خاں چرکس وغیرہ کو سندھ سے بدر کرا کے عبد الرزاق معموری کے ذریعے اجمیر بلا لیا تھا۔

شصت ہزار بیت علیحدہ نمودہ و آنرا انتخانہ[1] نام کردہ ام و
ہر کس را در خاطر خطور کند کہ رتبۂ شعر و شاعری من بر وظاہر
شود، ساقی نامہ[2] مرا مطالعہ نماید کہ چوں گفتہ ام ــــ،

صاحبِ میخانہ کا قول ہے کہ اب تک انھوں نے ایک ہزار سے کچھ زیادہ اشعار کا دیوان مرتب کیا ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی انھوں نے تین ہزار بیت اور کہے ہیں جو ابھی ترتیب میں نہیں آئے[3]

میرزا محمد صادق صاحب "صبح صادق" کے والد سے مولانا کی آشنائی تھی، میرزا نے بھی ان کو دیکھا تھا، اور جب ان کے والد (۱۰۲۳ھ) میں سورت بندر کے حاکم بن کر آئے تو مولانا اس زمانے میں بندر سورت پہنچے ہوئے تھے، مؤلف نے لکھا ہے:

«ــــ و دران آوان مولانا محمد صوفی بہ بندر مذکور رسید،
میانِ او و پدرم مودتے عظیم بود ــــ،

اُن کے مزاج کے متعلق لکھا ہے کہ:

«ــــ از مشاہیر روزگار است، صوفی مشرب، تندخو،
و درشت گو بود، با مردم کمتر اختلاط میکرد ــــ[4]،

---

[1] یہ انتخاب بتخانہ کے نام سے ۱۰۱۰ھ میں تکمیل کو پہنچایا، اور سال ۱۰۲۱ھ میں عبداللطیف عباسی گجراتی جو مثنوی کے شارح اور جامع بھی ہیں انھوں نے خلاصۂ احوال شعرا کے نام سے اس میں اضافہ کیا (اسٹوری ص۸۰۶)

[2] ساقی نامہ، میخانہ عبدالنبی میں چھپا ہے (ص۴۷۶ - ص۴۹۲)

[3] میخانہ، گلچیں ۴۷۸ - ۴۷۹ عرفات کے مؤلف نے تخمیناً یک ہزار و پانصد شعر کا اندازہ دیا ہے (میخانہ ص۴۳۸)۔ [4] ... پارس مقالہ میرزا محمد صادق مینا از راقم الحروف اکتوبر ۱۹۶۶ء ص۴۳

مولانا (۱۰۲۳ھ) میں سورت میں تھے، اور (۱۰۲۴ھ) اور (۱۰۲۵ھ) میں اجمیر میں تھے جیسا کہ عرفات اور میخانہ کے مؤلفین نے اپنی ملاقاتوں کے سلسلے میں بیان کیا ہے۔

'خیر البیان'، ۱۰۱۹ھ میں تالیف ہوا ہے اور بعد میں بھی اس پر اضافے ہوتے رہے ہیں، مؤلف نے مولانا کو دیکھا تو نہیں تھا لیکن ان کی زندگی میں ان کا حال تذکرے میں درج کیا ہے۔

کسی تذکرے نے ہندوستان میں وارد ہونے کا حال نہیں لکھا فقط یہ لکھا ہے کہ عہدِ اکبری میں وہ ایران سے یہاں آئے اور گجرات میں آکر سکونت اختیار کی، صاحب خیر البیان نے ان کے آنے کا سال دیا ہے جو ۱۰۰۱ھ ہے علاوہ ازیں صاحب تذکرہ نے ان کے متعلق ایک اور نئی بات لکھی ہے:

'جناب مولانائے مذکور بزبان راجی شعر بسیار گفتہ وشعرش ہمگی نتیجۂ عشق است وہرگز مزاج وہاج مولانا از نشار عشق خالی نبودہ۔'

صاحب 'لطائف الخیال' نے لکھا ہے کہ مولانا شیراز بھی آئے اور وہاں کچھ وقت گزارا پھر گازرون گئے جہاں شیخ المحققین ابوالقاسم سے ان کے تعلقات بڑھے اور ایک مدت مدید تک وہاں رہے۔

'در مدح شیخ قصیدۂ بردیف ۔سخنی۔ گفتہ بسیار پاکیزہ وہموار، شیخ نیز قصیدۂ ملا را در مدح ملا جواب

۱؎ میخانہ ص۴۷۷

۲؎ عرفات (میخانہ ص۴۸۰)

گفتہ اورا سرفراز ساختہ [۱]۔

صاحب خیر البیان نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ:

"۔۔۔ و در وصف آنجناب، شیخ ابو القاسم گاذرونی اشعار

در رباب بسیار دارد و از جملہ این دو بیت کہ در مدح او گفتہ

تحریر یافت ۔"

دمید صبح و شب من، ز من کنار نکرد

جہان شگفت و گلستانِ من بہار نکرد

ثنا و مدح بر آمد، دوبارہ گرد جہان

بجز محمد صوفی کس اختیار نکرد [۲]

مولانا کی وفات کی تاریخ محمد یوسف صوفی نے لکھی ہے جس سے ۱۰۳۵ھ بر آمد

ہوتا ہے:

"مجردانہ یکے شد بحق محمد صوفی" [۳]

۱۰۳۵ھ

یہ تاریخ 'صحفِ ابراہیم' اور 'ریاض الشعرا' نے دی ہے، 'صبح صادق' نے جو

تاریخی شعر دیا ہے اس سے سال ۱۰۳۱ھ بر آمد ہوتا ہے۔

---

[۱] میخانہ ص ۲۸۰۔ [۲] خیر البیان ص ۳۴۲ الف خیر البیان میں ہے کہ صوفی نے جواب میں کہا ہے:

خدا گو است کہ در گاذرون برائے سخن ظہور کرد درین روز ہا خدائے سخن

خدائیگانِ جہانِ سخن ابو القاسم کہ عقلِ کل سزد ش کمترین گدائے سخن

شیخ شاہ عباس کبیر جید علما اور بزرگوں میں سے ہیں، مرزا جان شیرازی ان کے شاگردوں میں سے ہیں، شیخ شعر میں (قاسمی) تخلص کرتے تھے۔ [۳] تذکرہ شعرائے کشمیر محمد اصلح حاشیہ راقم الحروف ص ۲۳۲ عبد الباقی نہاوندی میں غلط چھپا ہے۔ ۱۱۳۴ھ

بہرِ سالِ وفاتِ او گفتم　　رفتہ ملا محمد صوفی[1]

۱۰۳۴ھ

کہتے ہیں جہانگیر نے ان کو اپنے پاس بلایا تھا، سیف خاں صوبہ دار گجرات نے ان کو روانہ کیا، راستے ہی میں ان کا انتقال ہوگیا، وفات کے وقت یہ رباعی کہی جس کو جب جہانگیر نے سنا تو اس پر رقت طاری ہوگئی:

اے شاہ از تخت و نہ نگین می ماند　　از بہرِ تو، یک دو گز زمین می ماند

صندوقِ خود و کاسۂ درویشا نرا　　خالی کن و پر کن، کہ ہمین می ماند[2]

ملا کی وفات سرہند میں ہوئی اور غالباً وہیں دفن بھی ہوئے۔

میرزا غازی اور ملا محمد صوفی کے سلسلے میں میر علی شیر قانع نے صرف اتنا اشارہ کیا ہے کہ:

د — ملا محمد صوفی در عہدِ میرزا غازی وقاری بود، این رباعی از رقعۂ او، کہ در جواب طلب مرزا نوشہ و عذر پیری خواستہ ترقیم یافت:

پیری شد راہ ناصوابی دارد　　گلنارِ رخم، برنگِ آبی دارد

بام و در و رکن چار دیوار وجود　　لرزان شدہ، روے در خرابی دارد

و نیز بر دیوان شہرتی[3] ایں بیت بنامِ او یافتم:

---

[1] مجلۂ پارس مقالہ راقم الحروف ص۴۳

[2] بزم تیموریہ ص۱۲۶ بحوالہ مآثر الامرا ۳: ۳۵۱۔

[3] شہرتی بھی میرزا غازی کے آخری دور کا شاعر تھا، قانع نے اس کو میر عبدالرزاق معموری کا معاصر قرار دیا ہے، میر عبدالرزاق میرزا غازی کی وفات کے بعد ۱۰۲۱ھ میں ٹھٹہ کا بخشی اور دیوان ہو کر

(جاری)

غم داری نہاں در سینۂ تنگ | چو کوہ بیستوں، فرسنگ فرسنگ
گہے کز سنبلِ زلفش بہ لالہ زار آید | چمن چمن گل حسرت مرا، بہار آید[۵]

مرزا غازی کے جس مکتوب کا مندرجۂ ذیل عبارت میں قانع نے اشارہ کیا ہے، وہ انھوں نے قندھار سے ملا صاحب کو لکھا تھا، یہ خط خوش قسمتی سے محفوظ رہ گیا ہے اور اس کی عبارت یہ ہے:

— آن عزیز را خدا یار و روزگار ساز گار! استماع اخلاق واطوار و اوضاعِ ایشان تخمِ محبت در دل محمد کشتہ بود، ورسیدنِ نامۂ گرامی چوں آفتاب بجمل، و باران بحمل آن را بکمال رسانید، اکنون شوقِ دیدار غالب است، ولیکن مسافت بعید است، ومرا پیری دریافتہ وناتوانی فروگرفتہ:

پیری ..... الخ

دستم از گیرائی ماندہ و پایم از روانی:

فرو ماندہ دستم ز نے خواستن | گران گشتہ پایم، ز برخاستن

از بارِ محنتِ ایام پشتم دوتا و روے برلشپت پاست!

راکم کردہ روزگار حسود | وز پئے این رکوع داشت سجود

(جاری)

آیا، اور وہیں سے ترخانی قبیلہ اور خسرو چرکس وغیرہ کو جہانگیر کے دربار میں اجمیر لے کر گیا تھا، ۲۳ - ۱۰۲۴ھ میں صوبہ دار بھی رہا - (مآثر الامرا ۱: ۱۴۰) شہرتی ٹھٹہ کا شاعر تھا، براہ راست میرزا غازی سے غالباً متعلق نہ تھا، صاحب دیوان اور غالباً صاحب بیاض بھی تھا، کیونکہ صاحب مقالات الشعرا نے کئی جگہ مختلف شعرا کا نام اور کلام کا نمونہ اس سے لیا ہے (مقالات الشعرا ص ۳۴۸ - [۵] مقالات ۷۳۸ - ۷۳۹ -

گشت قامت دوتا و ٔمن گفت　　　　کہ ہمیں زیر خاک باید خفت

از تطاولِ لیل و نہار آبم از روئے رفتہ و رنگ از موئے :

موئے چوں روئے پنبہ زار شدہ　　　　روئے چوں پشت سوسمار شدہ

ماندہ ام چون معانیٔ باریک　　　　پر خطر تر، ز خاطر تاریک

القصہ :

شکستہ شد آں مرغ را بال و پر

کہ جولاں زدی در جہان، سال و ماہ

روزے کہ موکب عالی بدین حدود نزول نماید، انشاءاللہ العزیز :

لنگ و لوک و چفتہ[1] شکل و بے ادب

سوئے اوی غیزد[2] و اورا می طلب[3]

تا مستوفی دفتر خانۂ ارادت از دیوان "کن فیکون" - پروانۂ ماہیات مجردۂ بسیط و اسناد تشخصات مادیۂ مرکبہ را بمحصلات وجود دادہ، نقد عشرت را بجنسِ محنت در دفاتر لیل و نہار از محاسبۂ ارباب تحاویل زمان - بصیغۂ تبدیل بخرج باقی مجری دارد، ہمیشہ ساحت دار الملک اخلاص بندۂ کمترین جولانگاہ ابلق شفقت و عنایت.

---

[1] کج، خمیدہ - مثال: دلم از آتشِ غم تفتہ کردی :　　　　قدم از بار محنت چفتہ کردی

[2] زمین پر رینگتے ہوئے چلنا، کسائی کا شعر ہے :

زاغ بیابان گزید خود بہ بیابان سزید　　　　باد بگل بر وزید گل بگل اندر غژید

[3] یہ بیت مولانا روم کا ہے فرہنگ عمید ص ۸۹۹ -

آں مخدوم بادا"[۱]

اس پورے خط سے عبارت آرائی اور زبان کا چٹخارہ نظر انداز کیا جائے تو مطلب کی بات فقط اتنی ہے کہ: میرزا غازی کی طرف سے جب بلاوے کا خط ملّا محمد صوفی کو ملا تو وہ اس وقت قندھار جانے سے معذور تھے، پیری، بیماری اور دیگر تکالیف جسمانی و روحی کا ذکر کر کے معذرت کی اور آرزو ظاہر کی ہے کہ جب میرزا اپنے ملک میں واپس آئیں گے اس وقت جس حالت میں ملا صاحب ہوں گے رینگتے گھٹنوں کے بل مسافت طے کر کے ان کے پاس پہنچ جائیں گے۔

آقائے طاہری شہاب نے مولانا کا دیوان چھاپا ہے[۲]، اس میں مولانا کا کوئی شعر ایسا نہیں ہے، جو میرزا غازی سے متعلق کہا گیا ہو۔

۱؎ میخانہ گلچیں ۸، ۴ بحوالہ بیاض شمارۂ ۲۳۷ مجلس شورائی ملی ص ۲۰۳ تاریخ تحریر ۱۰۵۹ھ بخط محمد صالح برادر زادۂ اسکندر بیگ منشی مؤلف تاریخ عالم آرائی عباسی۔

۲؎ ابن سینا تہران، ۱۳۴۳ شمسی مولانا صوفی کے سلسلے میں میرا مرتب کردہ تذکرۂ شعرائے کشمیر محمد اصلح دیکھیے۔ ص ۲۱۸ تا ص ۲۳۶۔

طالب آملی

طالب کا پورا نام یا ان کے والد کا نام کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھا، اور نہ جیسا کہ ان کے نام کا جزو ہے ان کا تعلق خاص شہرِ آمل سے تھا۔ وہ بقول خود۔ روستازادہ[1] تھے، یعنی آمل کا کوئی نواحی قصبہ ان کا زاد بوم تھا۔

طالب کی تاریخ تولد یقینی طور پر معلوم نہیں، لیکن طالب نے اپنے ایک قصیدے میں جو انھوں نے میر ابوالقاسم[2] حاکم آمل (۱۰۰۷ھ) کی مدح میں کہا ہے، اس میں انھوں نے

---

[1] دگر آئین بشہرم نیست معذور | کہ ضائع کردہ ام در روستا عمر
ندارد طاقتِ طنازیٔ عشق | چہ سازد عقلِ مسکیں، روستائیست!

[2] ابوالقاسم بن میر عزیز خاں (برادر زادۂ خیر النسا بیگم مادر شاہ عباس کبیر (۹۸۵-۱۰۳۸ھ) میرزا شفیع خراسانی ملقب بہ میرزائے عالمیان حاکم مازندران نے ان کو مقرر کیا تھا، میرزا شفیع کی مدح میں طالب نے کئی قصیدے لکھے ہیں، ابوالقاسم کی مدح میں ان کا ایک قصیدہ ہے:

سحر کہ غنچہ کشاید گرہ ز پیشانی | زند دم از دم عیسےٰ نسیمِ بستانی

(جاری)

اپنی عمر بیس برس بتائی ہے:

پا بر دو مین پایۂ اورجِ عشراتم		واینک عدد فنم از آلاف زیادست[۵]

ابوالقاسم چونکہ ۱۰۱۱ھ میں آمل کا حاکم مقرر ہو کر آیا اور طالب اس وقت بیس برس کے پیٹے میں تھے، اس حساب سے ان کے تولد کی تاریخ ۹۸۷ھ کے لگ بھگ ہونی چاہیئے جب کہ شاہ طہماسپ کی موت پر تین برس بیت چکے تھے۔

اس قصیدے میں طالب نے مروجہ علوم پر اپنی دستگاہ کا ذکر بھی کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا تعلق ایک ایسے خانوادے سے تھا، جس میں علم کا چراغ کئی پشتوں سے روشن رہا ہوگا اور خاندانی روایات کی بنا پر خاندان کے لڑکوں کو بیس برس کی عمر تک مروجہ علوم (منطق، ہیئت، فلسفہ، تصوف، حکمت، خط) حاصل کرنا ضروری تھا۔

قصیدے کے چند شعر ہیں:

بر ہندسۂ و منطق و بر ہیئت و حکمت		دستے ست مرا، کش یدِ بیضا ز عبادست
وین جملہ چو طے شد، نمکین علمِ حقیقت		کاستادِ علوم ست بر این جملہ مزادست
تیر حکمی، چون بہ کمان آورم، اوّل		بر طبعِ فلاطونِ الٰہیسم گشادست
با ہیأت یانم، چہ کشاکش، کہ بہ جیبم		اقلیدسِ شان عامیٔ نشنیدہ سوادست
در سلسلۂ وصفِ خط، این بسکہ ز کلکم		ہر نقطہ، سویدائے دلِ اہلِ سوادست
پوشم سلب شعر، چو دانم کہ تو، دانی		کاین پایہ مرا، ثامنِ این سبعِ شدادست[۶]

(جاری)

مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ قصیدہ گوئی کی حیثیت سے یہ طالب کا پہلا قصیدہ ہے (شعر العجم ۳: ۱۴۹) قصیدہ مطبوعہ دیوان میں دیکھیے ص۱۱۱ تا ص۱۱۲۔

۵ دیوان طالب مطبوعہ ص۹ تا ص۱۳۔

۶ دیوان دیباچہ ص۴۲ متن ص۹ تا ص۱۳۔

لیکن مخزن الغرائب کے مؤلف احمد علی سندیلوی نے شاہجہاں کے منشی فیروز اور طالب کی ملاقات (۱۰۲۹ھ) کا جو حال لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طالب کو علوم میں اتنا دسترس اور دخل نہیں تھا جتنا کہ انھوں نے دعوٰی کیا ہے، مولانا شبلیؔ نے ملا فیروز کی ملاقات کا ترجمہ یوں دیا ہے:

"۱۰۲۹ھ میں جب بادشاہ فتح پور میں آیا تو مجھ کو طالبؔ کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا، تالاب کے کنارے ایک خیمہ تھا، طالب اس میں مقیم تھا۔ میں گیا تو دیکھا گویا اعتکاف میں ہے، سامنے دیوان کے اجزا ہیں، مصافحہ ومعانقہ کے بعد پوچھا: کیونکر تشریف لانا ہوا! میں نے کہا: آپ کے چند شعر سنے تھے، ان کو سن کر ملاقات کا شوق ہوا! پوچھا: کیا شعر تھے؟ میں نے یہ شعر پڑھے:

مصرع: لب از گفتن چنان بستم، کہ گوئی

مصرع: مزہ، در جہان نمی بینم

جب یہ شعر پڑھا:

مردم زرشک، چند بہ بینم کہ جام مے
لب بر لبش گذارد و قالب تہی کند

تو اچھل پڑا، اٹھ کر گلے لگایا، میرے ذوقِ سخن کی نہایت تعریف کی، میری کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا: کمربند کھول ڈالیے اور آرام سے تشریف رکھیے کہ ایک دو دن لطف سے گزریں!۔ عین اسی حالت میں ایک مغل آگیا، جس کے ہاتھ میں خاقانیؔ کا دیوان تھا، طالبؔ سے پڑھنا چاہتا تھا، طالبؔ

نے کہا: آج معاف رکھو، مدت کے بعد ایک درد آشنا ملا ہے، اس سے لطفِ صحبت اٹھائیں گے! لیکن مغل کب مانتا تھا، دیوان کھول کر یہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا:

در پردۂ دل آمد، دامن کشان خیالش

جان شد خیال بازی، در پردۂ وصالش

در مرکز مثلث بگرفتہ، ربعِ مسکون

فرمایہ اوج مریخ، از تیغ مہ صقالش

طالب نے اس شعر کے معنی بیان کیے تو چونکہ علمی استعداد نہ تھی، اناپ شناپ باتیں کہنی شروع کیں، مجھ کو بے اختیار ہنسی آگئی، طالب نے جھلا کر کہا کہ: اس قسم کے اشعار کو تم لوگ ہندوستان میں درس کے قابل سمجھتے ہو، میں ایسے شعر ناخنِ پا سے لکھتا ہوں! میں نے کہا: شاعری اور چیز ہے اور سخن فہمی اور چیز! طالب مکدر ہو کر چپ ہو گیا، مجھ کو بھی ملال ہوا کہ ناحق میں نے اس کا دل دکھایا اس کے خوش کرنے کو میں نے اور سلسلہ چھیڑ دیا اور کہا کہ: کل دربار میں آپ کے کس شعر پر لوگ معترض تھے، طالب نے کہا یہ شعر تھا:

عنبرِ افسردہ ام در پردہ دارم بوئے خوش

اس پر آصف خاں نے اعتراض کیا کہ: عنبر کو افسردہ نہیں کہہ سکتے! اوروں نے بھی اس کی تصدیق کی، میں نے کہا کہ: خاقانی نے پتھر کو افسردہ کہا ہے پھر عنبر نے کیا قصور کیا ہے؟

خاقانی کا شعر یہ ہے:

کز فیضِ او بہ سنگِ فسردہ رسد نما

طالب نہایت خوش ہوا، اور مجھ سے کہا کہ اس شعر کو ایک پرچے پر لکھ دیجیے۔[1]

میرزا محمد شفیع کی مدح میں طالب نے ایک قصیدہ لکھا ہے، جس کا مطلع ہے:

بیا کہ، شاہدِ شوخِ بہار، چہرہ کشاد	کنون، غمے کہ بجان بستہ، برہ بر باد[2]

اس کے تین شعر یہ ہیں:

من آن مجسم فیضم، کہ بے تأمل و غور	توان در آب و گلم دید، جوشِ استعداد
ندیدہ لذتِ یک زخمِ سیلیٔ ناصح	نکردہ نو بر یک، چین جبہۂ استاد
ہمین ز فیضِ جبلّی و نشۂ ذاتی	گرفتہ طنطنۂ شہرتم، دیار و بلاد

ان اشعار کے بعض الفاظ سے دیوان کے مرتب، طاہری شہاب نے نتیجہ نکالا ہے کہ طالب کو محض جودتِ طبع نے شعر گوئی کا سلیقہ اور ایک حد تک استعداد علمی بخشا تھا، ورنہ علوم میں ان کو کوئی مقام حاصل نہیں تھا۔[3]

مولانا شبلی نے بھی طالب کے استعداد علمی کے دعوے پر۔ اگر اس کے دعوے پر اعتبار کیا جائے[4] کی شرط لگائی ہے، لیکن طالب کے معاصر تذکرہ نگار طالب کے فنی کمال اور علمی استعداد کے قائل معلوم ہوتے ہیں، جن میں سے تین تذکرہ نگاروں کی رائے ہمارے سامنے ہے، مثلاً صاحب خیر البیان، جس نے اپنا تذکرہ ۱۰۱۹ھ میں پورا کیا جب کہ طالب قندھار اور مؤلف خود ہراۃ میں تھا، اس نے لکھا ہے کہ:

---

[1] شعر العجم بحوالہ احمد علی سندیلوی ص۱۶۷۔ [2] دیوان ص۱۵ تا ۲۱۔

[3] دیوان دیباچہ ص۸، ۹۔ [4] شعر العجم ۳: ۱۴۸۔

د — از غایت علو ادراک و سخن فہمی و فراست دستِ تصرف با اکثر علوم و فنون زدہ بہرۂ کلّی از علومِ رسمیہ حاصل نمودہ، خط نستعلیق را بنوعے می نویسد کہ خوش نویسان، انگشت از حُسنِ خطش بدندان گرفتہ، انصاف میدہند —،[1]

عرفات العاشقین کے مؤلف نے لکھا ہے :

د — با آنکہ ہنوز در عنفوان شباب بودہ بر صفحۂ عذار خطے نداشت رقم خط و نظم دل پذیرش، چوں زلفِ دلبراں، صیدِ قلوب عارفان میکرد، الحق خوش مینویسد —،[2]

میخانہ کے مصنف کی طالب سے ملاقات تھی، اس نے لکھا ہے :

د — آن قدر اہلیت و استعداد کہ با اوست، با دیگر شعرائے این ایام نیست —،[3]

طالب کے مازندرانی ممدوحین میرزا محمد شفیع اور میر ابو القاسم دونوں کے دونوں داد و دہش کے خسیس اور ہاتھ کے بالکل پکے تھے، اس لیے طالب تنگیٔ معاش کی وجہ سے ۱۰۱۰ھ[4] میں — جب کہ ان کی عمر تیس سال تھی — آمل یا اس قصبہ[5] سے جہاں ان کا خاندان

---

[1] خیر البیان ورق ۳۱۴ - ۳۱۵ -
[2] بتوسط میخانہ گلچیں معانی ص۵۵۴ -
[3] میخانہ گلچیں ص۵۲۵ -
[4] مقدمہ دیں طالب بحوالہ محمد عارف شیرازی ص۱۹ -
[5] طاہری شہاب نے لکھا ہے کہ مازندران میں ایک عوامی ترانہ مشہور ہے جس میں طالب کی بہن (ستی النسا بیگم) دہکدۂ کرچک کے پتھروں سے اپنے گم شدہ بھائی کا پتہ پوچھتی ہے :

سنگ کرچک. طالب، ندی

(جاری)

تھا، تلاش روزگار میں نکلے اور سیدھے کاشان پہنچے، جہاں بقول محمد شفیع مرحوم[1] ان کی خالہ[2] (زوجہ حکیم نظام علی کاشی) رہتی تھیں[3]، کچھ برس وہاں عزیزوں میں رہ کر طالب نے اصفہان کا رخ کیا، اور وہاں اس نے دو قصیدے شاہ عباس کبیر کی مدح میں کہے:

پیالہ راز تو فخر است، جام را شرف است	ز مشرب تو، مئے لعل فام را شرف است
نغمہ جان، در پیکرِ گلہائے بستانی کند[4]	بلبلِ نطقم، چو آہنگِ غزل خوانی کند

لیکن ان کی کوئی قدردانی یا شنوائی نہیں ہوئی، وہاں سے بددل ہو کر مشہد پہنچے اور سوز و گداز سے بھرپور ایک ترجیع بند امام علی رضا کی بارگاہ میں پیش کیا:

نفسِ راست، بر جگر تیر است[5]	باز خاطر، ز عیش دل گیر است

(جاری)

یہ قصبہ کرچک، دہستان ... (واقع نو کلیو میٹر شمال آمل) میں ہے، طاہری شہاب نے شک کا اظہار کیا ہے کہ ایسی پڑھی لکھی عورت دیہاتی گیت کیونکر کہے گی، لیکن ان کو شاید یہ خیال نہیں رہا کہ عورتیں اپنے عزیزوں کی یاد ہمیشہ عوامی گیتوں میں کرتی ہیں، بہرحال ہو سکتا ہے کہ یہی قصبہ کرچک طالب کا زاد بوم ہو۔

[1] بحوالہ ریو ص ۶۷۹ (مے خانہ ص ۳۸۴)

[2] مآثر الامرا کے مولف نے عاقل خاں عنایت اللہ کے احوال میں لکھا ہے کہ جو عورت نصیرائی کاشی کے عقد میں تھی وہ ستی النسا خانم ہمشیرۂ طالب تھی نہ کہ ان کی خالہ۔ لیکن یہ صحیح نہیں، بکتش خاں کے نام پر لکھی ہوئی مثنوی اور میخانہ کے نوشتہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مازندران میں ان کی ہمشیرہ رہتی تھیں اور کاشان میں خالہ۔ (مآثر الامرا ۲: ۷۹۰)

[3] حکیم نظام الدین حکیم رکن الدین مسعود یعنی حکیم رکنا استاد صائب کے والد تھے (دیکھئے تذکرۂ شعرائے کشمیر ص ۲۰۷)

[4] دیوان صفحہ ۱۵ - ۱۶ - [5] دیوان ص ۱۶۰ -

مشہد سے طالب مرو شاہ جہاں پہنچے، جہاں بکتش خاں حاکم مرو[1] نے ان کو اپنے پاس رکھا اور اچھی طرح ان کی سرپرستی کی۔

طالب نے ایک برس وہاں اطمینان سے گزارا اور کئی ایک قصائد خان کی مدح میں کہے، ایک مثنوی بنام۔ سوز و گداز۔ خسرو شیریں کی بحر میں بکتاش خان کے نام معنون کی۔[2] مرو شاہ جہاں میں ان کا قیام دو سال رہا جیسا کہ اس مثنوی میں خود ہی طالب نے اشارہ کیا ہے:

دو سال آمد، کہ از محنت کشانست   تراچون بوسہ فرش آستانست

بکتش خاں ابھی زندہ تھا کہ طالب اُکتا گئے اور بظاہر مازندران میں جا کر عزیزوں سے ملنے کی اُس سے رخصت لی اور چلے، گویا ۱۰۱۴ھ سے ۱۰۱۶ھ تک طالب مرو میں رہے اور ۱۰۱۶ھ کے آخر میں جب وہاں سے نکلے تو بجائے مازندران جانے کے ہندوستان کا رُخ کیا۔ جہاں مغل دربار کی زر بخشیاں اور اُمرا کی داد و دہش کی شہرت، صفوی دور سے تنگ آمدہ شعرا اور فنکاروں کو ایران سے ہندوستان کی طرف کھینچ رہی تھی۔

طالب کس سال ہندوستان وارد ہوئے یہ سوائے مؤلف "خیر البیان" کے کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھا۔ اس کا بیان ہے کہ:

"۔۔۔ بتاریخ سنہ ست و عشر و الف (۱۰۱۶ھ) بجانب ہندوستان شتافتہ بعد از وصول دران دیار، میرزا

---

[1] بکتاش خاں داقلو استاجلو ۱۰۰۸ھ سے لے کر ۱۰۱۶ھ تک مرو شاہ جہاں کا حاکم رہا اور وہیں ۱۰۱۶ھ میں طبعی موت مرا، عالم آرائے عباسی وقائع سال ۱۰۱۶ھ۔

[2] دیوان ۱۹۴ - ۲۰۳ -

غازی ترخان مولانائے مذکور را بمصاحبت خویش

باز داشتہ: الحال بخدمت میرزائے مذکور بکرم است[۱]،

اس بیان سے بالکل واضح ہے کہ طالب ۱۰۱۴ھ سے ۱۰۱۶ھ تک مرو میں رہے اور ۱۰۱۶ھ میں وہاں سے نکل کر سیدھی ہندوستان کی راہ لی۔

بعض تذکرہ نگار معتقد ہیں کہ طالب مرو سے سیدھے میرزا غازی کے پاس قندھار پہنچے اور بعض کا خیال ہے کہ پہلے ہندوستان آئے اور جب یہاں ٹھکانہ نصیب نہ ہوا تو آگرے، سرہند، لاہور اور ملتان سے ہوتے ہوئے قندھار پہنچ گئے۔ ہم یہاں ان اقتباسات کو دے رہے ہیں تاکہ مسئلے کے متعین کرنے میں آسانی ہو۔

۱۔ خیر البیان: بجانب ہندوستان شتافتہ بعد از وصول دران دیار، میرزا غازی ترخان مولانائے مذکور را بمصاحبت گرفتہ۔

۲۔ عرفات العاشقین: د۔ وقتیکہ از ایران

(۱) خیر البیان: بجانب ہندوستان شتافتہ بعد از وصول دراں دیار، میرزا غازی ترخان مولانائے مذکور را بمصاحبت گرفتہ،

(۲) عرفات العاشقین: د۔ وقتیکہ از ایران بہند عزم کردہ بود، در سند بخدمت میرزا غازی وقاری ..... قیام نمودہ ..... بعد ازان بہند آمد و رفت در ملازمت اعتماد الدولہ کمال ترقی کردہ و میکند،

(۳) میخانہ: د۔ اما چون طالب از بکتش خان جدا گردید،

---

[۱] خیر البیان ۳۱۵۔ الف

اول بار بہ قندھار آمد، دران آوان میرزا غازی
ترخان ...... حاکم قندھار بود ...... چون
زبدۂ دودمان ترنیان در قندھار از دست
ساقیٔ اجل ساغر مرگ گرفت، آن بلبل دستان
سرائے درہمان سال کہ سنہ عشرین و الف
(۱۰۲۰) بود، بہ دارالخلافہ آگرہ آمد۔،

(۴) لطائف الخیال: د۔ از مازندران بہ عراق رفت .....
بعد لقندھار رفت نزد میرزا غازی ترخان
وقتیکہ لبساط سلطنت او بہم خورد بہند رفت،

یہ طالب کے معاصرانہ تذکرے ہیں، اور ان میں سے بعض مؤلفین خود طالب سے مل بھی چکے ہیں، مندرجہ ذیل عبارتوں کا مجموعی تاثر یہی ہے کہ طالب بکتش خاں سے نکل کر سب سے پہلے (سندیا) قندھار میں میرزا کے زمرۂ شعرا میں داخل ہو گئے اور ۱۰۲۰ھ میں وہاں سے واپس آکر ہندوستان کے دیگر امرا سے وابستگی پیدا کی۔

جو تذکرے اس بات کے معتقد ہیں کہ طالب پہلے ہندوستان آئے بعد میں قندھار گئے اور میرزا غازی نے جب وفات پائی تو دوبارہ ہند کی طرف رخ کیا، بہت بعد کے ہیں، لیکن ان مؤخر تذکرہ نگاروں میں سے بھی والہ داغستانی خاں آرزو، اور علی ابراہیم خاں اس بات کے قائل نہیں ہیں۔

(۵) مجمع النفائس: "اول در سند بخدمت میرزا غازی ......
قیام می نمود .... بعد از وے بہ ہند آمدہ ...."

(۶) ریاض الشعرا: نے تفصیل تو نہیں دی، لیکن اس میں بھی یہی
ہے کہ:

"۔مدتہا در خدمت میرزا غازی بسر کردہ ترقیات
نمودہ، پس ازان بخدمت جہانگیر شاہ رسید
کامیاب گردیدہ ۔"

(۷) صحفِ ابراہیم :"۔ از آمل ..... رخت سفر بر بستہ، اوائل میرزا
غازی وقاری تخلص حاکم سند پیوستہ، زمانے
درخدمت آں حاکم والا مرتبت گذرانیدہ و
آخر بر دار الخلافۂ ہند رفتہ ۔"

سب سے پہلا تذکرہ نویس جس نے ایک قصیدے سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ طالب آگرے، لاہور، سرہند اور ملتان سے ہوتے ہوئے میرزا غازی کے پاس پہنچے وہ میر غلام علی آزاد ہے جس نے لکھا ہے :

(۱) سروِ آزاد : ..... از ولایت خود بر آمدہ بہ نزہت کدۂ ہند
خرامید، چون میرزا غازی وقاری از پیش گاہ
جہانگیر پادشاہ بصوبہ داریٔ قندھار مامور
گردید..... طالب خود را باستان میرزا غازی
کشید، ..... طالب قصیدۂ طولانی در مدحِ
میرزا غازی میطراز د و دران قصیدہ، رفتنِ خود
از ہند پیش میرزا مفصل می نماید: ... و بعد رحلت
میرزا غازی، کرت ثانی بہ گلگشت ہند شتافت ۔

(۲) خزانۂ عامرہ :"۔ سرے بہ گلگشت ہند کشیدہ چندے دریں
جا بسر بردہ نزد میرزا غازی ..... شتافت
..... بعد فوت میرزا غازی دوبار رخت بدیار ہند کشید،"

اس مؤلف کے ان دو تذکروں اور طالب کے مذکورہ قصیدے پر انحصار کر کے متأخرین میں مولانا شبلی نے شعر العجم میں لکھا ہے کہ:

"... صاحب میخانہ کی یہ غلطی ہے کہ طالب پہلے میرزا کے پاس پہنچے ۔"[1]

اس موقع پر میرزا غازی کے سلسلے میں، بعض ضروری سنین کی جدول درج کی جاتی ہے تاکہ نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہو:

۹ محرم ۱۰۱۵ھ	جہانگیر کو لاہور میں قندھار کی بغاوت کی اطلاع پہنچی، اس تاریخ کو میرزا غازی کو قندھار کی مہم پر مقرر کیا گیا (تزک ص۳۴)
۹ ربیع الآخر ۱۰۱۵ھ	ـــــ تیس لاکھ دام میرزا کو انعام میں ملے (تزک ص۳۵)
۱۳ رجب ۱۰۱۵ھ	ـــــ بہادر خاں کو کمک کے طور پر جانے کا حکم ملا، اور دو لاکھ روپے بھی دیئے گئے (تزک ص۴۰)
۱۲ شوال ۱۰۱۵ھ	ـــــ میرزا غازی قندھار میں فاتحانہ داخل ہوا۔ (تزک ص۴۲)
۲۲ ذی قعدہ ۱۰۱۵ھ	ـــــ جب کہ جشن نوروز کا دن تھا، جہانگیر کو فتح قندھار کے حالات معلوم ہوئے (تزک ص۴۶)
شوال ۱۰۱۵ھ تا رجب ۱۰۱۶ھ	ـــــ دس ماہ غازی بیگ قندھار میں رہا، اور جہانگیر کے حکم پر واپس بکھر پہنچ گیا۔
۱۰ شعبان ۱۰۱۶ھ	ـــــ بروز پنجشنبہ لاہور میں جہانگیر نے میرزا غازی کو منصب پنج ہزاری ذات و سواری پر فائز کیا اور

---

[1] شعر العجم ۳: ص۱۵۱ ۔

ٹھٹھہ کے علاوہ ملتان میں ایک جاگیر دے کر سردار خاں کی جگہ قندھار کی حکومت دوبارہ تفویض کی (تزک ۶۴)

۱۲ر شعبان ۱۰۱۶ھ ـــــــــ بروز دوشنبہ میرزا غازی جہانگیر سے لاہور کے باغ دل آمیز، میں آکر ملا (تزک ۶۳)

۱۴ر رجب ۱۰۱۷ھ ـــــــــ میرزا غازی کو قندھار روانہ ہونے کا حکم ملا، اور غازی بھکر میں اسباب وغیرہ درست کر کے ابھی روانہ ہو رہا تھا کہ سردار خاں کے فوت ہونے کی خبر پہنچی۔ (تزک ۷۳)

۸ر صفر ۱۰۱۹ھ ـــــــــ میرزا نے قندھار سے لشکر کے اخراجات پورے کرنے کی بار بار درخواست کی تھی جس پر بروز دوشنبہ حکم ہوا کہ لاہور کے خزانے سے دو لاکھ روپیہ بھیجا جائے (تزک ۸۴)

۱۶ر محرم ۱۰۲۱ھ ـــــــــ یکم فروردین سہ شنبہ ساتواں جلوس جہانگیر (نوروز) شروع ہوا (تزک ۱۰۱)

۱۱ر صفر ۱۰۲۱ھ ـــــــــ شب جمعہ میرزا غازی نے قندھار میں وفات پائی۔ (ترخان نامہ)

۱۰ر ربیع الاول ۱۰۲۱ھ ـــــــــ بروز ۲۵ر اردی بہشت بادشاہ کو میرزا غازی کی وفات کی خبر ملی (تزک ۱۱۰)

تاریخ طاہری کا مصنف محمد طاہر نسیانی ٹھٹوی، میرزا غازی کے ساتھ قندھار میں تھا جب کہ غازی پہلی مرتبہ قندھار گیا ہے (شوال ۱۰۱۵ - رجب ۱۰۱۶ھ) اس نے وہاں

قحط کے حالات لکھتے ہوئے لشکر اور میرزا کے آدمیوں پر جو مصیبت آن پڑی تھی اس کا ذکر مفصل کیا ہے:-

"۔۔۔ فقیر نیز دران کمک ۔ کہ از تختہ بملازمت ایشان می آمد تعین گردیدہ بود۔ بعد از داخل شدن ایشان، سپاہ مذکور رسید، قحط سالی مرتبہ دید کہ اکثر غربائے آن سرزمین (قندھار) گوشت جیفہائے اسپ و شتر می بریدند و می خوردند ....."

اور اپنے ساتھی کا حال لکھتے ہوئے کہتا ہے:

"۔۔۔ الحق ہمچنان وقت بود، ما و یک یار محمد ہاشم نام ہم منزل داشتیم آنچہ ما حضر می بود با اتفاق تناول می کردیم چوں سفر گذراندہ در قندھار حضر داشتیم، آذقہ کہ ہمراہ برداشتہ بودیم، تمام گردید، کار بر خرید افتاد ۔"

اس کے بعد میر طاہر نے اشیائے خوردنی کی قیمتیں دی ہیں اور لکھا ہے کہ اتنی قیمت دینے پر بھی خوراک کی چیزیں ملنا ناممکن تھیں۔ اور پھر اپنے ساتھی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"۔۔۔ آں عزیز را پارۂ روغنی در دبّہ ماندہ بود، چوں دانست کہ روغن سرکار ماخوبست ہم سفرہ گی فقیر برطرف ساخت، عاقبت معاملۂ او بجائے کشید کہ طعام از یاران کہ ہمجوار بودیم، نہاں کردہ در طہارت خانہ میخورد ۔"

میرزا غازی کے لشکر اور ان کے اپنے آدمیوں کی حالت بھی خراب تھی، اور سردار خاں اور میر بزرگ سے قرض لے کر گذارا کر رہے تھے، سپاہیوں کا حال

یہاں تک تنگ ہوا کہ میرزا غازی کی قیام گاہ کے چاروں طرف جمع ہو کر داد! داد پکارتے تھے،

"۔۔ چون میپر سید، وکلا از ترس احوال سپاہی عرض نمی کردند، روزے خود فہمید وایشان راپیش کشیدہ آنچہ عاقبتے دفینہ نہادہ بودند، حکم داشت کہ بدین غریبان بدہند ومرا از آزار ایشان خلاصی دادند۔"

یہ حالات (شوال ۱۰۱۵ھ رجب ۱۰۱۶ھ) تک کے ہیں جب کہ پہلی مرتبہ مرزا وہاں تھے۔ میر طاہر نے لکھا ہے کہ ایسی صورت حال کی موجودگی میں طالب آملی اور شمسای زریں قلم قندھار میں مرزا کے پاس پہنچے۔

دریں نوبت طالب آملی وشمس در قندھار رسیدہ۔ بملازمت ایشاں شرف گردیدہ اختیار ملازمت او داشتند۔

صاحب خیر البیان کا بیان ہے کہ طالب نے ۱۰۱۶ھ میں مرو کو خیر باد کہا اور سب سے پہلے مرزا کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ تاریخ طاہری سے اسکی تصدیق ہوتی ہے لہذا ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ مرو سے ہندوستان آتے ہوئے چونکہ قندھار راستے میں پڑتا تھا طالب وہاں پہنچ کر آگے نہ بڑھے بلکہ مرزا کے پاس ملازم ہو گئے۔

میرزا غازی نے اپنے حالات دربار میں لکھے ہوئے تھے، وہاں درباری سازشوں کی بنا پر بجائے روپیہ آنے کے فوراً واپس بھکر چلے آنے اور دوسرے حکم تک وہیں ٹھہرے رہنے کا حکم ملا۔

ظاہر ہے کہ جب قندھار سے نکلے ہوں گے تو اپنے تمام متعلقین کو ساتھ لے کر نکلے ہوں گے اور بھکر سے ہوتے ہوئے شعبان ۱۰۱۶ھ میں جہانگیر سے لاہور آکر ملے۔

طالب بھی سفر میں ساتھ تھے، اور میرزا غازی جب رجب ۱۰۱۷ھ میں دوبارہ

قندھار کے صوبے دار بن کر گئے تو طالب یہیں ہندوستان میں رہ گئے۔

جس قصیدے کو بنیاد بنا کر میر غلام علی آزاد اور مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ طالب پہلے ہندوستان آئے اور بعد میں آگرے، لاہور، ملتان ہوتے ہوئے پہلی مرتبہ قندھار گئے، وہ درحقیقت بربنائے حقائق مندرجۂ بالا، جب کہ ایک آدھ سال طالب نے یہاں رہ کر قسمت آزمائی کی اور جب کچھ نہ بنا تو دوبارہ میرزا غازی یاد آئے اور وہاں کی راہ لی، اس وقت انھوں نے یہ قصیدہ کہا ہے[۱]

خیال ہے کہ طالب نے ۱۰۱۸ھ میں کسی وقت یہ قصیدہ کہا ہے اور قندھار کی راہ لی ہے، ۱۰۱۹ھ میں وہ قندھار میں میرزا غازی کے پاس تھے جس وقت ان کا حال صاحب "تذکرہ خیر البیان" نے ہراۃ میں بیٹھ کر لکھا ہے اور بتایا ہے کہ اس وقت (۱۰۱۹ھ) طالب میرزا غازی کے پاس قندھار میں ہیں۔

طالب کو قندھار کا یہ سفر بھی مہنگا پڑا۔ چیچک کے مرض میں بیمار ہو کر چھ ماہ سخت اذیت میں تلملاتے رہے اور آخر میں اس کی وجہ سے آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔

اپنے ان حالات کو اشعار میں بیان کیا ہے مثلاً:

زبادِ آبلہ شش ماہ شد کہ خاک تنم | بہم برآمدہ زان چون غبار می پیچم
حجابِ جوششِ لب میکنم زموئے بروت | نقاب در دِ بروئے شرار می پیچم

آنکھ کی خرابی کے متعلق لکھا ہے:

بارے خوشم کہ گرگلِ چشمم بباد رفت | در دست شیشہ شیشہ گلاب سرشک ماند
اے کاش اگوشِ رغبتم احول نشدے چو چشم | تا ہرچہ گفتی، از تو مکرر شنیدمے

طالب نے دورانِ قیام قندھار میں میرزا غازی کی مدح میں گیارہ قصیدے اور دو ترکیب بند کہے، کچھ غزلیں بھی میرزا کے جواب میں کہی ہیں، لیکن معلوم ہوتا

---

[۱] آگے قصائد میں نشان زدہ اشعار دیکھیے جہاں اپنے سفر کے حالات بیان کئے ہیں۔

ہے کہ آبلہ اور اس کے نتیجے میں آنکھ کے ضائع ہو جانے نے طالب کو شکستہ خاطر کر دیا اور ہر چند کہ میرزا غازی نے داد و دہش، سرپرستی اور قدردانی میں کوئی کوتاہی نہیں کی، لیکن وہ وہاں کی آب و ہوا سے اُکتا چکے تھے، خود میرزا غازی کے مالی حالات اور معاشرتی صورت حال بھی آخری دور میں خراب تھی، اس لیے طالب نے دوبارہ ہندوستان کی راہ لی اور یہاں پہنچ کر انھوں نے از سرِ نو زندہ رہنے کے وسائل تلاش کرنے شروع کیے۔

میرزا کی مدح میں طالب نے جتنے قصائد لکھے ہیں وہ بہت زوردار اور گرم ہیں، بعض اوقات مداحی سے گزر کر عاشقی کا دعویٰ کیا ہے:

تکلف نیست معشوقِ من ست او نیست ممدوحم　　ازاں ایں شعرِ عشق آمیز، در مدحش سرائیدم[۱]

جیسا کہ "میخانہ" کے مؤلف نے لکھا ہے۔ طالب واقعی ۱۰۲۰ھ میں میرزا کے جیتے جی قندھار چھوڑ کر ہندوستان پہنچ چکے تھے، اور یہی سبب ہے کہ طالب کے دیوان میں میرزا غازی کی وفات پر کوئی مرثیہ نہیں پایا جاتا حالانکہ جتنے شعرا میرزا غازی کی وفات (۱۰۲۱ھ) تک ان سے متعلق تھے سب نے دردناک مراثی کہے ہیں جن میں مرشد یزدجردی بھی ایک ہے۔

طالب یہاں پہنچ کر پھر مصائب روزگار میں مبتلا ہوئے، دیانت[۲] خاں نے پہلے خود ان کو دربار میں پہنچایا، طالب اس وقت "مفرح" کھائے ہوئے تھے شاہی دربار میں کچھ کہہ نہ سکے، دیانت خاں کو خجالت ہوئی، گھر پہنچ کر جب سرور اترا تو طالب نے معذرت کا قطعہ لکھ بھیجا، دیانت خاں نے اس کے بعد مجبور ہو کر ان کو عبداللہ خاں

---

[۱] آیندہ صفحات میں طالب کے قصائد اور ترکیب بند پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ کس غضب کے اشعار نکالے ہیں۔

[۲] دیکھیے مآثر الامرا ۲: ص۸۰ خزانۂ عامرہ ص۳۰ (۱۰۴۰ھ) میں احمد نگر میں وفات پائی۔

(متوفی ۱۰۵۴ھ)[1] کے پاس گجرات پہنچادیا، عبداللہ خاں شعر دوست تھا اور نہ ہاتھ کا کشادہ تھا، طالب تنگ آگئے اور پھر آگرے پہنچ کر کسی صورت سے (۱۰۲۵ھ)[2] میں اعتماد الدولہ سے رابطہ پیدا کیا اور مہرداری کا منصب لیا، لیکن اس کو نباہ نہ سکے، استعفا دے کر اس مخمصہ سے نجات پائی[3]:-

اعتماد الدولہ میرزا غیاث الدین (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے آخر طالب کو شاہی دربار میں پہنچادیا جہاں پہلی مرتبہ طالب کا بخت جاگا، اور قسمت کا ستارہ چمکا، طالب بادشاہ کے منظورِ نظر بنے اور سفر حضر میں ساتھ رہنے لگے یہاں تک کہ ۱۰۲۸ھ میں ملک الشعرائی کے بلند ترین منصب پر پہنچ گئے۔

جہانگیر نے تزک میں خود ان کا ذکر کیا ہے جب کہ وہ کشمیر کو جاتے ہوئے کلانور میں منزل انداز تھا، اور طالب بھی ساتھ تھے:-

> و — دریں تاریخ روز شنبہ دہم دیماہ از چہار دہمیں سالِ جلوس (برابر با اواخر محرم ۱۰۲۸ھ ہجری قمری) طالب آملی بہ خطاب ملک الشعرائی، خلعت امتیاز پوشید —، اصل او از آمل است، یکچندے با اعتماد الدولہ می بود، چوں رشتہ سخنش از ہمگنان درگذشت، درسلک شعرائے پائے تخت منتظم گشت —،[4]

---

1. مآثر الامرا ۲: ص۷۷۷۔
2. تقی اوحدی نے طالب کو ۱۰۲۵ھ میں دیکھا ہے اس وقت وہ اعتماد الدولہ سے وابستہ تھے۔
3. معذرت کا قطعہ ملاحظہ ہو دیوان ص۱۵۳۔
4. تزک ص۲۸۹۔

آخر میں چند سال طالب پر جنون کی کیفیت طاری رہی اور بالکل ساکت ہو گئے تھے[۱]۔ جہانگیر کے انتقال سے ایک سال پہلے یعنی ۱۰۳۶ھ[۲] کو طالب نے عین جوانی میں بعمر ۴۹ سال اس دار فانی کو چھوڑا، ملا شیدا نے ایک سال کی کمی سے یہ تاریخ نکالی ہے:

داد اے فلک از مردنِ طالب ہاں داد — امروز بنائے نظم از پائے افتاد
تاریخ وفاتش از خرد جستم، گفت — حشرش اجلے ابن ابی طالب باد[۳]

جہانگیر نے تزک میں لکھا ہے کہ ماہ اردی بہشت سال ۱۰۳۶ھ میں ان کو طالب کی وفات کی خبر ملی۔ طالب فتح پور میں دفن ہوئے جسے تاریخ ادبیات فارسی میں ایتھے نے غلطی سے 'فاذ پور' لکھا ہے[۴]، حکیم رکنائی کاشی (متوفی ۱۰۶۶ھ) طالب کے خالہ زاد بھائی تھے، انھوں نے طالب کی موت پر کہا ہے:

فرزانہ عزیز و طالب خویشم، رفت — زین واقعہ، تا چہ بادل ریشم رفت
من بودم و آن عزیز، در عالم خاک — خاکم بر سر، کہ آن ہم از پیشم رفت

---

[۱] تذکرہ شعرائے کشمیر تالیف راقم ص۶۰۶ بحوالہ صحف ابراہیم

[۲] ریو، ریحانۃ الادب، قاموس الاعلام، شمع انجمن، خلاصۃ الاشعار، شعر العجم، خزانۂ عامرہ، ید بیضا، نتائج الافکار، صحف ابراہیم، میخانہ، سب نے یہی سال دیا ہے، طبقات شاہجہانی اور مآثر الامرا نے ۱۰۳۵ھ سال لکھا ہے جو غلط ہے۔ باغ و بہار، مراۃ العالم اور ایتھے نے ۱۰۳۵ھ سال دیا ہے۔ (تذکرہ کشمیر ص۶۲۱)

[۳] تذکرہ شعرائے کشمیر تالیف راقم ص۶۲۱ یہ تاریخ ملا صبوری مشہدی کے نام سے بھی منسوب ہے، اور چند الفاظ کا تغیر ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ دراصل ملا شیدا کی کہی ہوئی ہے اور ملا صبوری کے نام پر غلط منسوب ہو گئی ہے۔

[۴] ایتھے، ترجمہ شفق ص۱۹۵۔

کلمات الشعراسرخوش (طبع لاہور) کے حواشی میں مرقوم ہے کہ انھوں نے جہانگیر کے امیر شیخ حاتم کی بیٹی سے ۱۰۲۵ھ یا ۱۰۲۶ھ میں شادی کی تھی[1] جس سے ان کے ہاں دو بچیاں پیدا ہوئیں جن کو طالب کی بہن ستی النسا ربیگم نے پالا، بڑا کیا، اور ان میں سے ایک کی شادی ضیاء الدین پسر حکیم قطبا سے کر دی جس نے وضع حمل میں ۱۳ ذی الحجہ ۱۰۵۶ھ کو لاہور میں وفات پائی، اور دوسری بڑی لڑکی عاقل خاں (متوفی ۱۱۰۸ھ) سے بیاہ دی تھی۔

ستی النساء خانم کو طالب سے بہت محبت تھی، اس کو دیکھنے کے لیے وطن سے چل کر یہاں پہنچی اور بقیہ زندگی یہاں گزاری وہ نصیرائی کاشی کے عقد میں تھی، بڑی پڑھی لکھی اور قابل عورت تھی۔ جب آگرے پہنچی تو طالب شاہی رکاب میں سفر میں تھے انھوں نے یہ قطعہ لکھ کر بادشاہ سے اجازت طلب کی:

صاحبا! ذرہ پرورا! عرضے — بزبانِ سخنور است مرا
پیر، ہمشیرہ الیست غمخوارم — کہ باو، مہر مادر است مرا
چاردہ سال، بلکہ بیش گذشت — کز نظر دور منظر است مرا
دور گشتم زخدمتش، بعراق — وین گنہ جرم منکر است مرا
او نیاورد تابِ دوریٔ من — کہ بہ مادر برابر است مرا
آمد اینک بہ آگرہ، وز شوق — دل، طپان، چون کبوتر است مرا
میکند دل بسوئے او آہنگ — چہ کنم شوق رہبر است مرا
گر شود رخصتِ زیارتِ او — بہ جہانے برابر است مرا[2]

---

[1] کلمات الشعرا طبع لاہور ص ۶۹۔

[2] تذکرہ شعرائے کشمیر ص ۱۶۷ مولفہ راقم و دیوان طالب ص ۱۳۲۔

خاوند کے فوت ہونے کے بعد ستی النسا بیگم ممتاز محل (زوجہ شاہجہاں) کی خدمت میں امور خانہ داری اور مہرداری کے منصب پر فائز رہیں، اور شہزادی جہاں آرا (متوفی ۱۰۹۲ھ) کو بھی پڑھاتی رہیں۔ جب ممتاز محل فوت (۱۰۴۰ھ) ہوئیں تو شاہ جہاں نے ان کا خاص خیال رکھا اور مدار المہام اور عہدۂ صدر کل امور حرم شاہی پر فائز کیا[۱]

۱۳ رذی الحجہ ۱۰۵۶ھ کو طالب کی لڑکی نے وضع حمل میں انتقال کیا اور اس صدمے سے ستی النسا بیگم نے ۱۳ دن کے بعد ۲۶ رذی الحجہ بروز شنبہ ۱۰۵۶ھ لاہور میں اس دنیا کو خیر باد کہا، شاہ جہاں بادشاہ نے پہلے بطور امانت لاہور میں دفن کرایا اور ایک سال چند روز کے بعد ان کی نعش آگرے میں تاج محل کے مغرب میں متصل چوک جلو خانہ، بادشاہ نے تیس ہزار میں خاص ان کے لیے جو مقبرہ بنوایا تھا اس میں منتقل کی گئی، بادشاہ نے مقبرے کی دیکھ بھال اور مرمت وغیرہ کے لیے تیس ہزار آمدنی کی ایک جاگیر بھی مخصوص کردی تھی[۲]۔

مولانا شبلی نے طالب کی شاعری کی دو خاص صفات بیان کی ہیں، فرماتے ہیں:

> "شاعری میں طالب کا امتیازی وصف صرف دو چیزیں ہیں (۱) ندرت تشبیہ، (۲) لطفِ استعارہ استعارات کی نزاکت اس کے دور سے پہلے شروع ہو چکی تھی لیکن اس نے اور زیادہ لطافت اور ندرت پیدا کردی، اس کا کلام کہیں سے اٹھا کر دیکھو ہر جگہ نئے نئے

---

[۱] نصر آبادی نے طالب کے ایک اور عزیز ملا محمد شریف ولد ملا شیخ حسن آملی کا ذکر بھی کیا ہے جو ہندوستان آئے اور ابراہیم خاں ولد علی مردان خاں (حاکم کشمیر) کے پاس رہے، (مقدمہ دیوان طالب ص۳۲)

[۲] تذکرۂ شعرائے کشمیر ص۷۱۹ ۔

استعارے نظر آئیں گے۔ ان میں سے اکثر لطیف اور نازک ہیں، اور بعض معما سازی اور چھوٹے طلسم ہیں[1]۔

طالب کی رشتہ داری کا سلسلہ یوں ہے:

- نظام الدین علی شوہر ہمشیرہ مادر طالب
  - نصیرائی کاشی شوہر ستی النسا بیگم لاولد
  - رکن الدین مسعود رکنای کاشی وفات (۱۰۶۶ھ)
    - محمد حسین
  - حکیم قطبا
    - ضیاء الدین احمد متوفی ۱۰۷۵ھ داماد طالب
      - دختر
      - محمد صادق

- شوہر ہمشیرہ زوجۂ نظام الدین علی
  - طالب آملی داماد شیخ حاتم
    - دختر خورد زوجہ ضیاء الدین پسر حکیم قطبا جو وضع حمل میں ۱۳ ذی الحجہ (۱۰۵۶ھ) میں فوت ہوگئیں۔
    - دختر کلاں زوجۂ عاقل خاں متوفی (۱۰۵۹ھ)
  - ستی النسا بیگم زوجہ نصیرائی کاشی، متوفی ۲۶ ذی الحجہ شنبہ (۱۰۵۶ھ) مدفن آگرہ

حیاتِ طالب کے واقعات کی جدول ترتیب سنین کے تحت مندرجہ ذیل سطور میں پیش کی جا رہی ہے جس کی وجہ سے اوپر درج کردہ واقعات اور حالات کے جائزے اور سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

۹۸۷ھ کرچک (آمل) قصبہ میں طالب پیدا ہوئے۔

۱۰۰۷ھ بیس سال کی عمر میں طالب نے دو قصیدے اور

---

[1] شعر العجم ۳ : ۱۶۸۔

ایک ترکیب بند میر ابوالقاسم حاکم آمل کی مدح میں کہا[1]، اور ایک قصیدہ مازندران کے حاکم میرزا محمد شفیع کی تعریف میں تصنیف کیا[2]۔

۱۰۱۰ھ —— تیئیس برس کے سن میں مازندران سے نکلے، کاشان

کاشان: گئے اصفہان میں رہے جہاں تقی اوحدی کی ان سے

اصفہان: ملاقات ہوئی لکھا ہے :- در عنفوان شباب بود و برصفحہ عذارِ خطّے نداشت، رقم خط و نظم دلپذیرش چوں زلفِ دلبران صید قلوبِ عارفان میکرد۔

شاہ عباس کبیر کی مدح میں قصائد کہے[3]، لیکن

مشہد: کوئی نتیجہ نہ نکلا، وہاں سے مایوس ہوکر مشہد پہنچے اور سوز و گداز کے ساتھ امام علی رضا کی بارگاہ میں ترجیع بند کہا اور اپنا حال زار بیان کیا[4]۔

---

[1] ابوالقاسم کی مدح میں یہ قصیدے ہیں :- (۱) آنم کہ ضمیرم بصفا صبح نژاد است، دیوان ص۹
(۲) سحر کہ غنچہ کشاید گرہ زپیشانی، " ص۱۱۰
(۳) چوں برگِ گل ز دیدہ گلشن فتادہ ام، " ص۱۶۳

[2] بیا کہ شاہدِ شوخِ بہار چہرہ کشاد دیوان ص۱۸ -

[3] قصائد یہ ہیں : (۱) ز مشربِ تو مئے لعل خام را شرف است دیوان ص۱۵
(۲) بلبل نطقم چو آہنگِ غزلخوانی کند " ص۱۶

[4] یہ ترجیع بند ہے : باز خاطر ز عیش دل گیر است " ص۱۶۰

۱۰۱۴ھ ——————— اکبر نے وفات پائی اور جہانگیر تخت نشین ہوا، میرزا غازی اس وقت دربار میں تھے۔

ایضاً ——————— طالبؔ بکتش خاں حاکم مرو شاہ جہاں کے پاس مرو میں پہنچے اور ان کی شان میں ترکیب بند کہا اور مثنوی لکھی۔[1]

۱۰۱۵ھ ——————— ۱۲ر شوال کو میرزا غازی قندھار میں داخل ہوئے۔

۱۰۱۶ھ ——————— دو سال[2] رہ کر بکتش خاں سے وطن جانے کی اجازت لی تاکہ عزیزوں کو دیکھے۔

ایضاً ——————— آمل جانے کی بجائے ہندوستان کا رخ کیا اور رجب ۱۰۱۶ھ سے پہلے قندھار پہنچ کر میرزا غازی کے وابستگان میں شامل ہو گئے جب کہ وہاں سخت قحط تھا۔

ایضاً ——————— رجب میں میرزا غازی کے ساتھ قندھار سے چلے اور بکر میں پہنچ گئے۔

۱۰۱۷ھ ——————— طالب کے آنے کے بعد بکتش خاں نے اس سال انتقال کیا۔

---

[1] ترکیب بند یہ ہے : مثنوی سوز و گداز یہ ہے :

بازگل کردہ گلستانِ خیالی کہ مراست، ص۱۶۷ سرم را باز شورے در کمین است، ص۱۹۴۔

[2] یہ شعر کہا ہے جو مثنوی سوز و گداز میں ہے :

دو سال آمد کہ از محنت کشان است تراچون بوسہ فرشِ آستان است

دیوان ص۲۰۲

۱۰۱۷ھ ــــــــــ میرزا غازی ۴ر رجب کو مستقل حاکم بن کر قندھار روانہ ہوا۔

۱۰۱۸ھ ــــــــــ طالب رجب ۱۰۱۶ھ سے لے کر ۱۰۱۸ھ تک ہندوستان میں گردش کرتے رہے، آخر مایوس ہو کر آگرے سے قندھار چلے گئے۔

ایضاً ــــــــــ لاہور میں ابو المعالی (المتوفی ۱۰۲۴ھ) سے بیعت کی اور کچھ عرصہ رہے اور ایک قطعہ[1] لاہور کے وصف میں کہا۔

ایضاً ــــــــــ آگرہ، لاہور، سرہند، ملتان سے ہوتے ہوئے قندھار پہنچ گئے - اور بار دگر میرزا غازی سے وابستہ ہو گئے - قصیدہ لکھا[2]۔

۱۰۱۹ھ ــــــــــ قندھار میں چیچک کے مرض میں گرفتار ہوئے، کئی ماہ تک صاحب فراش رہے، ایک آنکھ میں آبلہ پڑ گیا اور وہ ضائع ہو گئی۔

ایضاً ــــــــــ قندھار میں موجود تھے جب کہ صاحب خیر البیان نے ہراۃ میں ان کا تذکرہ لکھا۔

---

[1] خوشا لاہور و فیضِ آبِ لاہور | لطاعت میل شیخ و شابِ لاہور
کہ پیر دستگیر و مرشدِ من | یکے قطب است از اقطابِ لاہور (ص۱۲۷)

بقول شبلی قطب الاقطاب سے مراد شاہ ابو المعالی لاہوری ہیں۔

[2] دیوان ص ۹۸ -

۱۰۲۰ھ ——— پریشان ہو کر قندھار کو چھوڑا اور دوبارہ ہندوستان وارد ہوئے۔

ایضاً ——— اسی سال ملا عبدالنبی صاحب میخانہ سے آگرے میں ملاقات ہوئی۔

۱۰۲۱ھ ——— میرزا غازی کا ۱۱ر صفر کو قندھار میں انتقال ہوا۔

۱۰۲۳ھ ——— قلیج خاں پدر چین قلیج فوت ہوا۔

۱۰۲۵ھ ——— چین قلیج خاں اندجانی کی ملازمت میں تھے اور اس سال سورت بندر گئے [1]

ایضاً ——— خواجہ قاسم دیانت خاں کے ساتھ منسلک ہوئے اس نے عبداللہ خاں فیروز جنگ کے پاس گجرات بھیج دیا، وہاں طالب نے ان کی شان میں قصیدے لکھے [2] وہاں سے نکل کر پھر دیانت خاں کے پاس آئے۔

---

[1] آمل زیاد رفت مراز التفاتِ او   تا خویش را بہ بندرِ سورت کشیدہ ام

شبلی نے (۳ : ۱۶۷) آزاد کی روایت سے لکھا ہے کہ قلیج خاں حاکم لاہور کے پاس ملازم تھے اور ان کی مدح میں قصائد کہے، جس قصیدے کا شعر سند کے طور پر پیش کیا ہے وہ چین قلیج خاں کی مدح میں ہے نہ کہ ان کے باپ کی مدح میں،

گلِ بہارِ سخا چین قلیج خاں، کہ سپہر   بہ باغِ ہمتِ او دوخت است چشمِ شام (ص۲۶)

چین قلیج خاں کی مدح میں قصائد دیوان میں موجود ہیں دیکھیے ص۱۳ ص۱۲۳ ص۱۳۹۔

[2] ملاحظہ ہوں قصائد ص۳۲ ص۷۹ ص۱۰۴ ص۱۸۲۔

۱۰۲۵ھ ——— تقی اوحدی نے ۱۰۲۵ھ میں آگرے میں ملاقات کی اس وقت وہ اعتمادالدولہ سے منسلک تھے، دیانت خاں نے ایک مرتبہ دربار تک پہنچانے کی کوشش کی لیکن یہ دمفرح، کھائے ہوئے تھے کچھ کہہ نہ سکے دربار سے چلے آئے اور بعد میں جب نشہ اترا تو دیانت خاں کی خدمت میں معذرت نامہ لکھا[1] اس کے بعد اعتمادالدولہ نے ان کو دربار میں پہنچایا۔

ایضاً ——— اعتمادالدولہ[2] نے غالباً اجمیر میں ہی ان کو دربار سے منسلک کرادیا۔

۱۰۲۶ھ ——— نورجہاں بیگم کو قطعہ لکھ کر استدعا کی تھی کہ شادی کرادے،[3] قیاس ہے کہ یہ شادی ۲۵ - ۱۰۲۶ھ میں ہوئی ہوگی[4] جس سے دو بچیاں پیدا ہوئیں! یہ بیوی شیخ حاتم کی صاحبزادی[5] تھی۔

---

[1] معذرت نامہ ملاحظہ ہو ص ۱۴۶ ۔

[2] اعتمادالدولہ کی شان میں کئی قصائد لکھے ہیں دیکھئے ص ۱ ص ۷ ص ۴۸ ص ۱۱۸ ص ۹۹۷ ص ۹۸۹ ص ۹۹۴ ص ۱۰۰۹ ص ۱۰۲۵ ص ۱۰۲۸ ص ۱۰۳۰ ص ۱۰۵۳ ص ۱۰۴۲ ص ۱۰۶۶ ۔

[3] ملاحظہ ہو قطعہ ص ۱۲۴ ۔

[4] دیباچہ طاہری شہاب ص ۳۸ ،

[5] دیباچہ طاہری شہاب ص ۳۷ وکلمات الشعرا طبع لاہور ص ۲۹ ۔

۱۰۲۸ھ ــــــــــــ شنبہ اواخر محرم (دہم ماہ دے) جہانگیر نے
طالب کو ملک الشعرا کے منصب پر فائز کیا،

۱۰۲۹ھ ــــــــــــ ملا فیروز سے اجمیر میں طالب کی ملاقات ہوئی۔

۱۰۳۴ھ ــــــــــــ غالباً اس سال کے لگ بھگ مزاج میں جنون کی
کیفیت پیدا ہوئی، اور اس کے بعد سکوت میں رہے۔

۱۰۳۶ھ ــــــــــــ فتح پور آگرے میں فوت ہوئے اور وہیں دفن
ہوئے، اس وقت ۴۹ کی عمر تھی۔

۱۰۵۶ھ ــــــــــــ طالب کی ایک لڑکی جو ضیاء الدین پسر حکیم قطبا سے
بیاہی گئی تھی وضعِ حمل میں بتاریخ ۱۳ ذی الحجہ
لاہور میں فوت ہوئی۔

ایضاً ــــــــــــ ۲۶ ذی الحجہ شنبہ کے دن ستی النساء بیگم نے اس
صدمے سے لاہور میں انتقال کیا، اور لاہور
میں امانتاً دفن کی گئی۔

۱۰۵۸ھ ــــــــــــ ستی النساء بیگم کی نعش لاہور سے لے جا کر آگرے
میں تاج محل کے سامنے خاص مقبرے میں دفن کی گئی۔

میرزا غازی کے متعلق طالب نے جو کچھ کہا ہے وہ آئندہ صفحات میں دیا جا رہا ہے اور خاص واقعات کی وضاحت بھی حواشی میں کی گئی ہے تاکہ اشعار کی شانِ نزول پر روشنی پڑ سکے۔

قصائد

در مدح میرزا غازی ترخان

یہ قصیدہ طالب نے ہندوستان سے میرزا غازی کی خدمت میں بھیجا تھا اور اس میں اپنے حالات لکھے ہیں اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی ہے ۔

چو گل، تکیه بر بستر خار دارم — نگاهی ز[1] حسرت گران بار دارم
دل آزردهٔ ام، وز پیٔ همزبانی — دل آزردهٔ چند، در کار دارم
سری دارم، از بار سودا، توانگر — بدین سر، چه پروای دستار دارم
گره بر گره ابروی دارم از غم[2] — خطا شد چه ابرو دم مار دارم
گریزد ز من آب و آئینه، گوئی — که خاصیت گرد و زنگار دارم
ز گل، کے کشم ناز، چون عندلیبان — که سامان گلشن، به منقار دارم
هم از نسبت صورت دل به[3] پیکان — لبی غرق خون، همچو سوفار دارم

---

[1] ص: به ۔ [2] ش: دارم از ابروی غم ۔ [3] ش: چه

هم از خندهٔ زخم های نهانی | جز این دیده، صد چشم بیدار دارم
همه شب، ز کیفیت بادهٔ غم | سر مست و مژگان هشیار دارم
در آن دم که گل ریزدش خنده دارد | من آمیزش گریهٔ زار دارم
شب[1] از ناله، پهلوی طنبور آسا | همه گوش و دل، بر لب تار دارم
پی کاوش دل، بر انگشت مژگان | ز فولاد ناخن، چو پرکار دارم
ندارم جوی راحت وگر بکاو[2] دم | غم و درد، خروار خروار دارم
سری نیست تا[3] کاکل سبحه ام، لیک | دل آویزهٔ زلف زنار دارم
هم از گریهٔ گرم، در چشم حسرت | رگ نور، آ لبستن نار دارم
چه سوداگرم کشور آرزو، را | که غم بار و اندوه سربار دارم
هدف چون شوم، زخم تیر و سنان را | که از نشتر غمزه آزار دارم
چه ساماں، ازین هر که در هفت کشور | نه قیمت، نه رونق، نه مقدار دارم
به گل نازی کردم و شادم اکنون | که قرب دجواری به گلزار دارم
همان پیر دهقان افسرده گشتم | که امسال هم حسرت بار دارم
در آغوش گلشن، ز لبس بی دماغی | ز گل دارم آن ذوق، کز خار دارم
دماغی مرا نیست، تا شکوه گویم | که در پهلوی خانه عطار دارم
شب و روز در شغل خون ناب ریزی | سر تیغ مژگان، شرر بار دارم
به ترکان چشم خودم، رحم ناید | دل هندوان[4] جگرخواره دارم
نه از گریه آسایم و نی ز افغان | دل و دیده را بر سر کار دارم

---

[1] ص - ش: شب از پهلوی ناله طنبور آسا - [2] ص - ش: بکاوی -
[3] ش: با - [4] ص: هندویان -

چو آن نخل، کش میوه شاداب نبود — همه خوارم[1] و تهمت بار دارم

بد و نیک، یک جلوه دارد به چشمم — نه بر فخر نازش، نه بر عار دارم

مسلمان نیَم، نیستم[2] اهل ایمان — اگر هیچ خصمی به کفّار دارم

یکی عارفم ناز پرورده مشرب — که از قید هر مذهب انکار دارم

اگر، عشق کفر است، از منکرانم — وگر، کفر دین ست، اقرار دارم

یکی عود کج نغمهٔ بر سرود دم — که از رشتهٔ ناله آن[3] تار دارم

یکی بلبل، بی پر و بالِ شوقم — که محرومی، از طوق[4] گلزار دارم

ز برگ[5] گلم، دست رس نیست، زان رو — جگر گوشه، بر نوک منقار دارم

درین خست آباد[6]، بی روی ماندن — نه سامانِ یک گام رفتار دارم

ز بیچارگی، بر در تنگ چشمان — قدم آهنین، همچو مسمار دارم

ندانم چرا یا رب اینسان خرابم — چه[7] لطف خداوند معمار دارم

صف آرای تیغ و قلم، خان غازی — که لب در ثنایش، گهربار دارم

بلند آفتابی، که دور از رکابش — برخ کوکب اشک بسیار[8] دارم

جدا از آستانش، ز اشک دمادم — سر آستین، رشک گلزار دارم

دلی بی رخ او، سزاوارِ خنجر — سری دور از آن[9] در خور دار دارم

بر چشم خلد، گرچه از آستانش — ز پا، قدرت کندن خار دارم

---

۱ ص - ش : بارم — ۲ ش : ز اهل ایمان

۳ ش : او نار — ۴ ص - ش : طوف

۵ ش : به — ۶ ملک : جنت آباد - سپه سالار - خست آباد -

۷ ش : چو — ۸ ش : بسیّار — ۹ ش : دور ازو

هم از کلکِ او، در نظر عقدِ پروین | هم از نطقِ او، درِّ شهوار دارم
مبادا سرم گر به عهدِ ثنایش | سرِ خامه یک لحظه بیکار دارم
ز ابیاتِ او، تا گهر چیده گوشم[1] | زیاقوتِ اشعارِ خود، عار دارم
به تحت الثریٰ از تمنای قدرش | قدم بر سرِ چرخِ دوّار دارم
بهارِ بهشتم، که بر باغِ طبعش | نگاهی ز حسرت، گران بار دارم

سحابِ کریمم، که در ملکِ جودش
به مغزِ دل[2] خویش اقرار دارم[3]

---

[1] ش: کوشم [2] ص ش: به مغز ولی خویش.

[3] دیوانِ چاپی از ص۵۳ تا ص۵۶.

قصیدہ

در توصیف لاہور و مدح پیر طریقت شاہ ابوالمعالی [1]

طالب نے یہ قصیدہ لاہور پہنچ کر کہا اور وہاں سے پھر ملتان آیا

خوشا لاہور و فیض آب لاہور | بر طاعت میل شیخ و شاب لاہور
نیابی ز اہل ہندوستان گروہی | بہ دل نزدیکی ارباب لاہور

---

[1] شاہ خیرالدین محمد المعروف بہ شاہ ابوالمعالی سلسلۂ قادریہ کے نامی بزرگ تھے، شعر میں غربتی اور معالی تخلص کرتے تھے۔ دیوان، رسالۂ غوثیہ، تحفۂ قادریہ، حلیۂ سرورِ دو عالم، گلدستۂ باغ ارم، مونس جان، زعفران زار، ہشت محفل آپ کی قلمی یادگاریں ہیں۔ آباو اجداد کرمان کے تھے، سفینۃ الاولیا اور خزینۃ الاصفیا اور تاریخ لاہور لطیف اور دوسرے تذکروں میں آپ کا ذکر موجود ہے، آپ ۱۰ ذی الحجہ عید الضحیٰ کے دن ۹۶۰ھ / ۱۵۵۳ء کو پیدا ہوئے اور ۱۶ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء کو وفات پاگئے، آپ کے والد کا نام سید رحمت اللہ تھا، جن کے دو بھائی اور بھی تھے، حضرت شیخ داؤد بندگی (مزار شیرگڑھ) اور سید جلال الدین (مزار سند) شاہ ابوالمعالی اپنے چچا داؤد بندگی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ (دیکھئے نقوش لاہور نمبر ص ۲۵۱ تا ص ۲۵۵)

گمانم نیست، کاندر هفت کشور | بود شهری، به آب و تاب لاهور
سکندر گو که عمر[۱] خضر یابد | ز آب همچو شهد ناب لاهور
که گر یک خضر، آب زندگی داشت | هزاران خضر دارد، آب لاهور
بمیزان فلک سنجان شب دوش | نظر کردم در اصطرلاب لاهور
ندیدم گردش چرخ فلک را | بحسن گردش دولاب لاهور
همه آلات لهو، آلات دهلی | همه اسباب عیش، اسباب لاهور
بحسن خلق و حسن چهره مانند | به اصحاب بهشت اصحاب لاهور
گر از آب خضر بر تلخ کامی | دهان شیرین کن از جلاب لاهور
بود لاهور شهری جمله آرام | نیابی مضطرب سیماب لاهور
به آسایش، اگرت میل ست واعظ! | بروی بستر سنجاب لاهور
میان بگشا و خوش واکش، که در هند | فراغت نیست، جز در خواب لاهور
هزاران زندهٔ جاوید، بینی | ز آب خنجر قصاب لاهور
برسم کاسبان از شام تا صبح | کتان بافی کند مهتاب لاهور
به چنگ زهره مشکین تار بندد | سر زلف بریشم تاب لاهور
بزخم سکه پیشانی خراشد | زر خورشید را ضراب لاهور
ز طاق[۲] ابروی زناریان پرس | نشان مسجد و محراب لاهور
سرشک تنگ[۳] را بگشای طالب | که جنس مصر باشد باب لاهور
قلم چون[۴] تیز سازم، نقش گیرد | هزاران فتنه[۵] از القاب لاهور

---

۱ ش: آب خضر۔ ۲ نسخهٔ اصل: نطاق۔ ۳ ش: شکر را۔
۴ ش: گر تیز ۔ ۵ ش: دفتر القاب۔

کنم زان رو مرید آسا شب و روز — کرامت ہا بیان در بابِ لاہور
کہ پیر و دستگیر و مرشدِ من — یکی قطبیست از اقطابِ لاہور

خدایا زندهٔ جاوید دارش
بآب خضر یعنی آبِ لاہور[۱]

---

[۱] مطبوعہ دیوان ص۳۹ تا ص۴۱ -

قصیدہ

یہ قصیدہ آگرے سے چل کر لاہور اور ملتان سے ہوتے ہوئے جب قندھار پہنچے تو مرزا کی خدمت میں پیش کیا، سفر کے حالات اس میں بیان کیے گئے ہیں۔

زہے بہ زلفِ تو، ناموسِ کفر، ارزانی — بلند از نگہت صیت نا مسلمانی
چہ آفتی، کہ مقیمانِ کنجِ صومعہ را — بصحن کعبہ کنی حکم "یا صنم" خوانی
بہ قبلہ ای نکنم روی، کز طپانچۂ زنگ[1] — رخم چو قبلہ نما سوی خود نگردانی
قفس بر این دل، چون صعوہ بشکنی ہرچند[2] — ہمای قدس، بدام آوری بہ آسانی
نہانی از نظرم گرچہ ہمچو روئی نظر[3] — درون چشم منت جلوہ ہاست پنہانی
بہ جستجوی تو، کردیم پای دیدہ، فگار — من و خضر، دو پریشان و دو بیابانی
نشانِ کعبۂ کویت، کس از کہ جوید باز — کہ، خضر می رود این رہ، بپای حیرانی
مقیدِ سرِ زلفِ ترا بہ سینۂ تنگ — نفس نمونۂ افعی بود ز پیچانی
ترحمی! کہ دلی دارم از شکنجۂ ہجر — ز آستین تو چینش فزون بہ پیشانی

---

[1] ش: زننگ [2] ص: تا چند ش: نشکنی [3] ش: نور نظر

خمیر مایهٔ زلف تو و دماغ مرا — قضا سرشت ز آب و گلِ پریشانی

بموج خیز کنارم ز پاره های جگر — هزار کشتیٔ نوح ست جمله طوفانی

چگونه از مژه سیلاب خون نیانگیزم — که کاوشی بدل از غمزه الیست پنهانی

پرِ فرشته شکستم، ببادِ دامن آه — سحرکه مست شدم از مئ خدا خوانی

زبانِ بلبل و طوطی، بیک دگر بستم — سفیده دم، که زدم پرده در خوش الحانی

دلم ز مطلع اول، به مدعا نه شگفت
شگفته ساز مش اینک به مطلع ثانی

مباش مانع چشم از نگاه پنهانی — بکن ز قاعدهٔ[۱] ناز آنچه می دانی

سرم فدای تو! دست از جفا مکش، که مرا — چو اهل دل، به ستم خواهشیست پنهانی

جفا خوش است، چه قلبی بود، چه مصلحتی! — ستم خوش است، چه وصلی بود، چه هجرانی

ز غم به نسبت عشق تو لذتیست مرا — که تشنه را نبود از زلال حیوانی

ز نا شگفتگیٔ روی بخت خود، شادم — که چینِ زلف تو، می رقصدم به پیشانی

غنیمت است، کز ان قوم نیستم، که کنند — جبین صیقلی از یاد[۲] درد سوهانی

گهی به سهو، گر از دست غم چوبی تابان — زبان بر زهر شکایت زنم، ز نادانی

همان نفس، کنم از مار گر ز دندان وام — پیٔ گزیدن طرفِ لبِ پشیمانی

فضای حوصله ام، دارد آن قدر میدان — که غم، لگام بتازد سمند جولانی

بلی! چرا نبود دستگاه حوصله ام — که، جرعه نوش همان ساغرم، که می دانی

کدام ساغر؟ پیمانهٔ عنایت دوست — که باد بر لب ارباب فیض ارزانی

چراغِ انجمنِ دهر میرزا غازی — کز اوست روشن این هفت کاخ ظلمانی

---

[۱] ص: تو. ش: بقاعدهٔ   [۲] ش: بار

زعکس ماهچهٔ رایتِ جلالت اوست | جبینِ آینه رویان چراغِ[1] نورانی
دمِ ترشح، ابر کفِ سخاش، نهد | حباب بر سرِ دریا، کلاه بارانی
غبارِ توسنِ او، چون رهِ شرف سپرد | بگردِ او نرسد، سرمهٔ سلیمانی
قدح به دور لبش زهر نوشد و ننهد | ز دست خضر دهن بر زلال حیوانی
صدف به عهد کفش، بکر میرود نکند | قبول نطفه، ز صلبِ سحاب نیسانی
به صفحهٔ رخ خورشید، وصف او دیدم | که، می نوشت عطارد، به خط دیوانی
گهی که، پنجهٔ جودش، گهر فشان گردد | سپهر گوید شکر فراخ دامانی
دمی که توسنِ عزمش، سبک عنان گردد | زمین عَرَق کند، از شرم تنگ میدانی
حسود را بود از رشک خوان احسانش | به لقمهٔ جگر خویش تیز دندانی
به عهد او، گله مندی ز دهر، نتوان یافت | بغیر جغد، که نالد ز قحط ویرانی
دو مطلعم، چو دو خورشید، سر زد از لبِ نطق | ز یک[2] توجه خاطر ز فیض یزدانی

به مطلع سیومش، می کنم حدیث درست
که دل نیافت کشاکش، ز اول و ثانی

چو رو به، کعبهٔ وصلت کنم قدم رانی | فتد بخاک، ز پایم نشان پیشانی
چه مظهری؟ که چو آئینه، روشن ست ترا | نهان خلق، چه پیدائی و چه پنهانی
فلک به عینک خورشید و مه نکرد برون | سر از کتابهٔ این چار طاق ارکانی
تو دیده پوشی و با صد حجاب، در شب تار | خط جبین ملایک، بر آسمان خوانی
ز کلک طبع تو، ریزد به پرنیان خیال | همان رقم، که تراود ز خامهٔ مانی
زهی به عقده کشائی ضمیر مهر نظیر | گره کشاده[3] ز کارِ زمانهٔ فانی

---

۱ ش: چرخ   ۲ ص ش: بیک   ۳ ش: کشاد

زشکل کاهکشان، داده پیک فطرت را — بکف عنان زیکی سبز خنگ چوگانی[1]

دران مقام، که گسترده خوان نعمت فیض — به مهر و مه، زده اول، صلای مهمانی

غذا، ز جدی و حمل داده چرخ را، هر گه — به سوی قرص مهش دیده تیز دندانی

من و سپهر و کواکب، گواهِ قولِ تو ایم — بیا بکن بخدا! دعوی سلیمانی

اگر سلیمان، در فیض ابر نیسان بود — تو خود، به فیض دو بالای ابر نیسانی

دمی امان نه دهی، گر سحاب دیدهٔ خصم — سفینهٔ نه کنی در سراب طوفانی

گل همیشه بهار است دولتت، که سپهر — بصد زبان کند آن را، هزار دستانی

ز آب تیغ تو، در گلستان سینهٔ خصم — به داغ شعله دمد لاله های نعمانی

گیاهِ عمرِ حسود تو سست بنیاد است — چو بر کنارهٔ جو، سبزهٔ زمستانی

اگر عدوی تو، لب ترکند به چشمهٔ خضر — دهن به زهر بشوید زلال حیوانی

وگر کند به دل اندیشه، کز سفینهٔ ضعف — بروی بحر، چو خس بگذرد به آسانی

به سهم ارّهٔ پشت نهنگ جلوه کند — به چشم واهمه اش موجهای عمّانی

به صحن کعبهٔ کوی تو، شاهدان بهشت — تمام آهوی چشم آورند قربانی

به حیرتم، که قدم سودگان دشت حجاز — به راه کعبه، چه گرم اند در قدم رانی

چرا به سوی جناب تو، ره نمی سپرند — که شخص کعبه توئی، بل هزار چندانی

میان کعبه و[2] ذات تو، فرق دشوار است — تو چار رکنی[3] و کعبه چهار ارکانی

مجال دم زدنم نیست، ورنه می گفتم — صریح با تو: که چشم و چراغ دورانی!

زبان کلک تو، منقار طوطی خرد است — از آن نباشد بی شغل شکر افشانی

---

۱ ص. ش : جولانی

۲ ش : کعبهٔ ذات

۳ ش : عنصری

به پایِ[1] شکّرِ نطقِ تو، سر بسر خجل اند — زگل فشانیِ خود، بلبلان ایرانی
نثارِ نعلِ سمندِ تو، تنگ دستان را — گهر عرق بود و رشتهٔ چین پیشانی
به کُنهِ جوهرِ ذاتِ تو، چون رسم هیهات! — هنوز، طفلِ صفت عقلِ من هیولانی
نه[2] عندلیبِ بهشتم، بگو[3] چگونه کنم — بجارِ باغِ مدیحت، هزار دستانی
بود به رشتهٔ وصفِ تو، کم بها گهرم — متاعِ زال، ببازارِ ماهِ کنعانی
گلِ قبولِ تو گر چینم، از بهارِ سخن — به عقلِ کل کنم، از ناز دامن افشانی
کلاه گوشه، به استادیِ خرد، شکنم — گرم، تو روزیِ شاگردِ خویشتن خوانی
زهی شگفته بهاری، که جلوهٔ تو کشید — به چشمِ بلبل و گل، توتیای حیرانی
ز شمعِ رایِ تو بر هر چمن، که عکس افتاد — در او چو آئینه شد، داغِ لاله نورانی
تبارک الله از اندیشهٔ فلک[4] سیرت — که اوست اوّلِ سیّارگان و مه ثانی
به پایِ فکرِ تو در لمحه ای توان صد بار — به لامکان شدن و آمدن به آسانی
ز شاهدانِ خیالِ تو، آب و رنگ برد — عروسِ خاطرِ مشاطهٔ صفاهانی
به خاکپایِ ضمیرت، سر نیاز برد[5][6] — کلاه گوشهٔ، مسند نشین شروانی
ز رشکِ بلبلِ شیرین نوایِ گفتارت — که هست خامشیِ او هزار دستانی
به شاخسارِ سخن طوطیانِ[7] هند کنند — جگر فشانی در ضمن شکّر افشانی
بمعرضی که، زبانِ تو تیغِ نطق کشد — قلم برعشه فتد در بنانِ خاقانی[8]
زبانِ خامهٔ فولاد را، کند مجروح — حدیثِ تیغِ زبان آورت ز برّانی

---

۱ ش: به پیش ۲ ش: ز ۳ ش: مگو
۴ فقط ش میں ہے ۵ ص: نکو ۶ ش: نهد
۷ ص: طوطیان سند ۸ ش میں ہے

نعوذ بالله ازان[1] افعی زمرّد فام که طعنه ها زده بر عقرب سلیمانی
چو آب خضر سیه جامه در حجاب نیام چو خضر سبز قبا در لباس عریانی[2]
میان[3] خضر و وی این مایه امتیاز که او همیشه خون خورد و خضر آب حیوانی
گهیت سبز در آید به چشم و گهه گلفام گهیش هندی[4] خوانی گهی[5] بدخشانی
چو شرم حسن نهان زیر پرده، لیک به طبع چو راز عشق، تمام آرزوی عریانی
به وصفِ توسنت این کلک پی بریده شود بزیر ران بنانم کمیت جولانی
تبارک الله! ازان اشهبِ ستاره خرام که در حقیقت صبح است[6] ماه پیشانی
به سطح خاک، یکی شعله ایست باد عنان بروی بحر، یکی کشتی ایست طوفانی
یکی رمیده غزالی ست، همچو نرگس یار بسی دونده تر، از قطره های پیشانی[7]
هوا به رعشه در آید گرش برانگیزی زمین به لرزه در آید گرش به جنبانی[8]
به پیچ و تاب در افتد، ز رشک سنبل حور چو مست جلوه کند عرض کاکل افشانی
بود به جیب فرو بستنش به عقل شکیل[9] گره بباد زدن در کمال انسانی[10]
ترا رسد[11]، که چنین[12] رخش، بر فلک تازی ترا رسد[13]، که چنین باره بر قضا رانی
خرد بنا ها! آشفته خاطری نگذاشت که در ثنای تو سنجم نوای سبحانی
عبیر پیرهن یوسف، آورم ز خیال عروس مدح ترا، تحفهٔ گریبانی

---

[1] ش : زآن [2] ش : میں نہیں ہے [3] ش : چو آب خضر
[4] ش : ہندی [5] ش : خوانی وگه [6] ش : صبحی است
[7] ص : عمانی [8] ص : بشورانی [9] ش : بود به جنب خرد بستنش بقفل شکیل
[10] ش : آسانی [11] ش : سزد [12] ص : چناں
[13] ش : سزد

ولی چه سود کز آشفتگی[1] طبع و حواس ‌‌ کشید سلسلهٔ دانشم[2] به نادانی
مشقت سفر و رنج راه، شدت دی[3] ‌‌ به لبست نطق مرا دست گوهرافشانی
سخن، ز خاطر افسرده، ناتمام آید ‌‌ تمام رس نبود، میوهٔ زمستانی
خدای داند و من بنده، کاندرین مدت ‌‌ چها کشیده ام، از حادثات دورانی
درین سفر، که نصیبم مباد، دیگر بار ‌‌ بگونه گونه غمم بود صحبت جانی
غم زمانه به یک سو، بلاست عارف را ‌‌ به[4] از مقولهٔ زلف بتان پریشانی
تمام راه، به دستور بختیان سحاب ‌‌ در آب دیدهٔ خود داشتم قدم رانی
تر اختلاطیٔ یاران برشگالی را ‌‌ ز من مپرس، که این قصه نیست پایانی
ز آگره تا به خیابان گلشن لاهور ‌‌ رفیق بودم با ابرهای بارانی
به عزم ملتان، چون زورقی شدم چو هلال ‌‌ زد از سر شکم سیلاب، کوس عمانی
نچیده دیده بساط ترشحی، که مرا ‌‌ ز شبنم مژه، کشتی نگشت طوفانی
چو بخت یافت به ملتان سلامتم از رشک ‌‌ چهار ماه دران قلعه داشت زندانی
زکمش ملتان، نزدیک شد بدان، کز مرا ‌‌ بدل شود لقب آملی به ملتانی
دران[5] مضیق ملالت چهار مه بودم ‌‌ بسان مهره ز ششدر تمام حیرانی
ز رهنمونی اقبال شاه، مهرهٔ بخت ‌‌ خلاص یافت، از آن ششدرم به آسانی
کنون که آمده ام، از تو چشم آنم هست ‌‌ که، روی تربیت از بخت من نگردانی
خطاب بندگیم مرحمت کنی، که مرا ‌‌ توجهی نه به سلطانی ست و نی خانی
مباش گو کمر حشمتم طراز میان ‌‌ بس است فرق مرا، افسر سخن دانی

---

۱ ش: آسودگی ‌ ۲ ش: آتشم ‌ ۳ ش: وی
۴ ش: نه ‌ ۵ ش: بحوالهٔ نسخهٔ ملک: دراین

همین عطیه بس از دولت توام که سپهر | کند کمینه خطابم: عُطاردِ ثانی
وحید صبح، محلّ دعاست هان (طالب) | سخن دراز مکن، چون شب زمستانی
همیشه، تا صف بیچارگان، برند پناه | به صاحبان دل از، حادثات دورانی
بزیر سایهٔ بالِ همای چتر تو، باد | پناه خلق، چه ایرانی و چه تورانی
بساط بوس تو بادا جبین شیر دلان | چه از سپاه عراقی چه از خراسانی[1]

ز شمع رای تو، رشک چراغ گردون باد
فروغ انجمن دودمان ترخانی[2]

---

[1] ش: چه از سپاه عراقی وچه خراسانی
[2] ش: ص۹۸ تا ص۱۰۴۔

قصیدہ

یہ قصیدہ قندھار میں پیش کیا اور اس میں بھی اپنی تکالیف، سفر کی صعوبتیں اور آیندہ کی آرزوئیں اور امیدیں بیان کی ہیں۔

اگر زاغ، اگر صعوۂ ناتوانم — ہمیں بس کہ، در جرگۂ بلبلانم
قفس زادگانند، مرغانِ شہری — من آن روستازادۂ[1] آشیانم
دو قولے نہ فہمیدہ ام، زانکہ گیتی — تراشیدہ از گوشۂ دل زبانم
نسیمم، ولی در حساب سمومم — بہارم، ولی در شمار خزانم
یکی عندلیبِ پریشان سرودم — کہ زلفیست بر چہرۂ گل فغانم
چمن، دست شوید بہ خون ریاحین — کہ گلدستہ بندد، ز اشک روانم
برقصد ورق ز انتعاش سوادم — ببالد قلم ز التفات بیانم[2]
چو گلریز معنی خرامم[3] بگلشن — سرایند بر نقش پا بلبلانم
گرت سوز من نیست باور، نظر کن — بہ گل دوزیٔ شعلہ در پرنیانم

---

[1] طالب روستازادگان آمل سے تھے اسی طرف یہ اشارہ ہے۔

[2] ش: بنانم [3] ش: حرمم

نگاران چین وختن نقش بندد / بروی[1] ورق کلکِ هندی[2] زبانم

گهر، بیخراشش نخیزد، ز معدن / شب و روز در کاوش دل ازانم

چسان جنس گوهر کنم در طبیعت / بگردن فتادست ناموس کانم

ز مغز سخن، بس که پرورده جسمم / چو باشد ز هم پیکر ناتوانم

زند خندهٔ کبک، بر نطق طوطی / هما گر خورد ریزهٔ[3] از استخوانم

بر قصد، خرد چون در آید، به بازی / کمیت قلم، زیر رانِ بنانم

بسوزد سپند آسمان، از کواکب / سر شعله، چون تیر سازد زبانم

هم شکر بختم، که ننهاده گیتی / بر طعم سخن، لقمه ای در دهانم

خورد اشک تیزی و شیرین ادائی / سرِ نیش زنبور شهد از زبانم

هنوز این فطیری ست، از خوان طبعم / هنوز این پشیزی، ز گنج زبانم

بدل دارم اندیشه ها، شکر الله / که بختم جوان است و من هم جوانم

بمیدان دعوای روشن ضمیری / سر صبح بازی کند، بر سنانم

سخن نکهت گل دهد، در ضمیرم / قلم، بانگ بلبل کند، بر بیانم

چکد نی شکر وار، شهد معانی / ز مهر سر حقهٔ استخوانم

ز بس، کز سخن گشته ام محو لذت / غذا طعم معنی دهد، در دهانم

زند کعبه سان خال مشکین لباسی / ورق از نم عنبرین ناودانم

پیمبر منم، معجزانم سخن[4] بس / سنائی و خاقانی، از امتانم

کلیم اللهِ دانشم، بی تکلف[5] / کلام الله نطق نازل نشانم

---

۱ ش: برومی　۲ ش: هندو　۳ ص.ش: ریزهٔ استخوانم

۴ ص.ش: را　۵ ملک: کلیم الله آن شهم، کز تکلف

چو من، شمع دانش فروزم بمجلس | نمایند پروانگی، عرشیانم
بهار، از پیِ رفع ضعفِ ریاحین | تبرک برد آب دست خزانم
زند خنده از یمن آثار علوی | سر خامه بر اختر کاویانم
چو بر عرش تازم، کمیت فصاحت | عنان بوس گردند، روحانیانم
به سیر فلک خنده زد هوش مندی | که طی القلم دید طی اللسانم
چو سیمای جوهر، ز فولاد هندی | نماید هیولای نطق از زبانم
لب از، برگ گل وام گیرد، مسیحا | که بوسد، بوقت تکلم دهانم
ز بس روشن آئینه ام، چون مریدان | یقین، خرقه پوشد، ز دست گمانم
ز معجون معنی پر از مغز بینی | کشائی اگر حقهٔ استخوانم
تو دانی و انصاف، و من نیز دانم | که یکتائے عصر و وحید زمانم
جواهر نگارد، چه بحری، چه کانی | بسیمین ورق، خامهٔ زرفشانم[۱]
چو نی شکرش، بسکه بندد حلاوت | هما، وقف طوطی کند، استخوانم
اصالت کلاهیست[۲] بر فرق قدرم | نجابت ترنجیست، در دست شانم
شکنج طلب زلف تاب از کمندم | خدنگ طمع گوشه گیر از کمانم
حسب گردی، از دامن اعتبارم | نسب دودی، از مطبخ دودمانم
شفا، نسخهٔ از اشارات کلکم | اشارات، رمزی ز سر بیانم
مسیحا نفس (طالب) نکته سنجم | که بنو د قسم عقل را جز بجانم
ترا دیده، از نطق طوطی، حدیثم | تراشیده، از بانگ بلبل، فغانم

---

[۱] یہ اور اس کے بعد کا ایک شعر مطبوعہ دیوان سے لئے گئے ہیں۔

[۲] متن: کلامیست

خرد، بر پرد آفتاب، آفتابم ‌‌ ‌ سخن، بر جهد آسمان، آسمانم
فرود آید از عرش، بر بام خاطر ‌ ‌ سخن، چون کبوتر، معلق زبانم
نفس باز گردد، چو از باغ فکرت ‌ ‌ عبیر بهشت آورد ارمغانم
بدین شوخ طبعی، بدین تازه گوئی ‌ ‌ خجالت ده شاعرانِ زمانم
ولی شکر، کز امتیاز طبیعت ‌ ‌ نه از شاعران، بلکه از ساحرانم
معلّی کلام و مصفّا ضمیرم ‌ ‌ ملمّع بیان و مرصّع زبانم
نمک بسته، از کنج لب تا دماغم ‌ ‌ گهر چیده، از مغز دل، تا زبانم
گل دانشم، دست کشت طبیعت ‌ ‌ سزد، گر نه ریزد هوای خزانم
شجاعم چو شیر، آنگهی شیر گردون ‌ ‌ نه چون، روبهانِ مزوّر جبانم
ز چنگال شیر است، پیکان تیرم ‌ ‌ ز نطع هژبر است، توز کمانم
بجای[۱] سنانِ درخشنده، بینی ‌ ‌ طلوع سهیل، از نیِ خیزرانم
کند طوق، در حلق گردون، کمندم ‌ ‌ کشد میل، در چشم اختر سنانم
بنا در دو انش[۲] بمیدان کوشش ‌ ‌ بکلک و پلارک جهان[۳] پهلوانم
گرت نیست باور من، اینک بمیدان ‌ ‌ به تیغ و قلم، هر دو کن امتحانم
نپوشم زره، چون در آیم بکوشش ‌ ‌ که این شیوه، ننگ ست در خاندانم
چو پیکر ز برق است و توسن ز بادم ‌ ‌ چه حاجت به خفتان و برگستوانم
چو مار افگنم پوست، زیرا که، جوشن ‌ ‌ نمود از مسامات بر تن عیانم
به سهراب دستی[۴] به میدان کوشش ‌ ‌ ملامت گرِ رستمِ داستانم

---

۱ ش : بجاں ‌ ‌ ۲ ش : بنا در دو دانش ‌ ‌ ۳ ص : جوان
۴ ش : ز سهراب بیشم - ملک : بسهراب دستی

هژبر اوژنِ زآملم[1] واینک! اینک!
بتن حلّه داغ، ببرِ بیانم

بتاج کیانی، به تیغِ یمانی
کفِ آفتاب و سر آسمانم[2]

ظفرنامه ها می فرستم به اعدا
بترکش نهانند پرّ ندگانم

منم، کاتش افروز نطق و بیانم
زمیں زادهٔ، برتر از آسمانم

عطاردرقم، شاعرِ شوخ طبعم
که ختم است، نظمِ گهر بر زبانم

مزاج مرا لازم ست انحرافی
قلم زآن محرف پسندد بنانم

ازل تا ابد[3] گر بکاوی، نیابی
متاعی بجز دوستی، در دکانم

من و مهر، باکینه ورزان گیتی
بلی، گلهٔ گرگ را من شبانم

ره وصفِ خود چون کنم طی؟ دریغا!
قلم، کو تهی می کند، در بیانم

نیم منفعل، گر ثنا سنج، خویشم
که لطف خداوند دارد بر آنم

من و نظمِ فخریه، کز چشم دانش
نظر کردهٔ افتخار زمانم

بهار سخن غازی آن شخص فطرت
که در گلشن مدحش از بلبلانم

فلک توسنی، کز غبار رکابش
سیه خانهٔ چشم شد، سرمه دانم

بلند اختری کز عروج ثنایش
سر خامه بگذشت از آسمانم[4]

بوصفش، خرد بست، نقشِ ضمیرم
به مدحش، زد اندیشه ناف زبانم

به عبری و یونانی و تازی اورا
ستایش کند مغز در استخوانم

حمل گوید اورا، شکار کمندم
اسد گوید اورا، سگ آستانم

غبار گهر بار دامانِ جودش
بدریا فرو برده دل تا زبانم

۱ـ ش: زابلم ۲ـ یہ شعر مطبوعہ دیوان سے لیا گیا ہے۔

۳ـ ش: از آن تا ابد ۴ـ ص: استخوانم

نسیم بهار گل[1] انگیز خلقش — بیا زوی تن بسته، تعویذ جانم
چکد بر زمین جمله[2] مغز مدیحش — اگر بفشری استخوان بنانم
چو از رای مردیش، رازی کشودم — بلب جوش زد، حاصل بحر و کانم
چو از چرب دستیش، رمزی نمودم — زبان مغز بادام شد، در دهانم
ز عدلش، بیک صورت آید بخاطر — هیولای[3] ضحاک و نوشیروانم
جهانی[4] دهم غوطه، در بحر وصفش — زمانی حیات، ار به بخشد امانم
گل وصف او، چون شود شوخ نگهت — هوس لشنگفد گلستان گلستانم
چو از شوخی طبع او، نکته سنجم — گهر، دست بازی کند، با زبانم
نی از نم شود سبز، در نیستانها — به کاشانه، این نکته شد امتحانم
کز آب سخن، گاه تحریر نظمش — قلم شد، پر طوطی اندر بنانم
دل خصم او، گر نباشد نشانم — خدنگ سخن، کج رود در کمانم
به ایثاری وصف[5] او، در شبستان — زند خنده بر شمع، روشن بنانم
بمغز آید از باد دامان رفعت — نسیم گل و بوسه[6] زان آستانم
گر از شکر نعمای او بی نصیبی — روان گشت زان[7] بر لب استخوانم
به گلشن شوم، چون مهیای مدحش[8] — در آرد زبان، سوسن اندر دهانم
ز تمکین او، گر کنم نظم گوهر — قلم سرگرانی کند با بنانم
چو بینم دم تیغ او، روز هیجا — شب آید بخواب، اژدهای دهانم[9]

---

۱ ص: گل اندوزیش: دل انگیز ۲ ش: صاف ۳ ص: هیولا ز ضحاک ـ ش: هیولای ضحاک
۴ ش: جهان را دهد ۵ ش: به نثاری نظم ۶ ش: گل بوسه
۷ ش: دو انگشت زن بر ۸ ملک: وصفش ۹ ش: دمانم

سخن[1] چون به تعریف نیسان دستش — زلب[2] عالم افروز و گوهر فشانم
کنم پنبهٔ صبح، ز آب سخن تر — پس آن آب، در حلق کوثر چکانم
رقم کان نه مشکین بود از بنانش — چو مو، بر سرِ خامه آید گرانم[3]
پی خاک بوس لب بام قدرش — گروگونه آید کمند کمانم
ببرجِ دل، از بسکه، آرم معانی — بپرواز، گوی کبوتر پرانم
بخواب اندر از فیض الهام وصفش — سخن رو دهد داستان داستانم
در املای مدح کفش بوسه گیرد — لب بحر از دست گوهر فشانم
چو توسن بمیدان سهمش جهانم — رود اژدر از مار پیچ عنانم
زهی شیر خشمی، که در وصف تیغت — زند خامه دم، ز اژدهای دهانم
قضا گویدت، طوق دار کمندم — اجل گویدت، خانه زاد کمانم
تن دشمن آید، بسوی حسامت — که این شوخ[4] گل بردم از استخوانم
سر حاسد افتد بپای سنانت — گر این[5] نخل تر میوهٔ خویش دانم
قدر پنجه بازد که بر تاب دستم — قضا قد فرازد که بشکن میانم
اسد گوید، از چرخ بکشا خدنگی — نه آخر کم از شرزهٔ نیستانم
تو گوئی زبون کش نیم زاژ کم خا — مده پیش تصدیع دست و کمانم
دگرگون کن، آئین گفتار طالب — که من، والهٔ شیوهٔ بلبلانم
زهی علوی ادراک قدسی مکانم — گزین گوهر عقد هفت آسمانم

---

۱ ش: سحر ۲ ص۔ش: زلب عالم افروز گوہر فشانم
۳ یہ اور اس کے بعد کے چار شعر مطبوعہ نسخے سے لئے گئے ہیں۔ ۴ ش: کہ این شاخ گل
۵ ش: کہ ای ..... خوانم ۔ ملک: دانم

نثار تو، آثار طبع و ضمیرم ‌‌ ‌‌ فدای تو، اولاد کلک زبانم

سخن بی ثنای تو، نیش خیالم ‌‌ ‌‌ قلم بی مدیح تو تیغ زبانم[۱]

تو آن ابر فیضی، که از شرم وصفت ‌‌ ‌‌ گهر آب شد، در عرق بنانم

تو آن بحر جودی، که از موج لطفت ‌‌ ‌‌ بکشتی گهر ریخت دل بر زبانم

زمین ثنا سنجی ابر فیضت ‌‌ ‌‌ به بحری علم شد دل قطره سانم

کجا گر ز فیض ثنای تو بودی ‌‌ ‌‌ جواهر شدندی خزف زیر کانم

نیامیزد ای مجلس آرای معنی ‌‌ ‌‌ که روشن شد، از شمع طبع روانم

برافروخت مدح تو، روی ضمیرم ‌‌ ‌‌ برافراخت وصف تو، نخل بیانم

تو آتش زن برق، کردی گیا هم ‌‌ ‌‌ تو مهتاب فرسا نمودی، کتانم

تو آئینهٔ طبع کردی منیرم ‌‌ ‌‌ تو شمشیر دانش، زدی بر فسانم

نسیم از تو شد، خاکروب سمومم ‌‌ ‌‌ بهار از تو شد، خوشه چین خزانم

دم از تیغ هندی، زند با حسودت ‌‌ ‌‌ زبان قلم، در دهان بنانم

ز خون عدوی تو گسترده هر سو ‌‌ ‌‌ فضا فرش، در خانهای کمانم

بترصیع زرین رکاب تو زاید ‌‌ ‌‌ جواهر ز نوک قلم توامانم

بوصف تو سرگرم نطقم از آن رو ‌‌ ‌‌ قلم میبرد سجده پیش زبانم

ز خوش طعمی من و سلوای وصفت ‌‌ ‌‌ ملائک نجنبد ز اطراف خوانم

ثنا سنج نطق توام، چون نباشد ‌‌ ‌‌ بعزت[۲] کلیم الله از ترجمانم

دعاگوی طبع توام، چون نگردد ‌‌ ‌‌ نواسنج آمین لب عرشیانم

زهی انتخاب، از هنر پرورانم ‌‌ ‌‌ بمدح تو، زان نامزد شد زبانم

---

۱ ش: بنانم ‌‌ ‌‌ ۲ به غیرت

عنان تاب شوق تو شد، ورنہ کی دل | زدی فال رجعت، ز ہندوستانم
بلغزیدہ بود، آن چنان پای خاطر | در آب و گل مہرِ ہندی بتانم
کہ گر شوق این کعبہ، غالب نہ گشتی | گذشتی بدل یاد نقل مکانم
نگاران لاہور و خوبان دہلی | بدل کردہ بودند، پیوند جانم
گرہ بستہ بودند ہر یک، بہ نوعی | سر رشتۂ جان، بموئے میانم
یکی چہرہ سودی، بچشم رکابم | یکی بوسہ دادی، بزلف عنانم
فشاندی یکی در بغل، یاسمینم | نہادی یکی در دہان، برگ پانم
چہ گلہا کہ بشگفت بر باغ خاطر | ز کشمیریان و ز اجمیر یانم[۱]
غزالان ملتان، نیرنگ سازی | کہ بندند از غمزہ، دست و زبانم
نگاران سرہند، در نقش بندی | کہ سازند دل، غرق خونا بہ سانم[۲]
من از جملہ، چون نکہت گل، گریزان | کہ خود را، بہ بزم ہمایوں رسانم
بجان بندۂ خضر اخلاص خویشم | کہ بنمود این رہ سوی آستانم[۳]
رہ کعبہ، طی می نمودم ز غفلت | بہ سوی تو، آورد دل، مو کشانم
کنون کآمدم دارم این نقش در دل | کہ بر آستانِ تو، جاوید مانم
بگویم دعای تو، چوں شعر گویم | بخوانم ثنای تو، چون ورد خوانم
وفای دہم، گوہرِ بندگی را | کہ چوں دست و پایم بہ پایت فشانم
تو نیز ہم گل تربیت، بر سر افشان | کہ این باغ را، بلبل خوش فغانم
بہر پایہ کم در خور آن ندانی | سزاوار آن دو بالای آنم

---

[۱] یہ شعر مطبوعہ دیوان سے لیا گیا ہے۔ [۲] ش: خون نافہ سانم

[۳] م۔ش: کہ بنمود رہ سوی این آستانم۔

به سیر فلک می فرستم ، دعائی — نمناست آمینی، از عرشیانم
رقم تا بود، رشح نیسان کلکم — سخن تا بود، آب روی زبانم
بوصف تو باد، آنچه از خامه ریزم — بمدح تو باد، آنچه از لب فشانم

شب و روز در حفظ جاه تو بادا
دو دست دعا وقف بر آسمانم[1]

---

[1] مطبوعہ دیوان ص۵ تا ص۲۳ ۔

قصیده

یہ قصیدہ قندھار میں عید قربان کی تقریب پر پیش کیا گیا ہے۔

چو صبح عید قربان، حلۂ کافورسان پوشد
زمین از خون قربانی شفق گون پرنیان پوشد

زعکس خون قربان، کشتگانِ دوست، در میدان
ہوا چون پیکر دشمن، لباس کشتگان پوشد

در آید روح اسماعیل، در تن گوسفندان را
کہ خونین جامہ، از دست مسیحای زمان پوشد

قدم[1] پیمای بزم فتح و نصرت میرزا غازی
کہ تیغش، جامۂ عیدی، زخون دشمنان پوشد

فلک چون یابدش درخندہ، روی از صبحدم تابد
زمین چون بیندش در جلوہ چشم از آسمان پوشد[2]

نپوشد پیکر قدرش، لباس رسمیٔ گردون
اگر پوشد، حریر عزت و دیبای شان پوشد[2]

بہ پیش رای او، خورشید در برقع شود، زان رو
کہ عیب جوہر آئینہ را، آئینہ دان پوشد

غزال از چین[3]، بہ مژگان ادب، تا قندھار آمد
کہ در صحن حریمش، کسوتِ قربانیان پوشد

حجاب گوہر نطقش، صف آرایانِ دعوی را
بہ زنگار خموشی، جوہر تیغ زبان پوشد

---

[1] ش: قدح پیمای [2] ش: میں فلک والا شعر بعد میں اور نپوشد کا شعر اوپر ہے۔

[3] ش: چین مژگان۔

خلاف رسم یاقوت وگهر، در قیمت آفزایش ‌ ‌ چو مروارید دندانش، لباس از رنگ پان پوشد

بهر عید از فلک حکمی، بمیر آفتاب آید ‌ ‌ که او از ماه پوشد جامه خصمش از کتان پوشد[1]

بعینه نخل طوبی، در لباسِ نور حق بینی ‌ ‌ چو سرو جامه پیش سیم[2] سیما پرنیان پوشد

ز تیغش زان سوی دیوار گلشن، فی المثل عکسی ‌ ‌ اگر بر یاسمین افتد، لباس ارغوان پوشد

دل دشمن برنگ نافه، در تن جوش خون گیرد ‌ ‌ شکنج ابرویش، چون نور مشکین برکمان پوشد

سزد گر بلبلش آئینهٔ گل پیش او دارد[3] ‌ ‌ چو گل دوزی قبا بر پیکر سرو روان پوشد

چو از دریای کف سر بر زند نیلوفری تیغش ‌ ‌ [4]پرند ارغوانی قیروان تا قیروان پوشد

به میدانی، که رخش جلوه تازد چرخ چوگانی ‌ ‌ ز نقش بوسه نعل بادپایش رانشان پوشد

ز سهم روی تیر و تیغ او، در بیشهٔ صولت ‌ ‌ لباس رعشه چون شیر علم، شیر ژیان پوشد

گریبانِ دعا را، تکمه آمین! ملک زیبد ‌ ‌ چو "طالب"، خلعت خاص نفس در آسمان پوشد

دعای می کنم هان دل، برافشان نقد آمینی[5] ‌ ‌ ولی آن دم، که صبح از نور، در سر طیلسان پوشد

الهی! نخل پیرای سعادت جامهٔ عیدی
بر آن شاخِ گل، از دیبای عمر جاودان پوشد[6]

---

[1] یہ دو شعر مطبوعہ دیوان سے لئے گئے ہیں [2] زمیبش [3] ش: پیش رو آرد

[4] یہ بیت مطبوعہ نسخہ سے لیا گیا ہے۔ [5] ش: دست [6] مطبوعہ دیوان ص۲۵ تا ص۲۶

قصیدہ

یہ قصیدہ قندھار میں کہا گیا ہے

آبی کہ بی تو، از مژۂ تر فرو چکد — چون برگ گل، بہ کسوت آذر فرو چکد
گلہای آتشین، دمد از آب دیدہ ام — کز قطرۂ ببال سمندر، فرو چکد
عود قماری[1] از جگرم، گر کنی بخور — خونابہ، از مشبک مجمر فرو چکد
اجزای نامہ، آب شد از شرم نام دوست[2] — نشگفت، اگر ز بال کبوتر فرو چکد
در چین طرۂ تو، ز دلہای بی دلان — چون مشک تازہ، خون معطر فرو چکد
زین قطرہ ہای گرم، کہ شبہای ہجر یار — در ہاے[3] ہاے! از مژۂ تر فرو چکد
تا بامداد حشر، ز بالین و بسترم — گر بفشرند، خون سمندر فرو چکد
نشگفت گر ز تلخیٔ خونم، زمانہ را — صاف ہلاہل از دم خنجر فرو چکد
بیمار اشتیاق ترا، ز آتش فراق — اجزای آب گشتہ، ز بستر فرو چکد
مرغابیٔ سرشک خودم لاجرم، چو بال — بر ہم زنم، چکیدۂ آذر فرو چکد

---

[1] بضم قاف، عود یکہ از ناحیہ قمار کہ نام شہریست در منتہای ہند و چون در لفظ ہندی قاف نیست ظاہراً قمار معرب دکمار باشد انند راج۔ [2] ش: روی دوست [3] ص ش: در ہاے ہایم۔

در روزگار حسن تو، فصاد غمزه را / خون فرشته، از سر نشتر فرو چکد
در گریه، از فروغ جمال تو، دیده را / شب تاب گوهر، از مژهٔ تر فرو چکد
از آفتاب حامله گردیده لاجرم / زین تیره ابر قطره منور فرو چکد
از کاوکاو نیش، غمانم به صحن باغ / دل خون شود، ز دست صنوبر فرو چکد
بر های! های! گریهٔ من، در سراغ دوست / خون ترحم، از دل کافر فرو چکد
از بسکه آتشین گهرم، گاه انفعال / آب از رخم، بکسوت آذر فرو چکد
مرغابیان بحر مرا، گر به تیغ موج / بسمل کنند، خون سمندر فرو چکد
زالوان حسرتم بگریبان و گنج چشم[۱] / هر قطره خون، بگونهٔ دیگر فرو چکد
خوننابه چون چکد نمکین، از دل کباب / از چشم حیرتم، نمکین تر فرو چکد
خوش در ترشح آمده خون دلم مباد[۲] / رشحی از آن، بدامن داور فرو چکد
یعنی، امیر غازی توخان، که آب فتح / چون شبنمش، ز نیزهٔ خنجر فرو چکد
گر باد دامن غضبش، بر چمن وزد / زهر از جبین برگ گل تر فرو چکد
کسوت هلاهلی کند از آب خنجرش[۳] / گر قطره ای به چشمهٔ کوثر فرو چکد
زان کلک، در چکیدن معنی گمان بری / کز صلب ابر، نطفهٔ گوهر فرو چکد
طوطی چو مور، پا همه بر چاشنی نهد / کز نطق او، گداخته شکر فرو چکد
چون شبنم گل، از حرکات اناملش / آب گهر، ز کلک معنبر فرو چکد
دندان و چنگ آب شد از بیم او روا ست / کز پنجهٔ و دهان[۴] غضنفر فرو چکد

---

[۱] ش: بگریبان زگنج و خشم

[۲] ص: خوش حال در ترشح خون دلم مباد

[۳] ش: کسوت هلالی ار کند از آب خنجرش

[۴] ش: کز پنجهٔ دهان

از شوق زخم، ضربهٔ تیغش به صیدگاه — آب، از دهانِ آهوی لاغر فرو چکد
هفت اختر از نهیب تو، چون هفت قطره خون — از چشم نُهٔ سپهر، مدوّر فرو چکد
در خدمت ضمیر تو، خوی قطره های نور — خورشید را، ز چهرهٔ انور فرو چکد
گر استخوان تیغ فشاری، بدست قهر — در بزم عیش او، می احمر فرو چکد[1]
برقی ست آب تیغ تو، بر مزرعی مباد — رشحی ازین سحاب متقطر[2] فرو چکد
از گرمیٔ سخای تو، چندان شگفت نیست — گر سکه چون عرق ز رخِ زر فرو چکد
تیغت لذیذ قطرهٔ آبی ست، خُرّم آنکه — این قطره اش، بکام دل اندر فرو چکد
آب گهر، ز فیض رقمهای کلک تو — مرغان نامه بر را، از پر فرو چکد
در بحر رای تو زند، ار غوطه، آفتاب — چون قطره از مسامش، اختر فرو چکد
سیماب سان، ز آتشِ تیغ تو خصم را — از مغز سرگداخته، مغفر فرو چکد
از باد گرم حملهٔ او، در سپاه خصم — جوهر ز تیغِ و گوهر از افسر فرو چکد
سرپنجه ایست قدرت او را، که گر بفرض — گوهر فشارد آب، ز گوهر فرو چکد
خورشید آب گشته، ز تشویر رای تو — از چشم خویشتن چه عجب، گر فرو چکد
از بیم او، چو قطرهٔ شبنم، ز شاخ گل — ناخن، ز پنجه پای غضنفر فرو چکد
بدخواه را به معرکه، در آتشِ نبرد — آن دم، که آب تیغ تو بر سر فرو چکد
ریزد ز دیده های زره، قطره های زهر — چون آب، کز لباس شناور فرو چکد
بکر مدیح را، بزمان[3] تو، شهریار! — آب از دهان، به رغبت شوهر فرو چکد
با اقتضای قدر تو، از دیدهٔ سحاب — رود در نشیب قطره عجب گر فرو چکد

---

[1] یہ شعر مطبوعہ دیوان سے لیا گیا ہے۔ [2] ش: معطر
[3] ش: بزبان۔

کلک ستمگرت چو دهد دیده نقش را — آب از دهان تیشهٔ آذر فرو چکد
در وصف آتشین گهرت، آب شد سخن — وقت ست، کز زبان سخنور فرو چکد
حرفِ سخای تو، چو به کاغذ برد دبیر — از نوک خامه اش، نقطِ زر فرو چکد
هر قطرهٔ چکیده ز کلکت کند قبول[1] — در آرزوی آنکه مکرر فرو چکد
آتش خورد به دفع حرارت زآب تیغ — رشحی گرت بکام سمندر فرو چکد
چون ناودان کعبه، ز کلکش دم سواد — آبی، بصد عذوبت کوثر فرو چکد
گر تیز بنگرد بچمن، تا خزان حشر — زهر از مشام، لاله و عبهر فرو چکد
نشگفت کز تراکم اشک عدوی تو — تا حشر خون، ز دیدهٔ اختر فرو چکد
لعل حبابی[2] شود از، آب تیغ تو — خورشید، اگر به چشمهٔ خاور فرو چکد
انگشت های[3] خامهٔ او گر بیفشرند — از ناخنش گداخته عنبر فرو چکد
بر صفحهٔ سپهر، به عهد مبارکت — خون نقطه نقطه، از خط محور فرو چکد
تاثیر عدل تو کندش آب خضر اگر — زهر از دهان تیغ ستمگر فرو چکد
بر یاد عیش دشمن تو، گر بیفشرند — زهر آب حنظل از، نیِ شکر فرو چکد
در ملک، دشمن از تف قهر[4] تو، آب شد — زانگشتهای دست زره گر فرو چکد
کلکت، غزاله ایست، که صد نافهٔ چو مشک — در جلوه اش، ز ناف معنبر فرو چکد
با ضرب تیغ درع شگاف تو خصم را — خون جگر، ز ناف تکاور فرو چکد
وه! وه! چه تیغ لمعهٔ برقی، که آفتاب — از جلوه اش، ز دیدهٔ اختر فرو چکد
هر قطره[5]، که آردش از پنجه سر برون — کز[6] فی المثل بکام غضنفر فرو چکد

---

[1] ص ش: عروج [2] نسخهٔ ملک: لعل ختای [3] ش: پای
[4] ش: آن زهر قطره [5] ص: مهر تو آب تیغ [6] ش: گر

از مغز موزه، فال ترشح زند بفرض — گر خصم را بگوهر افسر فرو چکد
عیسیٰ تکلما! به ثنای تو، آب خضر — در کسوتِ حروف، بدفتر فرو چکد
وصف تو کان بود، بمثل آبروی نطق — بیخواست، اززبان ثناگر فرو چکد
گر کم عذوبت آمده این نظم[1] آبدار — نشگفت، زانکه از لب چاکر فرو چکد
طالب ثنا بدل بدعا کن به امتحان — شاید که آن[2] رقم نمکین تر فرو چکد
تا از دهان شیشهٔ طالع، شراب کام — امید را بدیدهٔ ساغر فرو چکد

در جام جرعهٔ تو چکد، جرعهٔ مراد
وانگه زدست ساقی کوثر فرو چکد[3]

---

[1] ص: نطق

[2] ص: این

[3] دیوان مطبوعه ص۲۶ تا ص۲۹

قصیده

در توصیف تابستان و مدح میرزا غازی و اوصاف اسپ ممدوح

چنان بخار زمین، تیره ساخت آب زلال / که قطره، بر لب جو، میکند، نیابت خال

مزاج شخص هوا گشته آنچنان ناری / که شعله را، ز نسیم است، بیم اضمحلال

با ختلاط نسیم صبا، عجب نبود / که شمع، گلبن پروانه را، بسوزد بال

نسیم را، چو رسد ز آتش هوا، جائی[1] / که سنگ، آب شود، در ترازوی مثقال

اگر[2] نسیم، مکرر چنین وزد، شاید / که مشک بار دگر، خون شود به ناف غزال

ز تاب آتش رخسار مهر، نزدیک ست / که بر عذار بتان، شکل زلف گیرد خال[3]

هوا ز بیش چنان راه بسته بر سیلاب / که حبس آب روان ممکن ست در غربال

---

[1] ش: بسیم و زرچه رسد، ز آتش هوا حالی - ملک جامی -

[2] ص: اگر نسیم مگر بر ختن وزد، شاید - ش: اگر نسیم بخاک ختن وزد، شاید

[3] آقای شهاب طاهری نے اس بیت پر نوٹ دیا ہے کہ : از استعارات مبتذل سبک هندیست منه -

زبس تلین[1] اجسام ز آفتاب تموز — ولی[2] نسیم توان دید در سطوح جبال[3]
درین ہوا جگر تازہ، تا ز نوک مژہ — بہ نیم آہ[4] گریبان رسیدہ گشتہ زکال
بعہد جلوۂ تاثیر آفتاب تموز — بغایتی شدہ اجسام[5]، منعقد سیال
کہ آب آئینہ، با انجماد ذاتی خویش — ہمی بہ موج در آید ز غوطۂ تمثال
درین ہوا بہ مثل نقطۂ زیر لوح نگار — مگر میانۂ خواب و خیال گیرد فال
چرا کہ بر سرِ ہر نیت از عرق بہبست — کہ نقش قرعہ شود محو در کف رمّال
زبس تراکم دود ہوا، وگرد زمین — زمانہ[6] را بہ مثل گر ہمی کنی غربال
نہ بادہ، یابی روشن، نہ رنگ ساقی لعل — نہ چشمہ بینی صافی، نہ چہرہ یابی، آل
زبس غبار، پذیرفتہ برگہای لطیف — زبس بخار، برآوردہ آبہای زلال[7]
مریض مشرف بر موت را بجان افتد — نہیب مالک دوزخ ز برکۂ غسّال[7]
زقحط باد صبا، بلبلان بہ طرف چمن — نقاب غنچہ کشانید، از تحرک بال
باعتماد ہوا، شاہدان بوقت بخور — نہ ہیزم تر و در آتش[8] افگنند زکال
زاشتباہ نسیم سحر، گہی بہ سموم — سپیدہ دم نہ شناسد کسی، ز وقت زوال
چو سنگ و آہن، مانا شرر برقص آید — درین ہوا، برخ طبل اگر زنند دوال
زبس حرارت لب تشنگی، و بی آبی — بشاہدان چمن، خون ابر گشتہ حلال
از آن کشود دہن غنچہ تا مگر گردون — بہ نیش برق کشاید سحاب را قیفال

---

۱ ش: تلون — ۲ ص، ش: پی — ۳ ص، ش: خیال
۴ ش: بہ نیم راہ — ۵ ص: اجساد — ۶ ص: زمانہ را بمثل گر کنی ہمی غربال
۷ یہ دو شعر مطبوعہ دیوان سے لیے گئے ہیں۔
۸ ش: زہیزم تر، در مجمر افگنند زکال۔

تذرو فاختہ را، برتن از حرارت مہر — وبال گشتہ چنان حلّۂ منقش بال
کہ خویش را پیٔ عریانی[1] از ہوا عمداً — در افگنند بدام شکنجۂ اطفال
بطرف باغ ہمانا ز داغ تشنہ لبی است — کہ خون نشو و نما مردہ در عروق نہال
عذار گل، بہ چمن زرد گشتہ، ہمچون زر — لب گہر، بہ صدف خشک ماندہ ہمچو سفال
ز تفت سینہ بدستِ یلان آتش خوی — سنان بچرخ درآید چو شعلۂ جوّال[2]
تہی ز آب ہمہ سبزہا چو سبزۂ خط — بری ز نشو ہمہ دانہا چو دانۂ خال
بدیدہا در خون چو دیدۂ روزن[3] — بچشمہا در[4] نم نہ چو چشمۂ غربال
لب بنفشہ کبود، از غم نسیم صبا — عذار خیری زرد، از فراق باد شمال
زبان سوسن، از تشنگی فتادہ برون — چو نوک خنجر فرزانۂ[5] عدیم مثال
تبسم گل اقبال میرزا غازی — کزو بہارستانیست روضۂ اجلال
گل مخیلہ را، عنبرین از وست شمیم — زبان ناطقہ را، شکرین از وست مقال
سزد کہ، خامہ سنان[6] آید از کف خورشید — ازین سبب، کہ بہ شکل بنان[7] اوست ہلال
بوصف او رقم نکتہ تا دقیق زنم[8] — خیال نازک او را، در آورم بخیال
گر او نبودی، در عرصہ دودمان کرم — بمرگ حاتم پذرفتہ بود استیصال
زآب یاری، دست سحاب مشرب[9] اوست — کہ سبزہ چون پر طوطی ست، مزرع آمال
ہنر نبود جز این[10] کام بخش طائی را — کہ در مجاری امکان نکرد رد سوال

---

[1] ش: قربانی   [2] یہ شعر مطبوعہ دیوان سے لیا گیا ہے۔
[3] ش: درخون جو چو دیدۂ سوزن   [4] ش: نم نی جو چو
[5] ش: شہزادۂ عدیم ہمال۔ ملک: فرزانۂ   [6] ش: ستان   [7] ص: سنان
[8] ص: دہم   [9] ش: سحاب رحمت تست   [10] ش: جز این نبود

تراست طبع کریمی، که شخص احسانت[1] | سوال راکند، از چند منزل استقبال
زمانه رابتو، هفت آسمان مباهات است | تو نیز یک دو فلک بر وجود خویش ببال
به آبروی ملایک قسم، که چشم وجود | ندیده چون تو گلی، در حدیقهٔ آمال[2]
تمام جوهر دانش، تمام نشاهٔ عقل | تمام برق سعادت[3]، تمام نور کمال
زهی مقام شریف تو، کعبهٔ ارواح | مهی[4] جناب رفیع تو، قبلهٔ آمال
بسمت رای تو، اکثر توجه اوتاد | بخاک پای تو، اغلب توجه[5] ابدال
کشاید از نفست، باد[6] معجز عیسیٰ | ترا ود از قلمت، خون جادوی محتال
ترا مترجم نطقیست در زمانه که هست | زبانهٔ قلمش ترجمان سحر حلال
زبس تخیّلِ اشیا کنی به آسانی | گمان برم که ترا حسن ظاهرست خیال
زیاد رای تو، هر چشمهٔ مسام خرد | پیاله ایست، ز نور زلال مالامال
چو مرغ کعبه، شرف نامه ها رقم دارند | کبوترانِ حریم تو، بر صحایف بال
تو چون نجامهٔ مشکین، بری بنان[7] فغفور | دوات چینی، مشک آورد ز ناف غزال
بهار طبعا، در بوستان تربیتت[8] | که فیض نشو و نما را درست حد کمال
فتد ز لطف هوا، میوهٔ رسیدهٔ بخاک | شگوفه گر بمثل رد شود ز شاخ نهال
بلطف، در دل خشم، اندر آوری تسکین | بقهر، در تن حلم[9]، اندر افگنی زلزال
در آن مصاف، که از عکس تیغ مینا رنگ | برای معرکه پوشند، زمردی پر و بال[10]

---

۱ ص.ش : احسانش
۲ ش : اقبال
۳ ش : معارف
۴ ش : جهی
۵ ش : تیمم
۶ ص : آب . ش میں یہ بیت نہیں ہے.
۷ ش : بنان بری
۸ ش : بتربیت
۹ ش : خصم
۱۰ ش : ہوای معرکه پوشند زمردی سربال .

زلعب کینه بدست یلان آتش خوی ‌‌ — سنان بچرخ[1] در آید چو شعلهٔ جوّال

زهر جهت، متزلزل شود، قلوب نبرد — زهر طرف، متحرک شود، صفوف قتال

هلال تیغ، شود گردن فلک را، طوق — خم کمند، شود ساق عرش را، خلخال

زبس تحرک پرکار تیغ، و جدول رمح — به پرنیان هوا، مرتسم شود اشکال

مکان منبّت گردد، زنکتهٔ بر[2] و دوش — زمین مجدّد گردد زغوطهٔ سر یال

فتند زپیکر زخم آزمودگان برخاک — پرند سایه مشبک بصورتِ غربال

همین نهند عقابان تیز بال خدنگ — در آشیان دل و دیده، بیضهای خیال

دم رجوع خدنگ از فراز سوی نشیب — هوا به ریزد پرّ و زمین برآرد بال

تو درمیانه یکی اژدها گرفته بکف — چو شیر گردون آتش فشانی از چنگال

عدیل خواهی در ساحت زمانه عدیل — همال جوئی در عرصهٔ نبرد همال

برقص در خم رافت، سحاب رفتاری — که داغ پویه نهد، بر جبین باد شمال[3]

تکاوری، که چو خشم آورد، بگوشهٔ نعل — رباید از خم گوی زمین، هلال هلال

ببال و پر چو هژبر و بخشم کین چو پلنگ — به خال و خط چو تذرو به دست و پا چو غزال

زجنس وحش بود، تا بود بر آخور لیک — کنی چو قصد عنانش، برآورد پر و بال

چو مست پویه شود کف زنان، بهر گامش — هزار عمر، قدم سوده ماند از دنبال

عجب زسرعت سیرش مدان، که راکب او — همیشه تهمت ماضی زند بر استقبال

زحسن جلوه بهنگام کاکل افشانی — شمال بردمش آویزد و صبا بریال

---

[1] ش: برقص - ملک: بچرخ   [2] ش: تکیهٔ

[3] طاهری شهاب نے لکھا ہے کہ: در شعرای عصر صفوی، راجع به تعریف اسپ' منظومهٔ بخوبی شعر طالب یافت نشده است ۵۳۔

قرار کفر بود در طریقتش[1]، گوئی — ز عمر دشمن، شه وام کرده استعجال
ادا شگافا! رمز آگها! ضمیر رسا! — زهی زکنه تو، بی بهره جوهر افعال[2]
شکر فشانی حمدِ تو، حد ناطقه نیست — از آن چو طوطیِ تصویر لال گشتم لال
مرا بدست متاعی، چو صدق و اخلاص است — چرا به معرض بیع آورم، حدیث و مقال
چو صدق تا بودم گوهر بکف، چه ضرر — که جنس دانش معدوم را، شوم دلال
چگونه خود را فاضل نمایم و کامل — کدام فضل که من دارم و کدام کمال
بصدق نیت و اخلاص خویش، می نازم — نه بر مراتب فضل و کمال و ذهن و خیال
هزار بنده تراهست، جمله حالتمند — بچشم زخم یکی گو مباش صاحب حال
کمینه مدح سرای توام، روا نبود — که خاک قدح فشانند، بر سرم جهال
دریغ کاش! هجاگوی من، کسی بودی — که چاکران مرا شایستی نظیر و همال
که تن به تیغ تلافی همی زتارک سر — برای طبل فضیحت کشیدمیش دوال
ولی چه سود، که از شیر شرزه، لایق نیست — که چنگ و دندان، رنگین کند ز خون شغال
چه باعث است، من این فتنه را نمی دانم — که عالمی، بمن افگنده اند، طرح جدال
مرا خلاف و نزاعی بکس نه، حیرانم — که مردمم، ز چه افتاده اند، در دنبال
بحال خویش، یکی مرد قانعم، بکفاف — بکس نه مبحث جاهی مرا نه دعوی مال
رهین صحبت ابنای روزگار، نیم — بطبع خویشتم پیوسته، در جواب و سوال
به عرصه گاه نه رستم[3]، مگر در آخر فوج — به بزمگه نه نشینم، مگر بصف نعال[5]
مرید همتم، اینک نشسته فارغ دل[4] — بر آستان قناعت، ز روی استقلال

---

۱ ش: طبیعتش - ملک طریقتش ۲ ش: فعال ۳ ش: استم
۴ ش: فارغبال ۵ مندرجۂ بالا اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ قندھار میں معاصرین اور میرزا غازی کے متعلقین شعرا یا امرا طالب سے مخاصمت رکھتے تھے، اشعار میں اسی کی طرف اشارات موجود ہیں۔

بساطِ آز و ہوس، طی نمودہ خورسندم | بہ ذرہ پروریٔ آفتاب جاہ و جلال
بامتیاز لباس و غذا، نیَم دربند | کز اہل حال، نہ زیبد تتبعِ اطفال
بہرچہ می رسد از دوست، شاکرم شاکر | شکر نباشد حنظل، قصب نباشد شال
ولی بود ز تو ام چشم آن کہ نپسندی | سر بہ عرش رسانیدۂ مرا پامال
دراز گشت سخن، قصہ مختصر، طالبؔ! | یکی برشتۂ تفصیل کش دراجمال
محلِ محلّ اجابت، زمان زمانِ دعاست | برآر دست بدرگاہ ایزدِ متعال
ہمیشہ، تا بود آرائشِ صحیفۂ دہر | محامدِ شب و روز و مناقبِ مہ و سال
شبت خجستہ لقا باد و روز خوش منظر | مہت مبارک رو باد، وسال میمون فال
دلِ محب تو، آیئنہ[1] روز صیقلِ عشق | جبینِ خصم تو، سوہانی از شکنجِ ملال

مدام بر سر بخت[2] تو بال گستر باد
ہمای سایۂ لطف خدای جل و جلال[3]

---

[1] ش: آیئنہ دار صیقلِ عیش

[2] ص: مدام بر سر تخت تو سایہ گستر باد ۔ ش: بخت تو بال گستر باد

[3] دیوان مطبوعہ ص۵ تا ص۱۳ ۔

قصیده

چون ید بیضای فقرم سر بر آرد ز آستین ‌‌ — پنجه خورشید جاهش بر فلک بوسد زمین

چار موج قلزم ادوار تا دور نظر[۱] ‌‌ — چین استغنا زند، چون همت من بر جبین

لشکر آز و ہوس، تا زان دوانم در رکاب ‌‌ — توسن رام تجرد، چون کشم در زیر زین

دست تجریدم، فشاند آستین، بر کائنات ‌‌ — با وجود آنکه، حسرت می برد بر آستین

من کیم، دوزخ مزاجی کز دلم، سر می کشد ‌‌ — راست چون فوارهٔ خون، نخل آه آتشین

مار[۲] آہم گشته زان رو، حلقهٔ زلف نفس ‌‌ — کز سرشک سیم، در دل گنجہا دارم دفین

چون کمانی کش بجو شد توز، از باب ہوا ‌‌ — ابروی دل، گیردم از گرمیٔ اندیشہ چین

لاله گردد، جمله اجزای بیاضش، در نظر ‌‌ — چون، در آید صورت داغم بچشم یاسمین

پنبه سان سازد بیاض دیدهٔ رضوان، بہشت ‌‌ — فرش اشکم، تا کند گلگونه بہر حور عین

من بدشت فتنه، بیمار آہوی، چون چشم یار ‌‌ — وز بہمت، آتشین چنگال شیری، در کمین[۳]

---

[۱] ش: چار موج قلزم ادوار نارد در نظر

[۲] ش: نار

[۳] مطبوعه دیوان میں یہ شعر نہیں ہے۔

از سبک روحی روم شبها چو بر معراج ضعف　　در نگون طاس فلک با ناله پیهم چون طنین
با چنین ضعف، ار نیفتد کار، با کین و نیاز　　بر صف نازی[۱] زنم زانسان که گوی آخرین
کو مینگیز آسمان، هر لحظه آزاری مباد　　ابروی طبعم نماید نو بر آژنگ کین
تلخی آخر غایتی دارد نثار زهر خند　　بر شکر ریزی که شیرین کرده کام انگبین
با تو دارم! با تو ای گردون! تجاهل بر طرف　　دیدهٔ خورشید و مه، بگشای و بر حالم ببین
اشک ریز حسرتم، پیش آر طرف آستین　　وین سرشک، از گوشهٔ دامان مژگانم بچین
ورنه فردا، پیش داور، طرح[۲] این گلگونه فاش　　میزنم، بر روی خاک آندم، که می بوسم زمین
داوری، کاندر ثبوت عدل نوشروانیش　　همچو گل، در آستین دارم براهین مبین
نامدار ملک دانش، میرزا غازی، که ساخت　　خاتم اقبال را، در دیده جا، همچون نگین
مردم آسا، از صفای[۳] جوهر ذاتی، سزد　　او نگین نور و چشم آفتاب انگشترین
کفر باشد، بحر خواندن دست جودش را، که بحر　　می دهد مشتی گهر، آنهم بصد چین جبین
از سخا، بعد از نثار[۴] گنج، کز ننگ خنا　　ماندش بر کف، بدل گوید: چرا برخاست این
گو بکش بر تیغ کمالش، تا بگویم با عقول:　　فانظروا یا ایها الجهال فی العلم الیقین!
از نشاط انگیزی دور شبابش، دور نیست　　گر بدوران، نالهٔ طنبور هم نبود حزین
سرکهٔ زاهد، شراب عاشقان گردد، اگر　　بنگرد در وی بطرف چشم مستی آفرین
مردم چشم هوس، در رشک شوق مجلسش　　غوطهٔ حسرت زند، همچون نگاه واپسین
ده چه مجلس، گلشنی کز شرم حسن خویش ساخت　　یاسمین چهرهٔ فردوس را، شبنم نشین
فرشها گوی دم تسخیر[۵] قدسی طائران　　بال طاوسی، در او افشاند، جبریل امین

---

۱ ص: تازی - ش: نازی　　۲ ش: طبل　　۳ ش: صفات
۴ شمار　　۵ ش: تجمر قدس - ملک: تسخیر

هرطرف [1] شمعی فروزان کز صفا مومش بچشم | آورد گاه تماشا صاف اشک انگبین
دُرد آن موم ست، کاینک ساخت شمع فضا | صرف شمع روشن بزم سپهر چارمین
قطرهٔ می، برلب سیمین صراحی، کرده فاش | تکمهٔ لعل، از بیاض گردن حوران چین
ساقی انگشتر بکف همچون سلیمان، در قدح [2] | می نگین و موج بروی صورت نقش نگین
سازدر آغوش، هر سو مطربان زهره سوز | نشتر مضراب هریک، بارگ جانم [3] قرین
شاهدان نغمه شان را نیش مژگان اثر | راست چون تیر نگاه شوخ چشمان دل نشین
حبذا الفاظ خوش الحان، که مرغ لهجه شان | در دل بلبل فشارد، ناخن صورت حزین
برحواشی شاهدان در جلوه همدوش حجاب | جمله، چون موج نفس، چین نزاکت بر جبین
آن [4] بدست لب، که از نسرین این سنبل ربای | گه بدستان نیاز، از نرگس او [5] فتنه چین
برجبین عرش می تابد، فروغ مجلسش | بی تکلف، مجلس افروزی، همین باشد آیین!
وقت [6] رزمش چون کنم انشا، دو پیکر خامه را | ذوالفقاری گردد و، بر خصم [7] ریزد طرح کین
روز هیجا، چون شود گرم نبرد، آید بچشم | آفتابی کرده جا، در خانهٔ زرّین زین
نوک رمحش، جوشن بخت فلک را تکمه دوز | برق تیغش، خرمن عمر عدو را خوشه چین
مرغ تیرش، بیضهٔ فولادی پیکان نهد | هرطرف، در آشیان دیدهٔ خصم لعین
با نهیب هیبتش گردد فلک را، زانجماد | زهر شعبه فادزهر اندر تن شیر عرین
ده چه تیغ! افسرده آبی جاری از جوی نیام | ماهیان آتشین فلسش سمندر را قرین
آب دیدی تشنه لب، گر خود ندیدی در مصاف | آب سیما دشنهٔ، چون تشنهٔ قهرش ببین

---

[1] ص: هرطرف آید فروزان از صفا مومش بچشم   [2] ش: از قدح
[3] ش: جانی   [4] ش: او   [5] ش: آن   [6] ش: وصف
[7] ش: صفحه

رخش الله! زان سحر تن بارهٔ شب دست و پای | گر بیاض آیینهٔ صبحش، درخشد بر جبین
همچو عاشق، کاورد معشوق خویش، اندر کنار | با دو دست تنگ تنگش، در بغل بگرفته زین
طی کند میدان ممتد زمان کش نگسلد | دست گام آخراز، دامان گام اولین
بر تل آتش تصور کن فروزان لاله ای | گر ندیدستی گل تمغای شاهی[1] بر سرین
چون هلال نعل، نور افشان کند، گردد مگر | سطح میدان هوا، نقش سم او رانگین
ورنه خود زآن جا که، استیلای شوخیهای اوست | نی فلک، بتواندش زد بوسه، برسم بی زمین
تا بود از توسن و زین، در جهان گفت و شنید | توسن اقبال، بادش جاودان، در زیر زین

طالب آتش زبانش همچو دولت در رکاب
کرده از جای عنانش رخش اشعار متین[2]

---

۱ ش: شاهیش

۲ دیوان مطبوعه ص۷۷ تا ص۷۹ -

قصیده

برون از مجلس او، گر چراغِ بزمِ خورشیدم — خس و خار از پر پروانہ سازید و بسوزیدم

بساز بزم او خوگردہ ام چون بشگفد بر دل — خراش ناخن شیر، از خروش چنگ ناہیدم

ز دہشت گر نسیمی بگذرد زآن شاخ گل بر من — بہر موتنگ در آغوش گیرد، رعشۂ بیدم

زتخم جلوۂ کافشاند ناگہ، بر زمین دل — چو نخل آہ خود، تا آسمان خویش مالیدم

فغان! کز چہرۂ یاسم، گلی نشگفت بر مژگان — خراش خانۂ[1] دل شد، شکنج زلف امیدم

یکی خون قطرہ بودم پردگی در حجلۂ خجلت — بحمد اللہ! کہ از طرف جبین دل تراویدم

شب غم، ہمچو آن ماری کہ، بر مارِ دگر پیچد — زیاد طرۂ[2] بر طرۂ اندیشہ پیچیدم

گمان می بردم الحق، دیدہ را سر[3] در کنار دل — خلاف او[4] یقینم شد بجان از دیدہ رنجیدم

برآوردم ز مژگان، آہنین سرپنجہ، تا دل را — سر از تن برکنم، بازش بمہر دوست بخشیدم

غلط گفتم، ہراس داورم بازو فشار آمد — کہ قادر پنجہ را، در آستینِ عجز دردیدم

---

[1] ش: خراشخانہ ‏ [2] ش: کاکلی ‏ [3] ملک: ہم در کنار دل

[4] ش: آن

فروغ چهرهٔ خورشید دولت میرزا غازی   که ماه نکته سنجی را، بروی مهر[1] او دیدم
هم از یاد یمانی، خاتم رالکش شعاع افشان   سهیلی گشته، بر پیشانیٔ خورشید تابیدم
گل آگین شد نگاهم، تا بروی او نظر کردم   سمن پوشد عذارم تا بپایش چهره مالیدم
چون آن کز ره رسان گرد سفر بر طرف پیشانی   به سنگ آستانش زعفرانی چهره سائیدم
حلالم باد لذات وصالش، زانکه مدتها   بجان، با شاهد شوخ خیالش، عشق ورزیدم
مصور شد بدیبای نظر سیمای خورشیدم   چو در آئینهٔ حسن تصور، روی او دیدم
زرویش صفحه نگشودم وصد لاله بشگفتم   زقدش جلوهٔ بر لبودم وصد شعله بالیدم
زمین گفت، آب خضر از چشمهٔ دستش برآوردم   فلک گفت: آفتاب از سایهٔ رالش تراشیدم
حطامت باشکوه، این خامُش میخواند آن صاحب   براین صدره بیاشفتم، بران قهقه بخندیدم
بنافهمی براین، چون تیغ برآن فتنه بگشودم   بنادانی برآن، چون ابر نیسان طعنه باریدم
برآشفتم چو زلف دلبران، آنگه تاسف را   سر انگشت زبان، از جانب ایشان بخائیدم
فشاندم از ثنایش[2] رشحهٔ، دریا بیفشردم   نمودم از شکوهش شمهٔ، بر خود بلرزیدم
همه[3] تبخاله بر گنج لبم ریزنده گوهر شد   بوصف جود او، چون نغمهٔ در دل طرازیدم
نگشت آسای تیغش شعله میدان اخگری پیدا   تل خاکستر افلاک را هر چند گردیدم
نشد مانند رمحش آذر افشان افعیٔ پیدا[4]   دل افعی ستان خاک را هر چند کاویدم
بخاک پای او تا فرش لب مستانه گستردم   بساط تشنگی از چشمهای خضر برچیدم
لعابی بر لب از افسون خفظش، داده صد پاره   دو افعی چون دو زلف شاهدان برهم تبابیدم[5]
به رضوانی جنت، خاطرم می داد تن گرمی   کرشمه حسن باغ خلق او می کرد نوعیدم[6]

---

[1] ش: ممدح   [2] ش: سنخایش   [3] ش: همان تبخال

[4] ش: ظاهر   [5] یہ شعر مطبوعہ دیوان میں نہیں ہے   [6] ش: نومیدم

به مداحی دریا می کشودم بهر لب گرنی — ستیزهٔ ابر، دست لطف او، میداد تهدیدم

چسان از خلد لافم، من که سیر خلق او کردم — چسان از بحر گویم، من که ابر دست او دیدم

بدین فطرت بلندی، هرچه زو جوشید خوش کردم — بدین مشکل پسندی، هرچه زو سر زد پسندیدم

تکلف نیست، معشوق من ست او بنده مدامم[1] — از آن این شعر عشق آمیز، در مدحش سرائیدم

کشودم دیده بر مستقبل و ماضی، و حال اینک — نه بینم همچو اوئی و نخواهم دیدونی دیدم

به خلوت خانهٔ وحدت، بیادش خواستم خفتن — مگر از ناگهانی ترکتاز شرک ترسیدم

خوش آمد نیست این دُرّها که سفتم در ثنای او — بجان او که، نوک مثقب اندیشه ورزیدم

خوش آمد گوید آن کو چشم بر سیمش بود یا زر — من اندر صلب[2] همت، میل سیم و زر بد زدیدا[3]

شکوهش دارد اینک در لباس پای پندار — چو مرغ فقر دایم نغمه زن بر شاخ تجریدا

من و نازک طرازی هم بخاک پای او طالب — چه ذوق از افسر کسرئ و چه[4] از تاج جمشیدم

الا تا نام محراب توجه در میان آید

مبادا جز خم ابروی او محراب امیدم[5]

---

[1] ش: نیست ممدوحم

[2] ملک: جلب - ش: صلب

[3] ش: مرگ میل سیم وزر دیدم

[4] ش: کسری چه خط از تاج جمشیدم

[5] دیوان مطبوعه ص۶۴ تا ص۶۵

قصیده

شرط است بی‌تو، در دلِ شبها گریستن — کردن بیان شوق ددر آشنا گریستن
بی آه و اشک، چاشنیِ در حیات نیست — یا سوختن در آتش دل، یا گریستن
از گریه منع می نکنم، هیچ دیده را — دانم که هست چاشنیِ ما گریستن
کارم گریستن بود، اندر فراق دوست — وانگه، بدیده همه[1] اعضا گریستن
با هایهایِ گریهٔ من خلق، را رواست — بر حال ابر و حالت دریا گریستن
دور از تو، دون مرتبهٔ دیدهٔ من ست — با ابر نو بهار بدعویٰ گریستن
رفتم وسیله ای بکف آوردم از فراق — تا کی کشم تعرّض بیجا گریستن
چون شکر گوی گریه نباشم، که هیچ یار — آبی بر آتشم نزد، الا گریستن
دور از رکاب دولت وصل تو، می رود — خندیدنم عنان بعنان با گریستن
عیش و غم زمانه دور و زاست، هوش دار! — امروز خنده کردن و فردا گریستن
در پرده اشک ریز، که چشم من و سحاب — رسوایِ عالمند ز رسوا گریستن

---

[1] ص: بدیده و همه   [2] ص: از های های

درخوردهٔ گل‌فشان، مژهٔ دامنیم نیست — می بایدم، بدامن صحرا گریستن
گرهست گریه را اثری، در وصال دوست — اینک هزار ساله[۱] مهیا گریستن
جان را ز سینه، چیست توقع، گداختن — دل را ز دیده، چیست تمنا گریستن
گلبانگ های های، نمی آیدم بگوش — از چشم دل، فتاده همانا گریستن
دل را ز هیچ مرهم سوزان، دوا نشد — با سوز اشتیاق تو حتّیٰ گریستن
بامن، حدیث گریهٔ یعقوب، می کنند — یاران نکرده اند تماشا گریستن
گاهی چو لعل جام شکر خنده هم خوش است — تا چند، همچو دیدهٔ مینا[۲] گریستن
یکره گریستم وز گیتی اثر نماند — ای وای اگر کنیم تمنا[۳] گریستن
از گریه های بیهده، نوری بدل نتافت — انصاف نیست ورنه همانا گریستن
ای دیده! آبروی تو برباد شد، کنون — دریوزه می کن از در دلها گریستن
خون کیمیاست در جگرم شاید آب چشم — گیرد نشانِ سایهٔ عنقا گریستن
هان دل! بگریه کوش، که مفلس نمی شود — چشم، از متاع یک دو سه دریا گریستن
صد بحر جلوه می کندش در تهِ بساط — با آنکه خانه داده بهٔ یغما گریستن
ابر بهار گو که پس از گریه های زار — بنمایمش طریق دو بالا گریستن
یک جنس گوهر اند ز یک بحر و یک سحاب — طوفان لقب شد آن را، این[۴] را گریستن
ما پرده پوش راز نهان خودیم، لیک — اسرار غیب می کند آنها گریستن
صد شیوه بود حاصلم، اکنون ز سوزِ عشق — از یاد رفته جمله مرا تا گریستن
چشم سفید گشته ز غم، تا کلیم وار — بنموده آستین ید بیضا گریستن

---

۱ ص: سال — ۲ ش: مثنی

۳ ش: میں دیئے ہوئے نمبروں کی ترتیب سے بیت ہیں — ۴ ص: را داین

ممنون سوز گریهٔ خویشم که شمع وار[1] — انسب بود گداختن، اولی گریستن

اسباب گریه جمله مهیا ز درد و داغ — ای دیده! چیست واسطهٔ ناگریستن

انیست اگر مقام شهیدان غم رواست — بر زندگیٔ خضر و مسیحا گریستن

شمشادم از کنار دهاند و[2] گلم ز جیب — بر بادِ آن قد و رخِ زیبا گریستن

مشاطه وار هر دم، زیب دگر دهد — چشم بگونه گونه گهرها گریستن

دارم[3] ذخیره در شکن آستین بخت — صد گل، یکی ز جملهٔ آنها گریستن

عمری بدیدهٔ دل شیدا گریستم — اکنون من و ز چشم سویدا گریستن

یاران چه واقع است؟ ندانم که خلق را — دامانِ دل نمی کشد الّا[4] گریستن

نقشی ز گریه، بر ورق هیچ دیده نیست — رسم قدیم گشته، همانا گریستن

یک دیده را، ترشح مژگان بدیده نیست — اسمی ست بی مسمّی، گویا گریستن

نی نی ز خنده روی بدوزان به عهد یار — زحمت نمی دهد مژهٔ را گریستن

شمعِ زمانه غمازی، کز رشک رای اوست — دائم نصیبِ دیدهٔ اعدا گریستن

یک شمه[5] از رحیم دلی های تیغ اوست — برگشتهٔ خود از همه اعضا گریستن

ای صاحبی! که خصم ترا در فضای چشم — دایم کشیده از خون صفها گریستن

بر تن پلاس دشمن جاه ترا دهد — از آب دیده، موجهٔ دریا گریستن

با نوشخنده لعل تو، جز دیدهٔ سحاب — یک دیده، آشنا نبود با گریستن

از بس تبسم گل شادی، به عهد تو — لفظی ست بی نصیب ز معنی گریستن

از رشک نامهٔ تو، دبیران خصم را — املا گریستن بود، انشا گریستن

---

۱ ش: را   ۲ ش: دماند گلم   ۳ ش: دادم

۴ ش: اصلا   ۵ ش: چشمه

تا چون دم مسیح ، بزندان سینه ها		دلهای مرده را ، کند احیا گریستن
بادا حسود جاهِ ترا، روز و شب شعار		در آرزوی مرگِ مفاجا گریستن
تا از نسیم دامنِ مژگان، بباغ دل		ریزد به جیب ها گل حمرا گریستن

باغ دل حسود تو، باد آن چنان، کزو
یک گل به سهو نشگفد، الّا گریستن[1]

[1] دیوان چاپی ص ۲۳ تا ص ۲۴ -

قصیده

در تهنیت عید و مدح میرزا غازی

بصحن عید که این شهسوار چوگان باز — عنان چو باد صبا گرم ساخت در تگ و تاز
زمین بناله در آمد، ز نعل شبدیزش — چنانکه گوش گرفت آسمان از آن آواز
ز تار نغمه سبک چون جهد ز جای نخست — تکاورش بشتاب از اشارهٔ مهماز
خیال کردی، مضراب بود مهمیزش — کمیت بود[1] عروق زمین بریشم ساز
سراسری دو سه چوگان بکف جنیبت را — دواند سوی نشیب و جهاند سوی فراز
چو داد خم پی بازی هلال بازو را — بگوش گوی فلک گفت صولجانش راز
تکلفی بنود جود ختم بر کفِ اوست — بدان مثال، که ختم است بر نبی، اعجاز
اگر ز کوه بپرسی گهر فشان کف کیست — رسد بگوش کف غازی جهان آواز
دو بال زرین افشاند از دو پنجه مدام — همای همت او، در بلندی پرواز
بعهد او خورد آب از دهان حاکم خویش — کبوتری که بود فی المثل رعیت باز
حسود عزت او را بهیچ بزم سلام — رخ جواب ندیدست، چون سلام نماز

---

[1] ملک : کمیت زخم

زفیض نکہت خلقش چو پای مرغ چمن | ہمیشہ بوی گل آید ز دست آتشباز
الٰہی از بر لطف این بزرگ دوران را | بگوشۂ نظر التفات خود بنواز
ہزار عید چنین را بر او مبارک دار | بخوشدلی و تن آسائی و بنعمت و ناز

رخش شگفتہ، و طبعش جوان، و خاطر شاد
کفش کشادہ، و ملکش فراخ و عمر دراز[1]

---

[1] یہ شعر مطبوعہ دیوان سے لیا گیا ہے ص۵۴

قصیده[1]

تنت عبیر نزاکت فشانده برتنِ گل — تبسم تو، گرو بسته باشگفتن گل
نفس ذخیره، زبوی تو میبرد، آری! — نسیم صبح بود خوشه چینی خرمن گل
درآمدی بچمن، عندلیب شد خاموش — برون شدی، و بگردون رسید شیونِ گل
گمان می بتو، حاشا تصور یست محال — شراب لعل تو، آلودگی و دامن گل
دلم بغارت بوس، ازلب تو مشتاقست — چو طفل شوخ، که مائل بود بچیدن گل
زدست گرمی خویت، چولاله داغ بماند — ہزار جا اثر تازیانہ، برتن گل
ہوای گلشن گیتی، عداوت انگیزاست — بغایتی کہ، بود عندلیب دشمن گل
بصفحہ ریزد از او گل، چمن چمن طالب — زبان کلک تو گوی کہ: ہست معدن گل
دلا! ببال کہ، فرزانہ صاحبی داری — کہ باصباحت صبح است و باشگفتن گل
شگفتگی بنود زو عجب، کہ جوہر او — گل است و باشد رسم شگفتگی فن گل
سمند آب تگ برف سر عنتش مشہور — بہم عنانی باد ست ہمچو توسن گل

---

[1] یہ قصیدہ بغیر نام کے چھپا ہے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرزا غمازی کے لئے کہا گیا ہے۔

بدور نازکی خوی او عجب کہ ز بیم نسیم دست حمایل کند بگردن گل
بدستیاری اقبال او، عجب نبود کہ زخم شعلہ توان دوختن بسوزن گل
چو شبنم سحری، فرق گل نشیمن اوست اگرچہ فرق جوانان بود، نشیمن گل
تمام مرغان زاوراق او، سبق خوانند بمدح اوست مگر دفتر ملوّن گل
بمجلسش، کہ بود نسخۂ ز بزم بہشت چراغ لالہ فروزد صبا بروغن گل
بصد چراغ، سراغ مشام او گیرد نسیم صبح چو سر برزند، ز دو زن گل
ز نغمہ بلبل گویا، تہی کند منقار چو گرم مدح تو گردد زبان الکن گل
نسیم حرف تو، گر جانب چمن گزرد خدنگ خار دگر نگذرد ز جوشن گل
چنان ز حفظ تو، گیتی رہین استغناست کہ بار ہم نکند، آرزوی خرمن گل
برون ز انجمن او، گل از غریبانست اگرچہ انجمن گلشن است مسکن گل
چنان بعہدش، نالیدن از جہان برخاست کہ طفل غنچہ، ننالد بوقت زادن گل

ہمیشہ بار گل افشان بہار اقبالش
بہ آشنائی او، دست ما و دامن گل [۱]

---

[۱] مطبوعہ دیوان ص ۲۹ تا ص ۳۰۔

ترکیب بند

بیا که شاهد گل، گوشهٔ نقاب شکست — هوا، ز حسن شفق، رنگ آفتاب شکست
دراز دستی باد صبا، ز سنبل تر — بطرف روی چمن[1] زلف نیم تاب شکست
زبانِ مرغ چمن، شوخ شد به عرض نیاز — کنون که، پردگیِ غنچه را حجاب شکست
درین بهار، من و عشق لاله رخساری — که آب و رنگش بازار لعل ناب شکست
بتی که، نرگس مستش بگاه مخموری — پیاله بر سر کیفیت شراب شکست
مهی که، بر فلک از باد دامنِ حُسنش — دل ملایکه، چون شیشهٔ حباب شکست
گلی که ذوق تماشای گلشن رویش — بهار طی شده را، پای در رکاب شکست

چمن ز نخل قدش، دستگاه سایه گرفت
صبا، ز سنبل زلف عبیر، مایه شکست

چمن شگفته شد و، مرغ در خروش آمد — ز جیب هر سر خاری، گلی بگوش[2] آمد
بهار گوئی، پیغام خضر، بر لب داشت — که ناله[3]، از در گلزار، سبز پوش آمد

---

۱ ش: بیمن   ۲ ش: بجوش   ۳ ش: ناگه

بنقش بندی الوان مختلف، گوئی　　بهشت، بردر دکان گلفروش آمد

گره بتار تکلم زند رطوبت طبع　　شگفت نیست، لب غنچه گرخموش آمد

بصحن باغ، زکیفیت هوای بهار　　که همچو نشاهٔ می عقل[1] درخروش آمد

نسیم ونغمه چنان مست وبی شعور شدند　　که این براه مشام، آن براه گوش آمد

همین اشاره بمستی بس، اهل مشرب را　　که نقش کالبد، از سرسبو، بدوش آمد

هلال عید، لب از جام باده، وام گرفت　　بدست بوس حریف پیاله نوش آمد

یگانه گوهر گنجینهٔ سرافرازی

طراز مسند اقبال میرزا غازی

مهی که، دامن رفعت کشیده برسر چرخ　　بنقش پای مرصع، نموده افسر چرخ

بدستیاری اکسیر، گرد موکب او　　مس کواکب زرکرده کیمیاگر چرخ

زمیخ موزهٔ هامون نورد رفعت اوست　　نشان آبله برچهرهٔ مجدر چرخ

چو مرغ کعبه، که دور حرم طواف کند　　همیشه گرد سرش، می پرد کبوتر چرخ

ازانکه درخم چوگان او، چو گوی رود　　تمام صورت سربر گرفته، پیکر چرخ

دهان تیغش، اگر برهوا سموم دهد　　شود چو غنچهٔ گل، چاک چاک مغفر چرخ

زدست وتیغش، ای آنکه بینشی آگه!　　یکی نظر کن دریکپیکر دو پیکر چرخ

سوار نیزه ور آفتاب را ماند　　برقص درخم رانش همین تکاور چرخ

زپاس نسخهٔ عدلش، بخواب نتواند　　که بار، بردل موری نهد، ستمگر چرخ

جهان معدلتش، بوستان صلح وصفاست

ستم بکشور او کیمیا، جفا عنقاست

---

[1] ش: خصم عقل وهوش

چو گنج ریزه شود، دست گوهرافشانش — فلک به دریا بسنجد، زمانه باکانش

دمی، اگرش ز سخا، آستین بیاساید — مگر چو تکمه، برون جو شد از گریبانش

جهان ز گوهر، چون[۱] سینهٔ صدف گردد — به آزمایش گر بفشرند دامانش

به عقد زلف نه بست ست[۲] گوهر دل را — ازان بیار سخا می کند پریشانش

کفش به زاویهٔ آستین وی صفتی ست — که بحر و کان دو بزرگند از مریدانش

هزار خرمن لعل و گهر، بباد دهند — که گرد غم، نه نشیند به ذیل احسانش

بر آستین کرم دستش ابر فیاض است — که هم ز گوهر و لعل است برق و بارانش

معاملان فلک، در کساد بازاری — به نرخ سرمه فروشند، گرد میدانش

به پیش دستش، کز هفت بحر دارد عار
چو فلس ماهیگان و چه زر تمام عیار

گهر به دامن و دریا در آستین دارد — سحاب در کف و خورشید بر جبین دارد

فرشته بر فلکش بیند و سجود کند — چه شد که، پای شرف بر سر زمین دارد

به بزم موم دل ست و به رزم شعله زبان — چو آفتاب هم آن دارد و هم این دارد

غزال خامهٔ او، از نقاط مشک آگین — به ناف غالیه سا، نافه های چین دارد

جهان ببخشد و لیک چون بدست خود نگرد — غمین شود که، چرا نقش بر نگین دارد

سحاب همت و نیسان شکوه و دریا دل — بگو: کدام صدف؟ گوهر چنین دارد

بدین لطافت، کان آفریده گوهر را — اگر نه ترک ادب باشد، آفرین دارد

کجاست در دل دریا و کان، چنین گوهر
کجا به نه صدف آسمان چنین گوهر

---

۱ ش: بر — ۲ ش: زلف بتان نسبتی است گوهر را

قلم به وصف خطش، چون شود بدیع نگار — سراب صفحه به موج آید از در شهوار
چه روضهٔ نفس او، چه گلشن کشمیر — چه زادهٔ قلم او، چه لعبت فرخار
خیال صیقل روشن گر طبیعت او — برد ز آیینهٔ چرخ هفت لا زنگار
به عهد طبعش فقر از جهان سفر کردی — اگر جواهر لطف آمدی به جیب و کنار
گرفته طوطی شیرین زبان خامهٔ او — شکر ز شیرهٔ ارواح قدس در منقار
به نازکی مثل آمد نسیم خاطر اوست — هزار مرتبه، از خاطر نسیم بهار
سپهر کرده به دوران طبع فیاضش — کلاه گوشه مرصع به گوهر اشعار

دمی که بلبل نطقش، ترانه ساز شود
دهان مستمعان، همچو غنچه باز شود

زهی ز نور ضمیرت، دل جهان روشن — ز شمع روی[۱] تو، نُه بزم آسمان روشن
ز شعلهٔ نفست، روی اختران پرنور — ز سرمهٔ قلمت، چشم روشنان روشن
دل خیال تو، آیینهٔ الیست نورانی — که روی شاهد جان شد، ز عکس آن روشن
به[۲] وصف رای تو نبود عجب، که تحریرش — به سان شمع کند، خامه در بنان روشن
بدل چراغ ضمیرت، چو پرتو اندازد — شود فتیلهٔ مغز، اندر استخوان روشن
ز اعتدال هوا، در زمان تو چه عجب — که شمع گل شود، از باد مهرگان روشن
فروغ صبح ثنای تو دارم شب و روز — ز چاک سینهٔ دل تا سر زبان روشن
مرا ز مهر تو، در تنگنای سینه دلی ست — چو آفتاب نهان روشن و عیان روشن

لب گهر سخنم، خوشه چین خرمن تست
فروغ شمع ضمیرم، ز رای روشن تست

---

۱ ش: رای   ۲ ش: ز

فغان که، بخت بروی دلم، دری نگشاد — سزای گوش توام[1] گوهری ز طبع نزاد

ز صیدگاه معانی، بدام دل گفتم! — صفت همای در آید مرا نه لشکر خاد[2]

ز بحر فیض مشتی گهر، به ساحل نطق — فتاد لیک، نه برحسب مدعا افتاد

بلای روزه و رنج خمار و شدت دی — بداد اینک ناموس طبع من برباد

تو گفتی این رمضان جمله را بکام و دهان — نهاد قفل و مرا بر زبان نطق نهاد

گذشت برمن ماهی[3] که صایم طبعم — به آب فکر، شبی روزهٔ سخن بکشاد

کنون که، عید ثنای توام، به پیش آمد — امید هست که، گردم به وصل معنی شاد

گل چو تازه برچیدم ز بوستان ثنا
سزد که، دست برآرم به گلفشان دعا

نسیم طبعا! دهر از تو، باغ رضوان باد — رخت ز نشاءِ می، غیرت گلستان باد

دلی که بی[4] تو بود، همچو غنچه، تو بر تو — مدام، چون سر زلف صبا، پریشان باد

ترا بدستی، جام جهان نمای جم است — بدست دیگرت[5] انگشتر سلیمان باد

هوای گلشن مدحت بخاصیت شب و روز — مربی نفس بلبلان ایران باد

همیشه، از شکن زلف شاهدان سخن — بدست طبع ترا، دسته های ریحان باد

فروغ ناصیهٔ صبح، دو دولت جاوید — چراغ انجمن دودمان تو خان باد

---

[1] ش: دلم

[2] خاد: زغن، غلیواژ مثال از ظهیر فاریابی

هنر نهفته چو عنقا بماند زانکه نماند — کسیکه باز شناسد همای را از خاد

[3] ش: ماهی برمن

[4] ش: باتو — [5] ش: دیگر

هزار بندۂ گردن فراز، چون گردون　　به بارگاہ تو، در انتظار فرمان باد
هزار شاعر معجز طراز، چون طالبؔ　　بر آستان تو، مدحت گر و ثنا خوان باد
فراز مسند خورشید باد، پایۂ تو
تو زیر سایۂ حق، ما بہ زیر سایۂ تو[1]

---

[1] دیوان مطبوعہ ص ۱۷۳ تا ص ۱۷۶۔

ترکیب بند

بازم ز خون دل، مژه مرجان فروش گشت | وز آب دیده، هر سرِ مو، لعل پوش گشت
بازم ز تخمِ شعله، که خون کاشت در جگر | تن چون زمینِ لاله‌ستان، داغ جوش گشت
بازم چو بلبل چمن شوق، در بهار | شاخ زبان، پر از گل جوش و خروش گشت
ذوق ترانه بین، که چو من بر فغان زدم | مرغ چمن، که جمله زبان بود، گوش گشت
یارب از باغِ مهرِ، که بر گلشنم وزید | بادِ خزان، که بلبلِ نطقم خموش گشت
از گریه‌ام، زمینِ دل آتش لباس شد | وز ناله‌ام، هوای جگر، شعله پوش گشت
در وصف غمزهٔ، لب اندیشه‌ام فشاند | زهری که، نیشهای جهان جمله[۱] نوش گشت
ممنونم از کرشمهٔ توفیق، کامشبم | در خدمتِ وصالِ تو محسوب[۲] دوش گشت
بیهوشیٔ، ز بادهٔ حسن تو، یافتم | کان حالتم، چو دیده خرد خصم هوش گشت

این شکر، چون کنم که شب دوش تا سحر
بودم به شاهدان غمت، دست در کمر

---

۱ ش: جمله ۲ ش: در صحبت وصال تو محسور دوش گشت

دوشم فلک بکام و کواکب بکام بود — وز خود رمنده، توسنِ ایام دام بود
دوشم گرفته مایه، ز دریای شهدِ عیش — صد ابر، چاشنیٔ ترشح بکام بود
دوشم ز طایرانِ عدم، آشیان کام — پیش از شمار دانهٔ حسرت بدام[1] بود
گلزار عیش، و لاله ستانِ نشاط را — بار افگنِ قوافلِ عطر، این مشام بود
بی منّت کرشمهٔ ساقی و باغبان — گل دسته دسته برکف و میٔ جام جام بود
اقسام عیش، بود به فتوای دل حلال — جز خواب خوش، که بر مژه دوشم حرام بود
بودم چو گل شگفته همانا، که بختِ من — با چرخ، دوش در صددِ انتقام بود
بالید بی کران، شرف و حلم آن قدر[2] — کز من، به اوج همت من، نیم گام بود
الحق، شبی گذشت، که چندین صباح عید — در جلوه اش، بهر شکن زلف شام بود

یارب! ز شمع لطف برافروز، کوکبم
یعنی برغمِ بخت مثنی کنی[3] شبم

تا کی شبم، به حسرتِ دیدار بگذرد — روزم سیه، چو زلفِ شب تار بگذرد
چون مارِ زخم خورده، زند ناله پیچ و تاب — در دل، چو یاد طرّهٔ دلدار بگذرد
گرداب خون شود، به تن دیده هر مسام — در سینه، چون خیال رخ یار بگذرد
ترسم به فکر کار من خسته روح[4] دوست — آن دم[5] فتد، که کار من از کار بگذرد
برنا کسی چو من، چه عجب؟ گر گذشت پاک — آخر نه شعله هم، به خس و خار بگذرد
بی دست و پاست آه من از روزگار[6] ضعف — زآن رو به سینه، از دل خونبار بگذرد
پوشیده چشم بگذرم، از بیع گاه وصل — مفلس، نقاب بسته، ز بازار بگذرد

---

۱ ش: بکام ۲ ش: بالید پیکر از شرف و حلم آنقدر ۳ ش: کن آن شبم
۴ ش: لطف ۵ ش: آنگه ۶ ش: رهگذار

گرم آیدم بر سینه خدنگ غم آن چنان   کش پیشتر ز پیکان[۱] سوفار بگذرد
بر چشم خویش، اگر بفشارم بر سهو[۲] پای   خونابم از علاقهٔ دستار بگذرد

با این سحاب دیده، چو من گریه سر کنم
آفاق را، یکی صدف پر گهر کنم

دارم دلی که، آتش از و گیرد آب و تاب   جائی که، در هواش، سمندر شود کباب
دستور گریه، گر دهم این ابر گریه را   عالم، به نیم جنبش مژگان، شود خراب
مانند قرص مه، شودش چهره داغ داغ   بر روی آفتاب زنم، گر ز دیده آب
نبود دمی که، نشکندم در کنار چشم   هر باد دامن مژه، صد شیشهٔ گلاب
این اشک نیست، کز مژه می ریزدم، که عشق   در رهگذار دیدهٔ من، لبت خون ناب[۳]
آن چرب طالعم، که به بختم عجیب نیست   کز خون قطره خشک شود در رگ سحاب[۴]
یا چون سموم نالهٔ من، در جهان وزد   طوفان ستانِ دیدهٔ عاشق، شود سراب
روزی مگر، فگنده نظر سوی من، به مهر   زان رو فتاده، مردمک از چشم آفتاب
ای سنگ دل فلک! مژهٔ شاهدان نه ای   در کاو کاو سینهٔ من، چیست این شتاب
آخر بترس ازین که، ولی نعمت من ست   سازد بروزِ غور رسی، موردِ عتاب

یعنی امیر غازی آن شخص عدل و داد
کز مادرِ زمانه بدامانِ عدل زاد

آن ابر دست، بحر دل و آفتاب رای   کش سایه گستر است بسر سایهٔ خدای
نساخ بخت، یافته بر سمت نارکش   چتر سعادتی، ز گزین شهپر همای

---

۱ ش: ز ناوک سوفار   ۲ ش: بفرض

۳ ش: خواب   ۴ ش: گر خون خشک قطره شود در رگ سحاب

از خاک ناگرفته، قدم شخص رفعتش — نعلینِ[1] مهر و ماه در آرد، بزیر پای

با کاه برگ مور و میان، در زمان او — دم زاژدها دمی نه زند جذب کهربای

سازد نسیم عدلش، چون مهره سود مند — دندان زهر، در دهنِ مار جان گزای

دامانِ[2] زلفِ خولش، صبا فرش ره کند — هر جا که گشت، طرهٔ خلقش، عبیر سای

فیض نسیم صبح دم عدلش افگند — طاعونِ فتنه در رحم شام فتنه زای

ابری ست همتش، که چو ناخن بر آورد — گردد ز بندِ کیسهٔ دریا، گره کشای

نیکی به عهدِ همتِ او، از پیٔ گریز — جز غنچهٔ دهان دل من، نیافت جای

دستش که می[3] به ناخن دریا فشرده است
صد کان لعل را کف خوبی[4] شمرده است

آن دست نیست، پنجهٔ خورشید همت است — وان دل، نه موج خیز نهنگ شجاعت است

آن طرف جبهه نیست، که می تابدش چو مهر — دانی که چیست؟ مطلع صبح سعادت است

برگوشهٔ سر آنچه، تو دستار بینیش — دستار نیست، سایهٔ خورشید دولت است

دانی[5] خرد که باکف دریا نشان او — استاذ[6] فیض پرگهر ابر همت است

بی نسبت است، نسبت دریا بدست او — آری! میانِ شبنم و دریا چه نسبت است

چون خصم زو حذر نه کند گو چو آب تیغ — سرتا قدم چکیدهٔ صُلب ذلالت است[7]

چندان که، بر کمان ها باشد شکنج توز — برابروی طبیعت او چین عزت[8] است

---

[1] ش: تعلیق؟ — [2] ش: مادام - ملک: دامان

[3] ش: نی — [4] ش: خوبی

[5] ش: داند — [6] ش: دستار - ملک: استاذ

[7] ش: صلابتست — [8] ملک: غیرت است - ش: عزت است

دانی شجاعت و کرم، از یک قبیله اند | زان رو بود شجاع، که از نسل همت است
دهقان همتش، به همه عمر چون سحاب | برکف گرفته تخم گهر، در زراعت است
ملهم شود ز بسکه، به ما فی الضمیر خلق | بتوان دلیر گفت، که صاحب ولایت است

شخص خیال او، چو کند دیده نیم باز
همراز بشمرد بدل شاهدان راز

تیغش بکف سمندر بحر آشیان بود | یا اژدری، که بر سر گنجش مکان بود
گر خود نه اژدها بود آن تیغ زهربار | هر دم چرا ز خون، دمش آتش فشان بود
پیوسته ناوکش سر دلهای[1] خصم را | چون مغز تنگ در بغل استخوان بود
ماری بود سنانش، که با خشکی زبان | صد چشمه زهرش از بن دندان[2] روان بود
با سینه ها سنانش زبان، در دهان کند | روزی که طعنه ورد زبان سنان بود
معدن، ز دست همت او، در شکنجه است | زان خون لعلش، از بن ناخن روان بود
نازک زند[3] سمند خیالش به عرصه گام | گوئی: ز تار زلف سمندر عنان بود
بندد ره نظاره، تو گوئی که: خنجرش | با تیغ آفتاب زبان در دهان بود
در بزم رزم مطرب و نطق عدوش را | لب مست ذوق زمزمهٔ الامان بود
از بس کند زبان اثر، در دهان دل | گوئی خدنگ او، مژهٔ شاهدان بود

نی ناوکش کجا، مژهٔ شاهدان کجا
آشوب زخم تیر کجا، و زبان[4] کجا

چون ز آشیان، عقاب خدنگش، سفر کند | ناخن، به خون کرگس افلاک تر کند

---

۱ ش: دل صفحهای خصم را
۲ ملک: ناخن ـ ش: دندان
۳ ش: نهد
۴ ش: سنان

شهباز ناوکش، چو هواگیر داز کمان   هم در هوا، شکار تذرو و جگر کند
بربام قصر[1] او نرسد شاهد[2] خیال   گر فی المثل ز همت او[3] بال و پر کند
دهقان به یاد تربیتش نخل خشک را   سرسبز و میوه دار به آب تبر کند
بیم نهیب همت او، زهر منجمد   چون، فاد زهر، در جسد شیر نر کند
در شست قدرتش، چه عجب گر خدنگ موم   پرّان ز هفت جوشن آتش گذر کند
چون تیغ او، به وصف در آرد رقم نگار   شرم آیدش[4]، که خانهٔ الماس سر کند
بلبل شنیده تا ز صبا، عطر خلق او   خواهد به خون گل، سر منقار تر کند
طوطی چشیده[5] تا نمک خوان شکرش   در بزم حنظل آید و جنس[6] شکر کند

آن لب، چو دُرّ نطق به سفتن، در آورد
گوش عروس سامعه را، شکر آورد

ای نوبهار! عدل[7] تو، گلشن طراز جان   عالم، ز عکس چهرهٔ خُلق تو، گلستان
هر جلوهٔ دعای تو[8]، خلخال پای دل   هم سایهٔ ثنای تو، تاج سر زبان
پروردهٔ دعای[9] ترا، در ادای شکر   طعم نمک، بلب رسد از مغز استخوان
نعمت، چو نعمت تو بود، نیست بدنمائی   گر میزبان کرشمه فروشد به میهمان
در روزگار عدل تو، نتوان به دهر یافت   یک خانه بی متاع، مگر خانهٔ کمان
جز شعله، کو زبانش به مدح تو، چرب نیست   دیگر دو کون را، بلسان جوشد از زبان

---

۱ نسخهٔ اساسی: قدر   ۲ ش: ناوک   ۳ ش: من
۴ ش: آمدش که خامه ز الماس   ۵ ش: شنیده
۶ ش: خبث   ۷ ش: عطر
۸ ش: هم دیدهٔ وفای تو   ۹ ش: نعیم

زینسان که چشم سبزهٔ برکف سحاب نیست
بر دست تست، دیدهٔ امید بحر و کان

با ابر و بزی به دو عالم، که خلق را
در عهد همت تو، به روغن فتاده نان

بگذار غم به دشمن، وایام عمر را!
چون گل شگفته، در طرب و عیش بگذران

مگذار کز لبت، لب ساغر جدا شود
یا از کف کلالهٔ ساقی رها شود

می خور، که روزه، رخت به ملک عدم کشید
گر نیست باورت، بنگر در هلال عید

دلها شگفته شد، ز ملاقات مهر و ماه
ای چشم مهر روشن و وی روی مه سفید

شکرانه ده، که خیل[۱] غم از سینه، کوچ کرد
واینک سپاه عیش، به اقلیم دل رسید

تیغ هلال عید به زد، بر شفق، چنان
کش خون، بدامنِ جبروت فلک چکید

رفت آنکه، ز آتش تعبِ روزه، مرغ دل
در سینه ها، چو ماهیٔ لب تشنه، می تپید

وز اشتعال داغ جگر، طفل مردمک
هردم لب تصور خونابه می مکید

اکنون، پیاله چو که چو گل، خوش دلی شکست[۲]
واکنون، قدم طلب، که نسیم طرب وزید

برلب ز توبه، قفل زدن، کفر مشرب است
اکنون که، باز شد در میخانه بی کلید

در روی بخت خویش نگر، کآفتاب نیز
مه را بروی طالع فرخندهٔ تو دید

فیروزه بهر دیدن مه بر مدار بیش
از وی نظر به تاب، سوی بخت سبز خویش[۳]

ای ابر! والهٔ کف دریا، نثار تو
خورشید و مه، دو برگ گل از نوبهار تو

---

[۱] ش : خیال

[۲] ش : اکنون پیالهٔ که گل خوشدلی شگفت

[۳] ش : بروی نظرمتاب سوئ بخت سبز خویش

شاهین چرخ، جرأت پرواز کی کند | باشاه باز همت، عنقا شکار تو
حاشا! کز اعتدال هوا، داغ دل بود | بر لاله[۱]، که بشگفد از نو بهار[۲] تو
آن نخل نور پیکر بالیده، که هست | خورشید و مه، نمونهٔ از برگ و بار تو
آن شخص همتی، که سواد[۳] جهان بود | یک میل سرمه در نظر اعتبار تو
نبود عجب، که از شرف نسبتت بخویش | ساید به آفتاب، سر افتخار تو
تیر از کمان همت مکشای، بر سپهر | کین آهوی حقیر، نه زیبد شکار تو
شیران آسمان، همه روباه طبع، شد | باشد شکار بیشهٔ افلاک عار تو
دردا که در خزانهٔ اندیشه ام نماند | شائسته گوهری که نکردم[۴] نثار تو

تحصیل حاصل است، که دیگر ترا ثنا

من بعد ما به سلسله جنبانی دعا

دائم شبت شگفته، چو صبح امید باد | هر روز بر تو، نسخهٔ ایام عید باد
آن را که، در دل از تو غباری بود، رخش | در زیر هفت پردهٔ[۵] خون ناپدید باد
پیوسته گنج خانهٔ هفتم، سپهر را | گوهر فشان انامل جودت کلید باد
همواره از ترشح نیسان فتح تو | گوش زمانه، مخزن درّ نوید باد
در آستان قدر[۶] تو پیوسته از شرف | گسترده فرش بوسهٔ عرش مجید باد
آفاق را بهین گل بی خار رحمتی | روی جفا بعهد تو چون شنبلید باد
ایام را نسیم بهار عدالتی | دست ستم، به عهد تو، لرزان چو بید باد

۱ش : هر
۲ش : لاله زار
۳ش : سوار
۴ش : بکردم
۵ش : برقع
۶ملک : بخت - ش : قدر

تا نامِ نصرت وظفر، اندر میان بود — ہر دم ترا بکف، گل فتح جدید باد

تا حرف امتداد زمان، بر زبان بود — اندر زمانہ مدت عمرت مدید باد

دائم شگفتہ باد ترا، گلستان عمر

گلبرگ ہستیٔ تو، نہ بیند خزان عمر[1]

---

[1] دیوان مطبوعہ ص۱۷۶ تا ص۱۸۲

قطعہ

طاہری شہاب نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ طالب کو قندھار میں آبلہ کی بیماری ہوئی جس کی وجہ سے ان کی ایک آنکھ خراب ہوگئی یعنی اس میں پھول نکل آیا۔ ان اشعار میں انھوں نے اظہار کیا ہے:

باری خوشم کہ گر گل چشمم بباد رفت — در دست دوست شیشہ گلاب سرشک ماند

ای کاش گوش رغبتم، احول شدی چو چشم — تا ہرچہ گفتی، از تو مکرر شنودمی[1]

معلوم نہیں کہ طاہری شہاب صاحب کا قندھار کے سلسلے میں ماخذ کیا ہے، اگر واقعی یہ بیماری قندھار میں ہوئی تو مندرجہ ذیل قطعہ جو "در طلب معذرت از عدم حضور" کے عنوان سے ہے، وہیں لکھا ہے اور میرزا غازی ان کا مخاطب ہے۔

خدایگانا! دردی در استخوان دارم — کزان بخود ہمہ شب ہمچو مار میپیچم

زباد آبلہ، ششماہ شد، کہ خاک تنم — بہم برآمدہ زآن، چون غبار میپیچم

اگر نسیم گل آہستہ میوزد بر من — ہزار حلقہ چو زلفین یار میپیچم

---

[1] مقدمہ دیوان ص۱۱ ص۱۲

بگنبد فلک، از درد میرم و آنگاه — درو چو، نالهٔ شب زنده دار میپیچم
بهیچ وجه زپیچیدنم، خلاصی نیست — اگر پیاده ام وگر سوار میپیچم
بسنگ درد، سرم کوفت روزگار، از آن — بکنج خانه چو افعی به غار میپیچم
بسان چرخهٔ زالان بینوای حریص — بخویش نالان، لیل و نهار میپیچم
گلی که، میدمد از شاخ گلبنِ بدنم — چو غنچه پرده برویش زعار میپیچم
حجاب جوشش لب میکنم زموی بروت — نقاب دود، بروی شرار میپیچم
زدرد، بافته ابریشم تنم، تاری — که تا بگجرات از قندهار میپیچم
چو شمع روز نه درخورد مجلسم، ز آنروی — برشتهٔ تن خود شعله وار میپیچم
اگر اجازه بود، چند روز بهر علاج — سری بجیب خود، از اضطرار میپیچم
عنان رغبت این تلخکام را چندی — زشرب اشربهٔ خوشگوار میپیچم
زهر غذا، که مخالف بود بطبع مریض — رخ طبیعت پرهیزگار میپیچم
بقدر مدت یکهفته گشته خانه نشین — بشغل مدح، خداوندگار میپیچم
چو عمر، هفته سرآمد زکلبه روی نیاز — بسوی قبلهٔ شهر و دیار میپیچم
سر من و قدم تست، حاش لله اگر — زخاک پای تو سر بنده وار میپیچم
گمان مبر که پس از مرگ هم رخ اخلاص — زآستان تو، ای شهریار میپیچم
مسیح طبعا، هم جنس سوزنی شده ام — عجب تر اینکه، بخود رشته وار میپیچم
هجوم دردم، بی ذوق کرده تا جائی — که روی دل، ز سر زلف یار میپیچم
گذشت مدت شش ماه متصل (طالب) — که درد میکشم و همچو مار میپیچم

اگر دو روز دگر بر من این چنین گذرد
یقین که، رخ بنقاب مزار میپیچم [1]

---

[1] دیوان ۱۴۰

غزلیات

ظاہر ہے کہ طالب اور میرزا غازی چند سال ساتھ رہے، دونوں شاعر تھے، جوانی کی گرمی دونوں کی طبیعت اور جذبات پر غالب تھی۔ ذوق یکساں شوق یکساں، قصائد کے علاوہ طالب نے میرزا غازی کے جواب میں اور میرزا غازی نے ان کے جواب میں ہم طرح کئی ایک غزلیں کہی ہوں گی۔ دو ایک غزلیں ہم میرزا غازی کے سوانح میں دے آئے ہیں، یہاں طالب کی وہ غزلیں دے رہے ہیں جو ان کے مطبوعہ دیوان سے لی گئی ہیں اور میرزا سے واسطہ رکھتی ہیں۔

تاکی تحمل سخن این و آن کنم — نزدیک شد کہ، دست بہ تیغ زبان کنم
رفتم کہ در چمن، مژۂ گلفشان کنم — گلگونۂ بہار، زخونِ خزان کنم
باری چو میروم، زدرائ، بیادگار — بوسی، روئِ مجاور آن آستان کنم
نی! نی! سرِ من و قدم آستان اوست — حاشا گزین، گلستان نقل مکان کنم
شب تا سحر، بچاشنئ دست و خنجری — باچاکہای سینہ، زبان در دہان کنم
احسان دوست، در حق من، بی نہایت است — من بی زبان، کدام یکی را بیان کنم
شبہا درون سینہ، خیال قد ترا — چون شعلہ نخل شاہد آغوش جان کنم

آشفتہ سازمت بکمر، زلف تابدار . موی سر تو شانۂ موی میان کنم

(طالب) رسیدہ مشق سخن بہ کہ نطق را

وقف ثنای قبلۂ (ترخانیان) کنم[1]

مندرجہ ذیل غزل طالب نے قندھار میں کہی ہے، اور خیال یہ ہے کہ وہ دوبارہ جب کے ہندوستان کی طرف لوٹنے کے لیے پر تول رہے تھے اس زمانے کی ہے۔

مگو سرشک من از جنس آتش و آبست | کہ این گہر خلف دودمان سیماب است

زخون ناحق، اطفال اشک پنداری | کہ، دامن مژہ ام، آستین قصاب است

چہ احتیاج بہ تکرار نغمہ، ای مطرب! | ترا ہزار زبان در دہان مضراب است

زنیم زنگی خونِ دلم، قیاس کنید | کہ ذوالفقار محبت، چہ مایہ سیراب است

دلم بجانب رہبان، سرم بپای طبیب | چہ شد کہ گوشۂ چشمم بسوی محراب است

زمانہ بر گہر عیش گو، سپند مسوز | کہ شور دیدہ، اگر بخت راست در خواب است

دلی کہ بر سر خاری غنود، میدانند | کہ نوک دشنہ، عبارت زموی سنجاب است

ہزار چشمہ زچشم کشودی، ای مطرب! | زنیم نغمہ سرت گردم، این چہ مضراب است

برون ز محفل عیش خدایگان (طالب) | مہی کہ در قدحم ہست، رشک خونابست

دلا! مزاج ترا قندھار درخور نیست

بیا کہ دیدہ ام، از اشک ملک پنجاب است

عبدالنبی صاحب میخانہ نے لکھا ہے کہ، طالب کو اس نے ۱۰۲۰ھ میں آگرے[2] میں دیکھا اور اس سے ملاقات کی - اگرچہ اس نے لکھا ہے کہ میرزا غازی کے فوت ہو جانے کے بعد وہ آگرے پہنچے - لیکن یہاں عبدالنبی سے دونوں واقعات میں سے

---

[1] دیوان مطبوعہ صہ ۷۶۱ [2] میخانہ گلچین ۵۴۸

ایک میں غلطی ہوئی، غازی کی وفات کے بعد اگر چلے ہیں تو وہ عبدالنبی سے ۱۰۲۰ھ میں نہیں بلکہ ۱۰۲۱ھ کے بعد آگرے میں ملے ہوں گے بلکہ عین ممکن ہے ۱۰۲۵ھ میں ملے ہوں اور اگر سال میں ان سے سہو نہیں ہوا اور واقعی وہ ۱۰۲۰ھ میں ان سے ملے ہوں تو پھر طالب گویا میرزا کو ان کی زندگی ہی میں چھوڑ کے قندھار سے نکل آئے اور وہ ۱۰۲۰ھ میں آگرے پہنچ چکے تھے اس میں قیاس کے کچھ پہلو ضرور نکلتے ہیں مثلاً:

(۱) طالب کی وابستگی میرزا غازی سے بقول مولانا شبلی عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، لیکن اگر وہ موت کے وقت قندھار میں تھے تو کیوں اپنے مربی کی وفات پر انھوں نے مرثیہ نہیں لکھا، جیسا کہ مرشد بردجردی نے اور دوسرے وابستگان نے میرزا کی وفات پر واویلا کیا ہے، تاریخیں نکالی ہیں اور مرثیے کہے ہیں۔

(۲) اوپر جو غزل ہم نے دی ہے اس کا مقطع واضح کرتا ہے کہ طالب قندھار میں ناخوش تھے، اور وہ وہاں سے ہندوستان کی طرف واپس ہونے کے آرزومند تھے، مالی حالات کی ناسازگاری جو میرزا کے آخری ایام میں پیدا ہو چکی تھی ممکن ہے کہ طالب اس کی وجہ سے یا درباری شعرا کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے ہیں جن کا ذکر طالب کے اشعار میں پایا جاتا ہے، اس کی وجہ سے شکستہ خاطر ہو کر انھیں میرزا کی زندگی ہی میں ان سے جدا کر دیا اور وہ ۱۰۲۰ھ ہی میں ہندوستان پہنچ گئے۔

ویسے طالب کے دیوان میں میرزا کی وفات پر ایک شعر کا بھی نہ ملنا تعجب انگیز ضرور ہے۔

مقالات الشعرا میں طالب کے حالات کے تحت میر قانع نے ایک غزل کے چند اشعار درج کئے ہیں جس کے مقطع میں میرزا کا نام بطور ممدوح کے آیا ہے۔

از میرزائی غازی و طالب زمانہ یافت
ممدوح تازہ ای و ثنا خوان تازۂ[۱]

یہی غزل مطبوعہ دیوان میں یوں ہے :

بستیم عہد با گل بستان تازۂ — گشتیم عندلیب گلستان تازۂ
این شکر چون کنیم ، کہ بی منت بہار — دیدیم در چمن گل و ریحان تازۂ
از جان دیر سالہ عجب گر کنیم یاد — اکنونکہ یافتیم بتن جان تازۂ
دل بے تکلف از سر و سامان فتادہ بود — بازش نصیب شد ، سر و سامان تازۂ
رفت آنکہ دستہ دستہ گل خاک میفشاند — ہر لحظہ دست ما بگریبان تازۂ
اکنون بسہو یا دگریبان نمی کند — این دست نارسیدہ بسامان تازۂ
زین در مباد نقل مکانم کہ بدنماست — ہر ساعتی شدن مگس خوان تازۂ
دل طی نمودہ ملت و آئین کہنہ را — دین نوی گرفتہ و ایمان تازۂ

از چین قلیچ خان وز (طالب) زمانہ یافت
ممدوح تازۂ و ثنا خوان تازۂ[۲]

چین قلیچ خان کے سلسلے میں دیوان کے اندر قصائد موجود ہیں ، غلام علی آزاد نے بھی لکھا ہے کہ وہ قلیچ خاں (متوفی ۱۰۲۳ھ) ناظم لاہور (۱۰۱۶-۱۵ھ) کے لیے قصائد لکھے ، لیکن یہ درست نہیں ہے ، یہ قصائد دراصل قلیچ خان کے بیٹے چین قلیچ خان کے لیے کہے گئے ہیں ، خود اسی قصیدے میں جس کا حوالہ آزاد نے دیا ہے یہ شعر موجود ہے :

---

۱ مقالات ص ۳۷

۲ دیوان ص ۸۳۸

گل بہار سخا چین قلیج خان کہ سپہر

بباغ ہمت او دوخت است چشم مشام[1]

معلوم نہیں کہ چین قلیج خان کے پاس کس سال گیا اور کب تک رہا، سورت کا سفر بھی چین قلیج خان کے ساتھ کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ:

مسندطراز بزم سخا چین قلیج خان | گرد ست او پیالۂ ہمت کشیدہ ام[2]

آمل زیاد رفتہ مزار التفات او | تا خویش را بہ بندر سورت کشیدہ ام[2]

قلیج خان کا انتقال (۱۰۲۳ھ) میں ہوا اور چین قلیج خان کا زیادہ وقت بنارس اور جونپور میں گزرا، وہیں اپنے چھوٹے بھائی میرزا لاہوری کی بداعمالیوں سے پیدا شدہ ہنگامہ میں قتل ہوگیا۔ سال معلوم نہیں اس لیے یقین زمانی بڑا مشکل ہے۔[3]

---

[1] یہ وہی قصیدہ ہے جو ایک رات میں ۸۴ شعر کا کہا تھا۔

[2] دیوان ص۱۶۵

[3] دیکھیے باپ بیٹے کے لیے ماثر الامرا ۳: ۶۹ اور ۳: ۳۵۱۔ ذخیرۃ الخوانین میں بھی حالات موجود ہیں۔

طالب اصفہانی

طالب، صفاہانی الاصل تھے۔ جوانی میں قلندرانہ وضع قطع میں تنہا وطن کو ترک کیا اور کشمیر جا پہنچے۔ کشمیر کے گل و گلزار اور آب و ہوا ان کو راس آئی اور دل کو بھائی، وہیں ڈیرہ ڈال دیا، شادی کر کے خانہ آبادی کی، اور مستقل توطن اختیار کرلیا۔ جب اکبری دور میں کشمیر فتح ہوا اور کشمیری سلاطین کا دربار اجڑا اس وقت طالب نے اکبر بادشاہ کے دامن دولت سے وابستگی اختیار کرلی۔

یہ بیان جہانگیر کا ہے[1] اور لکھا ہے کہ: اس وقت (۱۴ سال جہانگیری[2]) ان کی عمر سو سال کے لگ بھگ ہے اور اپنے اہل و عیال بیٹوں اور دیگر متعلقین کے ساتھ فراغت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بقول صاحب صحف ابراہیم ان کی یہ رباعی اکثر جہانگیر بادشاہ کی زبان پر رہتی تھی:

---

[1] تزک ۲۸۹

[2] شنبہ ۴ ربیع الثانی ۱۰۲۸ھ سے آغاز ہوا۔

زہری بغراق می چشانی کہ چہ شد | خونریزی و آستین فشانی کہ چہ شد
ای غافل ازین کہ تیغ ہجر توچہ کرد | خاکم بفشار تابدانی کہ چہ شد[1]

مآثر رحیمی کے مولف کا بیان ہے کہ: طالب درویش طبیعت اور صافی مشرب تھے، اسی بنا پر ہندوستان میں - بابا طالب - کے نام سے پکارے جاتے تھے اکابر وقت اور اعیان ولایت کے ساتھ ان کی صحبتیں رہیں۔ مثلاً حکیم ابوالفتح گیلانی، شیخ ابوالفضل، شیخ فیضی اور زین خان کوکہ ان کی صحبت کو بہت پسند کرتے تھے۔ کیونکہ خوش صحبتی میں ان کو کمال حاصل تھا۔ اسی مولف کا بیان ہے کہ شاعری اور نکتہ دانی میں انھیں بڑی مہارت تھی۔ مولانا قاسم کاشی اور مولانا نظیری سے تعلقات تھے، عبدالرحیم خان خاناں کی مداحی بھی کی ہے۔

صاحب مجمع النفائس نے ان کو درویش اور صاحب سلوک لکھا ہے، ریاض الشعرا کے مولف نے درویش کامل اور محقق فاضل قرار دیا ہے، صحف ابراہیم کے مولف نے ترک وطن کا سبب دوستوں سے رنجیدگی بیان کیا ہے[2] طبقات اکبری (۱۰۰۲ھ) کے مولف نے اپنے وقت تک کشمیر میں ان کی اقامت کا عرصہ بیس برس بتایا ہے[3] بدایونی نے (۱۰۰۲ھ) آٹھ برس[4] اور صاحب ہفت اقلیم (۱۰۰۳ھ) نے تیس برس لکھا ہے[5] اگر طبقات اکبری کے مولف کی مورخانہ حیثیت کے پیش نظر ان کی روایت کو صحیح فرض کرلیں تو بابا طالب سال ۹۸۲ھ میں اصفہان سے نکلے ہوں گے، جہانگیر نے ۱۰۲۸ھ میں لکھا ہے کہ ان کی عمر سو سال کے قریب ہے، اس

---

[1] خطی ۲۳۹ ب

[2] از دوستان ایران رنجیدہ بکشمیر آمد و بلباس قلندرانہ میگذرانید (خطی ۲۳۹ ب)

[3] ۳ : ۸۱۵ [4] ۳ : ۲۶۵ [5] چاپ تہران ۲۰ : ۴۳۰

لحاظ سے ان کی پیدائش ۹۲۸ھ کے لگ بھگ ہوئی ہوگی ۔ گویا بابا طالب نے جب ترک وطن کیا اس وقت ان کی عمر ۷۵ سال کی تھی ۔

ان کی وفات کا سال فقط روز روشن میں درج ہے ، لکھا ہے کہ:

ـــ در سنہ ثلثین والف (۱۰۳۰) از کشاکش این

سپنجی سرا رست [۱]

صاحب تاریخ اعظمی نے لکھا ہے کہ وفات کے بعد بابا طالب سری نگر کے محلہ بابا پورہ میں بابا خلیل کے جوار میں مدفون ہوئے [۲]

میرزا غازی کے سوانح میں سندھ میں بابا طالب کی آمد کی غرض وغایت بیان کی جا چکی ہے ۔ ٹھٹہ میں غالباً وہ ۱۰۱۰ھ میں آئے ، دو ڈھائی سال وہیں رہے اور ۱۰۱۳ھ میں جب میرزا غازی ملکی معاملات سے فراغت پا کر اکبری دربار میں چلے تو یہ بھی ان کے ساتھ ہو لئے ۔

مرزا غازی کے ساتھ براہ راست تعلق صحبت یا مجالست جو کچھ بھی رہا وہ

---

[۱] روز روشن ص۴۰۶ ۔ کاشی نے خلاصۃ الاشعار میں سنہ اربع وثمانین وتسعمائۃ (۹۸۴) ان کی وفات کا سال دیا ہے جس کو صحف ابراہیم نے نقل کیا ہے ، ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے ۔ ممکن ہے یہ سال ان کے کشمیر میں وارد ہونے کا ہو جسے صحف ابراہیم کے مولف یا کاتب نے غلطی سے سال وفات لکھ دیا ہو (دیکھو تذکرہ شعرائے کشمیر از راقم الحروف ۶۷۳-۶۷۴)

[۲] تقی کاشی کا قول نقل کرتے ہوئے صحف ابراہیم کے مولف نے لکھا ہے کہ بابا طالب نے گجرات کے نواح میں وفات پائی ۔ اکثر تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ گجرات کی صدارت ان کے حوالے تھی ' ممکن ہے کہ وفات وہیں ہوئی ہو اور دفن سری نگر میں ہوئے ہوں لیکن سو برس کی عمر میں سری نگر سے گجرات کا سفر کرنا اور وہاں وفات پانا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا ۔

یہیں سندھ میں دو ڈھائی برس کے دوران رہا۔ ان کی شاعری میں مرزا غازی کا کیا حصہ رہا یا مرزا نے شعر میں آپ کی استادانہ صلاحیتوں سے کیا استفادہ کیا؟ یہ معلوم نہ ہو سکا۔

خیرالبیان کے مولف نے لکھا ہے کہ: بابا طالب مرزا غازی کے ہمراہ میر عدل ہو کر قندھار بھی گئے ہیں، لیکن یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ کسی اور جگہ سے اس کی تائید نہیں ہو سکی۔ خیرالبیان نادر اور نایاب تذکرہ ہے، اس میں بابا کے متعلق کچھ نئی باتیں آئی ہیں، لہٰذا اس کی پوری عبارت ہم یہاں دیئے دیتے ہیں:

— بابا طالب اصفہانی است، و از مبادی حال با درویشان و خرقہ پوشان آمیزش داشتہ۔ و آخر بمقتضای۔ من تشبہ بقوم فھو منھم۔ بلباس ترک و تجرید قامتِ قابلیت خود آراستہ، در ایام ...[1] عزیمت ہندوستان نمودہ۔ در آخر دولت[2] و طلوع اقبال اکبری ممالک ہند را سیر کردہ قدم بعرصۂ کشمیر نہاد۔ یوسف شاہ والی کشمیر مقدم او را گرامی داشتہ۔ ایامی مصاحب مجلس خاص جناب یوسفی بود، ازبس مہربانی بقید تصرف آن بادشاہ در آمدہ، آن را از لباس درویشی بیرون آوردہ، اگر این معنی نزد اہل دل نکوہیدہ است اما بابا طالب را دریں معنی عذر دلپذیر است

---

[1] صحیح پڑھا نہیں جاتا۔ کیبول۔ معلوم ہوتا ہے۔

[2] آخر دولت کشمیر ہونا چاہیئے۔

چراکہ یعقوب شاہ ولد یوسف شاہ بصفت حسن وجمال
یوسف بود کہ بسمت یعقوبی موسوم گردیدہ بود ، و در
مصر وجود بابا طالب مرتبہ عزیزی یافتہ - بنا بر ارادۂ
خاطر اولیای ظاہر درویشی را متغیر بخلعت بی خلعت
اہل دنیا ساختہ ، اما در حقیقت کسوت بی تعلقی پوشیدہ
دریں صورت کلاہ فنا بر تارک ترک دنیا نہادہ بقیہ
عمر بخدمت وکارگزاری ولی نعمت خود اشتغال مینمود ،
تا در ہرج ومرج کشمیر وبعد انہدام اساس دولت یوسف
شاہیہ دوازدہ مرتبہ باسی چہل نفر از تیغ خود ، باجنود
اکبر مقابلہ ومقاتلہ نمودہ -

وآخر بخدمت بادشاہ شتافتہ مورد نوازشات
شاہنشاہی گردیدہ ، مدتی دران بارگاہ از جملہ مصاحبان
وندیمان بود ، ومدتہا میر عدل گجرات وبنگالہ بود -
ودر ایام جلوس نورالدین جہانگیر بادشاہ ، در زمان
ایالت میرزا غازی بمملکت قندھار شتافت ، ومیر عدل
ممالک پنجاب وقندھار بود - وبسیار نیک ذات و
شجاع وسخی است وگاہی بگفتن اشعار ذوقی دارد -

(ورق ۳۷۳)

بابا طالب نے غالباً دیوان مرتب نہیں کیا - سال ۹۹۷ - ۹۹۸ھ[1] میں جب کہ

---

[1] اکبرنامہ ۳ ، : ۵۵۲ - ۵۶۸ - ۷۳۱

وہ سفارت لے کر والی تبت خورد کے پاس گئے تو وہاں اس ملک کے حالات میں ایک رسالہ لکھ کر اکبر بادشاہ کے حضور میں پیش کیا تھا، جسے بعد میں ابوالفضل نے اکبرنامہ میں شامل کرلیا۔[1]

---

[1] طالب کے حالات تمام دستیاب تذکروں سے جمع کرکے راقم نے تذکرہ شعرای کشمیر میں دیئے ہیں، اشعار اور مزید حالات وہیں ملاحظہ کئے جائیں (ص ۶۶۶ - ۶۷۵)

عبدالباقی قصّہ خواں، میر

صاحب مآثر رحیمی نے میرزا غازی کے زمرۂ متوسلین میں، میر عبدالباقی قصہ خوان کا نام بھی لیا ہے۔ زیادہ ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔

طالب آملی، محوی اردبیلی، سروری یزدی، ملا اسد قصہ خوان، شمسائی زریں رقم اور میر الٰہی اسد آبادی کے ساتھ ساتھ ان کا نام آیا ہے۔[۱]

---

[۱] مآثر رحیمی، ۳: ۷۸۱ - ۷۸۸ -

عتابی، حسن بیگ تکلو

صاحب میخانہ، نے ان کے والد کا نام بخشی بیگ تکلو لکھا ہے۔ ان کی والدہ ہرات کی تھیں اور تولد بھی ہرات ہی میں ہوا، لیکن قزوین میں نشو و نما پائی اور اصفہان کے اندر ان کو شہرت نصیب ہوئی اور شاعری نقطہ عروج پر پہنچی[1]

صاحب خیر البیان نے لکھا ہے کہ:

— اصلش از اویماق تکلو است، از اکابر آن فرقہ و نشو و نما در رے یافتہ[2]

رے، سے مراد تہران قدیم ہے اور قزوین غالباً رے، ہی کے صوبے میں شامل تھا، اس لئے خیر البیان کے مصنف نے اس کو رے کا باشندہ اور وہاں کا نشو و نما یافتہ بتایا ہے۔

جہاں تک ان کی شاعری کا تعلق ہے معاصر تذکرہ نویس ان کے بہت قائل ہیں

---

[1] میخانہ گلچیں ص ۴۳۷

[2] خیر البیان ص ۳۶۸

صاحب میخانہ، کا قول ہے کہ:

— اقسام اشعار را خوب گفتہ و از ہر جنس شعر نیکو بسیار دارد۔ قصیدہ گوئی را بکمال رسانده، و غزل را از امثال و اقران گزرانده و خمسہ نظامی را لبغایت مرغوب تتبع نمودہ۔ دو صندوق اوراق اشعار او بنظر این محقر در آمد و اقسام منظومات او۔ بعضی تمام و برخی ناتمام۔ بر آن اوراق پریشان مسطور بود[1]

صاحب خیر البیان نے تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

— شعر بسیار دارد، و مدت پنجاہ سال مدار مشق شاعری داشتہ[2]

دوسرے معاصر تذکرہ نگار تقی اوحدی نے بھی ان کی شاعری کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ:

— وی اشعار بسیار گفتہ، حاصل مزرعہ طبعش از کشتہ و ناکشتہ بسیار است۔ اعم از نارسیدہ و رسیدہ و سخنان خوب ہم در کلام وی وافی[3]

لیکن وہ ان کے ذاتی کردار اور شخصی کوتاہیوں سے نالاں ہے، لکھا ہے کہ وہ بغایت بے حیا اور بے باک تھے، ایک آنکھ بالکل غائب تھی:

---

[1] میخانہ گلچین ص ۲۳۷

[2] خیر البیان ص ۳۶۸

[3] عرفات۔ (پاورقی میخانہ گلچین ص ۲۳۸)

— الحق بغایت بے حیا، نادر گو، مبرم، تنہنک، ہمیشہ
در ہمہ فنی رندانہ زیستی [۱]

شاید صاحب عرفات ہی کے تتبع میں نواب صدیق حسن نے بھی لکھا ہے کہ "عدیم الحیا" تھے، اور باوجود عدم صلاح وہ اپنے آپ کو درجہ قطب پر فائز سمجھتے تھے:

— مردی بود اعور، عدیم الحیا، باوجود عدم صلاح
در حق خود اعتقاد درجۂ قطبیت داشتہ [۲]

ایک آنکھ ضائع ہونے کا سبب تقی الدین اوحدی نے بتایا ہے کہ:

— در طفولیت ہر دو چشمش از آبلہ قصوری بہم رسانیدہ،
امایکی دراصل بحدقہ خشک شدہ [۳]

ان کی قطبیت کے سلسلے میں صاحب میخانہ نے لکھا ہے کہ وہ افیونی تھے، شراب نہیں پیتے تھے، فقہ میں نہ فقط مہارت تامہ تھی، بلکہ اس میں عمل کے لحاظ سے بہت سخت بھی تھے۔ شاہ عباس نے ایک دن صفاہان میں ان کو شراب خوری پر مجبور کیا لیکن عتابی نے غرور زہد، خود نمائی، اور تقوای ریائی کی بنا پر پینے سے انکار کیا، حاضر باشوں نے کہا کہ: عتابی اپنے آپ کو قطب و ولی سمجھتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ: اگر ایسا ہے تو میں اس کی طرف تیر چلاتا ہوں اگر اس نے کام نہیں کیا تو ہم اسے قطب اور ولی سمجھیں گے۔ درباریوں نے بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھا اور عتابی کو کہا کہ: جان کی خیر مانگتے ہو تو فوراً شراب کے سلسلے میں شعر کہہ کے پیش کرو، عتابی نے وہیں ایک رباعی کہہ کر پیش کی:

---

[۱] عرفات، پاورق میخانہ گلچیں ص ۴۳۸ [۲] روز روشن ص ۵۰۲
[۳] میخانہ پاورق ص ۴۳۷

اے شاہ! ستارہ خیل، خورشید اقبال   وی از پی سایہ تو، گردون چو ہلال
ایام تو عید است! در و روزہ حرام   بزمِ تو بہشت است! در و بادہ حلال

بادشاہ نے خوش ہو کر جان بخشی کے ساتھ ایک سو تومان اور اسپ مع زین نقرہ صلہ کے طور پر دیا۔

عتابی جب ہندوستان میں دوسری مرتبہ آیا اور میرزا غیاث بیگ سے وابستہ ہوا تو ایک دن جہانگیر کے دربار میں میرجنون تبرائی حلواۃ خانی نے، یہی رباعی اپنی تصنیف بتا کر جہانگیر کی مدح میں پڑھی۔ نورالدین قلی اصفہانی وہاں موجود تھا، اس نے فوراً بادشاہ کو رباعی کے اصل مصنف سے آگاہ کیا۔ بادشاہ نے اعتمادالدولہ مرزا غیاث بیگ کے ہاں سے بلا کر عتابی سے جب پوچھا تو کہا کہ: بالکل درست ہے! یہ انھوں نے جہانگیر ہی کی مدح میں کہی ہے! جہانگیر نے خوش ہو کر ایک ہزار روپیہ اور ایک ہاتھی اس کو صلے میں دیا، گویا عتابی نے اگرچہ یہاں غلط بتایا لیکن اس طرح ایک ہی رباعی کی مد میں انھوں نے دو بادشاہوں سے صلہ پایا[1]۔

عتابی دو مرتبہ ایران سے ہندوستان آیا، پہلی مرتبہ جب میرمعصوم بھکری ۱۰۱۳ھ[2] میں اکبری سفارت کے فرائض انجام دے کر ایران سے واپس ہوا تو عتابی کو بھی ساتھ لیتا آیا۔ اور رہ آورد کے طور پر ایک قصیدہ لکھ لایا جو اُس نے اکبر کے حضور میں پڑھا۔ مطلع یہ ہے:

شہا! درمیان تو وذات داور   نگنجد، مگر لفظ، اللہ اکبر!

---

[1] میخانہ گلچیں ص ۴۳۹ و ۴۴۳   [2] اکبرنامہ، ۳: ۸۳۶ صاحب میخانہ اور خیرالبیان نے سال آمد ۱۰۱۲ھ لکھا ہے، لیکن صحیح سال واپسی کا ۱۰۱۳ھ ہے، جیسا کہ اکبرنامہ میں درج ہے۔

اور بادشاہ سمیت تمام درباریوں نے اس کو بہت پسند کیا اور سراہا۔ شاہی ملازمت سے انکار کیا لیکن شاہی مہربانی سے عرصے تک ہندوستان کی سیر و سیاحت بڑے آرام اور عیش کے ساتھ کرتا رہا۔ اکبر ہی کی زندگی میں یعنی ۱۰۱۴ھ میں زادراہ اور بہت کچھ پاکر اور لے کر ایران چلا گیا۔

دوسری مرتبہ جہانگیر کے دور میں ۱۰۲۱ھ میں وہ ہندوستان پہنچا اور میرزا غیاث بیگ اعتمادالدولہ کے دامن دولت سے وابستگی پیدا کر لی۔

اسی دوسری مرتبہ کے سفر میں وہ قندھار پہنچا اور کچھ عرصے میرزا غازی کے پاس قیام کیا اور ان کی مدح میں قصائد کہے، صاحب میخانہ نے لکھا ہے کہ:

"بعد از طی مراحل راہ دارالامان ہند، بقندھار رسید
میرزای دانشوران میرزا غازی ترخان در آن بلدہ حاکم
بود۔ وی را دید و قصیدہ در ردیف آفتاب، در مدحش
گفتہ بدو گذرانید۔ و میرزای نکتہ دان بصلۂ این بیت
کہ برشتۂ نظم کشیدہ بود:

ای خاتم جلال ترا، آسمان نگیں
در زیر آن نگین ورقی از زر آفتاب

وی را رعایتہا فرمود و میگویند کہ: ہفتاد قصیدہ در
ردیف آفتاب گفتہ و ہمہ را مطبوع انشار نمودہ"[1]

ہمارے خیال میں عتابی ۱۰۲۰ھ میں قندھار پہنچا اور میرزا کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے یا ۱۰۲۱ھ میں میرزا کے فوت ہونے کے بعد ہندوستان آیا ہے۔

---

[1] میخانہ گلچیں ص ۱۴۲۔

صاحب خیر البیان کا قول ہے کہ عتابی سے ۱۰۲۰ھ میں ان کی ملاقات اصفہان میں ہوئی:

— در سنہ عشرین والف ۱۰۲۰ھ راقم این حروف اورا
در اصفہان ملاقات نمودہ ۔ بعض اشعار جہت این تذکرہ
قلمی نمود ۔ واکنون در وطن مالوف خود بدعاگوئی دوام اقبال
شاہ جوان بخت اشتغال دارد[1]

یہ تذکرہ ۱۰۱۹ - ۱۰۲۰ھ میں ہرات کے اندر نظر ثانی کے بعد تکمیل کو پہنچا ہے، ظاہر ہے کہ ۱۰۲۰ھ میں وہ وہیں اصفہان میں شاہ عباس کی مدح سرائی میں مشغول تو تھا لیکن ۱۰۲۰ھ ہی میں وہ اصفہان چھوڑ کر قندھار پہنچ گیا۔

عتابی تکلو کے سال وفات اور جائے وفات پر اختلاف ہے، تقی اوحدی کا قول ہے کہ ۱۰۲۵ھ میں سنا گیا کہ وہ طاعون کے مرض میں لاہور میں فوت ہوا[2]، میخانہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ: ۵۲ سال عمر کے ہو چکے تھے، اپنے مربی سے وطن کے لیے رخصت ہو کر چلا، قندھار میں پہنچ کر بیمار رہوا اور ایک منزل طے کر کے فوت ہوا اس کا مدفن وہیں بر سر راہ ایران ہے[3]۔ تذکرہ لطائف الخیال کے مولف محمد بن محمد عارف شیرازی نے سال وفات ۱۰۲۰ھ لکھا ہے۔ شمع انجمن میں ہے کہ وہ ۱۰۲۱ھ میں اجمیر میں قتل ہوا[4]۔ نتائج الافکار کے مصنف کا قول ہے ۱۰۲۵ھ میں قتل ہوا[5]۔
صاحب میخانہ نے لکھا ہے کہ فوت ہونے کے وقت یہ بیت اس نے کہی:

---

[1] خیر البیان ص ۳۶۸

[2] پادرقی، میخانہ ص ۲۴۳

[3] میخانہ گلچیں ص ۲۴۳

[4] شمع انجمن ص ۲۹۲

[5] نتائج الافکار ص ۴۷۳۔

متاع ہستی من ، درد بود پنداری   کہ چون شدم زجہان در دلی نماند غبار

میرزا غازی کے سلسلے میں جس قصیدے کا مطلع اوپر آیا ہے، وہ پورا دستیاب نہ ہوسکا اور نہ کوئی اور قصیدہ ان کی مدح کا مل سکا۔ مختصر مدت قیام میں کم ہی کہا ہوگا۔

عتابی پُرگو تھا، جیساکہ میخانہ کے مولف کی اوپر درج کردہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

— کلیات سخنانش قریب یک لک و پنجاہ ہزار بیت میشود۔[۵]

لیکن اس ذخیرے کو اس نے اپنی زندگی میں مدوّن نہیں کیا تھا، اور نہ ہی بقول صاحب میخانہ اس کے ناخلف بیٹے شتابی نے باوجود موزونیت کے اپنے والد کے کلام کو جمع کیا۔

خمسہ کے جواب میں جو اس نے مثنویاں لکھیں، ان کے علاوہ ملا عبدالنبی نے دو اور مثنویاں دیکھی تھیں:

۱- سام و پری

۲- ایرج و گیتی

آخری مثنوی مخزن اسرار کی بحر میں تھی اور پہلی بحر متقارب میں تھی۔

خمسہ والی مثنویوں میں

۱- حدائق الازہار: حدیقۃ الابرار کی بحر میں لکھی

۲- مجمع البحرین: مولانا روم کی بحر میں تصنیف کی۔

۳- منظر ابرار: مخزن الاسرار کی بحر میں۔

۵- میخانہ گلچیں ص ۴۳۸

۴۔ سکندر نامہ : سکندر نامہ نظامی کی بحر میں

۵۔ ہفت پیکر : ان کے خمسہ کی مثنوی ہے۔

صاحب میخانہ نے مثنویوں کے یہ نام بتائے ہیں اور ہر ایک کے چند اشعار بھی نمونتہً دیئے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک ساقی نامہ بھی لکھا تھا جس کو ملا عبدالنبی نے مسودات سے ترتیب دے کر میخانہ میں درج کر دیا ہے[1]

صاحب خیرالبیان کو عتابی نے اصفہان میں ملاقات کے وقت (۱۰۲۰ھ) جو اشعار تذکرے میں درج کرنے کے لئے خود منتخب کرکے دیئے تھے، یہاں بھی ہم وہی اشعار نمونے کے طور پر دیئے دیتے ہیں:

مرا بدلق مرقع مبین وخوار مدار　　　　که باده، نشاد هد گرچه، درسفال بود

ندانم آن گل خود رو، چه رنگ وبو دارد　　　　که مرغ هر چمنی، گفت وگوئی او دارد

صبا گرفته بکف ساغر شقایق زاں　　　　که غنچه بادهٔ گلرنگ در سبو دارد

وصال دارد وبزمیست خالی از اغیار　　　　هنوز بر طپش دل صد آرزو دارد

چه گفتهٔ به عتابی دگر ببزم رقیب　　　　که تا نگاه کنی گریه در گلو دارد

مگر زمانهٔ ناساز خو بگرداند　　　　که ترک مست من از ناز رو بگرداند

لبت نه آب حیاتست، این قدر دانم　　　　که آب، در دهن آرزو بگرداند

خدا ز عکس رخت آفرید جنت از اں　　　　باین وسیله دلم را ازو بگرداند

خوش آن شبی که خیالم برد بگیسوی یار　　　　دران دو سلسله ام مو بمو بگرداند

---

[1] میخانہ صد ۴۴۹

عتابی از سخنی گفته چون رسد بکنشت
ورق بیفگند و گفت و گو بگر داند

ترحم است بران دل که آشنای منست — که باز شب شده هنگام های های من است
شهید خنجر یارم بس این سعادت من — که چشم حسرت صد زنده در قفای من است
رسیده عشق بجای که، کفر اگر نبود — ترا پرستم و گویم که: این خدای من است!
توای رقیب نگهدار، جای در بزمش — که آن نشستن و برخاستن، برای من است

زمن مپرس سیه بختی عتابی را
که همچو سایه شب و روز پا بپای من است

عرق چون برگل رویش نشستی — ورق های گلشن درهم شکستی
دو بستان غنچهٔ گل های نسرین — بجای شیر دروی جان شیرین
نمک گرد لبش ناگشته مزدور — خیالش کرده آب دیده را شور
شراری کز دم آن تیشه جستی — چو انجم در دل گردون نشستی
ز هر خون کز مژه بر سنگ میریخت — پی تصویر شیرین رنگ میریخت
دهانش را سپر موی نموده — نموده گرچه صد چندانکه بوده
نمود آخر ز سنگ آن غنچهٔ تنگ — دل چون لعل، پنهان در دل سنگ
کشد گر توسنی بر صفحهٔ سنگ — کند کوه گران و رفتن آهنگ
دران صحرا، یکی کوه فلک سای — سرش در آسمان، چون در زمین پای
فلک پیرامن آن مرغزاری — زمین بر دامن او چون غباری
یکی کوه اندران صحرای خرم — چو طفلی در کنارش خفته عالم

(خطی)

عرضی، میر عبداللہ سلطان سبزواری ٹھٹوی

مشہور بہ، خان عرضی[1]، خان لقب اور عرضی تخلص کرتے تھے، سید ابو المکارم سیوستانی بن سید غیاث الدین محمد المعروف بہ سلطان رضائی العرضی السبزواری کے فرزند تھے[2] ان کا خاندانی تعلق تاریخ حبیب السیر کے مصنف خواندمیر[3] سے تھا۔ سندھ میں یہ خانوادہ۔ سادات عرضی سبزواری۔ کی نسبت سے معروف تھا[4]

---

[1] تحفۃ الکرام، ۳: ص ۱۳۹، مقالات الشعرا ص ۹۶۔

[2] مقالات الشعرا ص ۴۳۵، تحفۃ الکرام، ۳: ص ۲۰۲ ص ۱۲۷

[3] خواجہ غیاث الدین خواندمیر (۸۸۰ - ۹۴۳ھ) دختر زادہ میر خواند صاحب روضۃ الصفا۔ ان کے والد کا نام خواجہ ہمام الدین ابن خواجہ جلال الدین ابن خواجہ برہان الدین محمد شیرازی تھا۔ ہراۃ میں پیدا ہوئے اور وہیں سے ۹۳۴ھ میں ہند آئے، بابر اور ہمایوں سے واسطہ رہا۔ دہلی میں خواجہ نظام الدین اور امیر خسرو کے قریب دفن ہیں۔ خواجہ حسن نظامی نے آپ کی قبر پر کتبہ لگایا ہے۔

[4] تحفۃ الکرام، ۳: ص ۲۰۲۔

میر عبداللہ عریضی، مرزا غازی کے خاص مصاحب تھے، جب قندھار مرزا غازی کی جاگیر میں آیا تو انھوں نے سید عریضی ہی کو سفیر بنا کر شاہ ایران کے ہاں روانہ کیا[1] اس سفر میں عریضی حضرت امام علی رضاؑ کی زیارت سے بھی مشہد جا کر مشرف ہوئے۔

عریضی کا خاندان پہلے بکھر میں رہتا تھا، ان کے باپ سید ابوالمکارم نے سیوستان یعنی سیوھن میں سکونت اختیار کی، میر عریضی کی ولادت یہیں سیوستان میں ہوئی اور یہیں انہوں نے نشو و نما پائی۔

مرزا غازی کے فوت ہونے کے بعد سید عریضی ٹھٹہ میں کسی سرکاری عہدے پر متعین ہوئے اور اسی وجہ سے ان کا خاندان ٹھٹہ میں مستقل بس گیا[2]۔ جب شاہ جہاں کا زمانہ آیا اور نواب شریف الملک "یک چشم" عتاب شاہی کی وجہ سے معزول ہوا[3] اور اس کے تمام متعلقین اور ملازم بھی عتاب میں آئے تو اس وقت سید عریضی کچھ ناسازگاری حالات اور زیادہ تر پیری کی وجہ سے سرکاری منصب ترک کر کے گوشہ نشین ہو گئے۔ مقالات الشعرا میں ہے:

— ہر قدر مرزا عیسیٰ[4] وغیرہ باعث شدند جواب دادند کہ:
پیری رسیدہ تاب نوکری نماندہ است[5]

---

[1] تحفۃ الکرام: میر عبداللہ سلطان مرزا بخطاب 'میر خانی' ممتاز فرمودہ برسم رسالت نزد شاہ عباس والی ایران (۹۸۵ - ۱۰۳۸) نامزد نمود کہ بتحایف لائقہ رفتہ راہ منازعت مابین مسدود گردہ ص۸۵ - [2] تحفۃ الکرام میں ہے کہ: میر عبداللہ سلطان اور اس کے بھائی میر عبدالرسول نے آغاز عہد شاہ جہاں (۱۰۳۷ھ) سے ہی ٹھٹہ میں آ کر دوامی سکونت اختیار کر لی تھی، ۳: ۲۰۲ - [3] دیکھئے تحفۃ الکرام، ۳: ص۹۴ -

[4] مرزا عیسیٰ ترخان ثانی پر دیکھئے میرا مقالہ 'مکلی نامہ' میں ص۲۳۷ تا ص۶۲۷ -

[5] مقالات ص۴۳۶ -

اس کے بعد بھی بڑی کوششیں کی گئیں لیکن یہ کسی طرح راضی نہ ہوئے اور:

— آخرالامر بوساطت اخوند محب علی سندی[1] پنجاہ
ہزار درم بصیغہ مدد معاش مع اولاد از سیری جام
تماچی[2] تنخواہ شدہ[3] —

اسی زمانے میں ان کے بھائی میر عبدالرسول نے بھی سرکاری منصب ترک کر دیا۔ سید عریضی نے ۱۶ رشعبان ۱۰۵۴ھ میں انتقال کیا[4] میر قانع نے مقالات الشعرا میں اس کے سوانح حیات تحریر کرتے وقت۔ فی جنۃ عالیۃ ۱۰۵۴ھ۔ سے تاریخ وفات نکالی ہے، تحفۃ الکرام میں میر عریضی کی شاعری کے متعلق ہے:

— شعر برگزیدہ دارد[5] —

دوسری جگہ ہے:

— بجامعیت فنون انسانیت، درشاعری مشارٌالیہ
وقت بودہ[6] —

مقالات الشعرا میں اس کے یہ شعر درج ہیں:

مژہ مسمار شدہ بہ روزن چشم	پی نا دیدن عیب من وتو

---

[1] دیکھئے میرا مقالہ « محب علی سندھی »، رسالہ اردو، کراچی۔

[2] دیکھئے معصومی ۶۴ - ۶۶ ، ۲۹۷ تا ۳۰۰ -

[3] مقالات الشعرا ص ۴۳۶ ، تحفۃ الکرام ، ۳ : ص ۱۳۹ -

[4] تحفۃ الکرام ، ۳ : ۱۳۹ -

[5] " " ۳، : ۱۳۹ -

[6] " " ۳، : ۲۰۲ -

سادہ دل بودم بنازت قرعۂ انداختم   آنچناں کت بودہ ای، از سادگی نشناختم

خواستم تا باتو بازم، یک رہی نرد مراد   خود غلط کردم کہ، باتو باختم تا باختم[1]

میر عرشی کے بعد بھی اس کی اولاد ٹھٹہ ہی میں قیام پذیر رہی، اور جب تحفۃ الکرام لکھا جا رہا تھا (۱۱۸۲ھ) اس وقت یہ خاندان ختم ہو چکا تھا کوئی ان میں سے موجود نہیں تھا۔[2]

میر عرشی کے ایک بھائی میر عبدالرسول تھے، ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، میر عرشی کے پانچ بیٹے ہوئے۔ خاندانی شجرہ یہ ہے:

میر ابوالمکارم بن میر غیاث الدین المعروف بہ سلطان رضائی العرشی سبزواری۔[3]

میر عبدالرسول لاولد — میر عرشی عبداللہ سلطان

میر عرشی عبداللہ سلطان کے بیٹے: میر شکر اللہ — میر محمد قاسم (لاولد) — میر عبدالرحمان — میر محمد عارف — میر محمد عالم (لاولد)

میر شکر اللہ: میر محمد عالم (لاولد) — میر محمد ہاشم (لاولد)

میر عبدالرحمان: میر ابوالبقا بہرہ ور علی — میر علی اصغر در حرمین فوت شد

میر ابوالبقا بہرہ ور علی: صبیہ

میر محمد عارف: میر محمد (لاولد)

---

[1] مقالات، ص ۳۴۷۔

[2] تحفۃ الکرام: "اکنون دران خاندان از نبائر مردی وجود ندارد"، ۳: ص ۲۰۳۔

[3] تحفۃ الکرام کے مؤلف نے بکھر کے تحت لکھا ہے کہ: "نبیرہ خواندمیر صاحب کتاب حبیب السیر و نواسہ سلطان جنید صفوی، از مقربان شاہ بیگ ارغون بودہ و بادی لبند آمدہ در بھکر بار اقامت افگند، پسر شاہ میر ابوالمکارم ... اول در سلک امرای میرزا شاہ حسن ارغون،

(جاری)

میرابوالبقا بہرہ ور علی کے متعلق تحفۃ الکرام کا بیان ہے:

— میرابوالبقا المعروف بہ بہرہ ور علی خاتمہ این خاندان گزین داخل زمرہ مہین گزشتہ در شاعری دست گاہ عالی اندوخت و شاگرد خدمت استاد عامل میر حیدر الدین

(جاری)
آنگاہ در خدمت سلطان محمود (بکھری) انتظام یافتہ، سلطان محمود خان وی را برسالت نزد شاہ اسماعیل صفوی بادشاہ عراق عجم فرستادہ بود، تا از برای وی بانواع نوازش و خطاب سلطانی مراجعت نمودہ۔ بمکارم اخلاق و بکمال فضل و بلاغت معروف زلیتہ (۳: ۲۷ ب)
باپ کو سلطان محمود نے سفیر بنا کر بھیجا اور بیٹے کو مرزا غازی نے وسیلہ بنایا، سفارت پران باپ بیٹوں کے انتخاب کا سبب علاوہ خاندانی وجاہت کے ایک یہ بھی ہوگا کہ صفویوں کے جدامجد جنید صفوی کے نواسوں میں سے تھے (دیکھئے میرا مقالہ - ایران اور سندھ کے تعلقات - نقوش لاہور،) ابوالمکارم کی سفارت کا حال میر معصوم نے لکھا ہے، دیکھئے تاریخ معصومی ص ۲۲۳ - سلطان محمود نے پہلے شاہ طہماسپ (۹۸۴-۹۳۰ھ) سے خطاب «خان»، علم و نقارہ، تمن طوغ، جامہ سال ۹۶۵ھ میں حاصل کیا تھا اور دوبارہ ۹۶۹ھ میں شاہ طہماسپ نے حق بردی بیگ کو خلعت اور دیگر لوازمات کے ساتھ سلطان محمود کے پاس بھیجا، یہ سفیر سال بھر یہاں رہا اور ۹۷۰ھ میں میرابوالمکارم ان کے ساتھ مل کر یہاں سے ایران گئے، اور وہاں سے «خان خاناں» کا خطاب لے کر آئے (معصومی ۲۲۵-۲۲۳)

سلطان جنید بن سلطان ابراہیم، شیخ صفی الدین اردبیلی کے نواسے تھے صفوی سلاطین کے مؤسس تھے، ۸۵۱ھ میں باپ کی جگہ اردبیل میں مسند پدری پر متمکن ہوئے اور شروان شاہ کے ہاتھ سے ۸۶۰ھ میں قتل ہوئے، ان کے بعد ان کے بیٹے سلطان حیدر

(جاری)

ابوتراب کامل[1] بوده، درآواخر عهد محمد شاه بادشاه

درگزشته ..... جز صبیه اولادی نماند[2]

تاریخ "چراغ ہدایت" المعروف بہ "بہرہ ورشاہی" اسی میر ابو البقا کی تصنیف ہے، اس کا غالباً دیوان بھی تھا، چند اشعار مقالات میں درج ہیں:

منت درمان ندارد از طبیبان درد ما	سوزش دل مرہمی دارد زآہ سرد ما
آتش سوزاں ندارد سرکشی ہرگز بہ آب	گرمی جور رقیبان یخ شود از برد ما
چون توان پنہان نمود از خلق سوز عشق را	آتش دل را گواہی داد رنگ زرد ما

(جاری) مسند نشین ہوئے اور وہ بھی ۸۹۳ھ میں یعقوب بیگ ترکمان کے ہاتھ سے قتل ہوئے (دائرۃ المعارف ۴ ۱۳۲۲) ان کا سلسلہ یہ ہے:

جنید بن ابراہیم بن علی سلطان بن موسیٰ صدرالدین اردبیلی

حیدر

ابراہیم — علی — (۱) امام شاہ اسماعیل اول (۹۰۷-۹۳۰)

(۲) شاہ طہماسپ اول (۹۳۰ - ۹۸۴)

(۳) شاہ اسماعیل ثانی (۹۸۴ - ۹۸۵)

(۴) محمد خدا بندہ (۹۸۵)

(۵) شاہ عباس اول (۹۸۵ - ۱۰۳۸)

[1] میری کتاب "تذکرہ امیر خانی" میں ان کا حال دیکھیے۔

[2] تحفۃ الکرام ص ۲۰۳۔

این جواب آنکہ "صائب" از دل پر درد گفت　　صبح بر خورشید میلر زد کہ آہ سرد ما[1]

جلوہ ای از حسن او افروخت بر بالای طور
خیرہ چشمی بر سر مقصود موسی نار ریخت

بر زنخدان حیرت لب تشنگان فریاد داشت
از خطش یارب کہ گرد آب حیوان خار ریخت

دارد ہوای دشت و بیابان درون سر
مجنون من بسوی سلاسل نمیرود[2]

[1] غزل مرزا صائب:

صبح بر خورشید میلرزد ز آہ سرد ما　　کوہ می لرزد چو در زیر بار درد ما

یہ غزل صائب نے طالب آملی کے جواب میں کہی ہے، مقطع ہے:

این جواب آن غزل صائب کہ طالب گفتہ است
بعد از زمین، از خاک معشوقانہ خیزد گرد ما

[2] مقالات الشعرا ص۹۷۔

فصیحی انصاری ہراتی، میرزا

ہرات کے اس مایۂ ناز شاعر کو میرزا غازی نے اپنے پاس بلایا تھا، لیکن بعض وجوہ کی بنا پر شاعر خود تو حاضر نہ ہو سکا لیکن میرزا کی خدمت میں قصائد بھیجے۔[1] یہ عبارت مولانا شفیع مرحوم نے میخانہ کے حواشی میں "سفینہ خوشگو" کے حوالے سے لکھی ہے، چونکہ "خوشگو" کا وہ حصہ ابھی شائع نہیں ہوا، اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ اصل عبارت کیا ہے۔ یہی روایت عبدالباقی نہاوندی نے مرشد بروجردی کے حالات میں لکھی ہے اور کہا ہے کہ:

> "و بوسیلہ این خان سخندان انعامی و احسانی کہ بمستعدان عراق و خراسان نمودہ، زیادہ از حد و حساب است چنانچہ مبلغی کلی بجہت حسان الزمان ملا شانی تکلو و میرزا فصیحی انصاری بخراسان فرستادند، و الیشان

---

[1] میخانہ ص۱۱۱ بحوالہ سفینہ خوشگو۔

نیز بشکرانۂ آں احسان، قصائد غرا گفتہ فرستادند۔[1]

فصیحی کے مفصل حالات صاحب میخانہ نے دیئے ہیں، لیکن اس میں اس واقعے کا ذکر نہیں کیا، اور نہ کسی دوسرے تذکرے میں نظر سے گزرا، حالانکہ کئی تذکروں میں فصیحی کا ذکر آیا ہے[2]

میخانہ اور دیگر تذکروں میں جو حالات آئے ہیں ان کا ملخص یہ ہے:

میخانہ کے مصنف نے فصیحی کو "ملک الشعرا" کے خطاب سے یاد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ: ہرچند کہ مؤلف کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی ہے، لیکن ان کا حال ایک ایسے دوست سے سنا ہے جو مدتوں فصیحی کی خدمت میں رہا ہے۔ فصیحی کے دادا مولانا میرجان موضع اسفر شاید (متعلق بہ جام) میں پیدا ہوئے اور اپنے وطن میں تعلیم حاصل کرکے فضلای نامدار روزگار میں شمار ہوئے۔ عبیداللہ خاں اوزبک (۹۴۰ - ۹۴۶) نے جب خراسان فتح کیا تو ان کو بخارا لے گئے، وہیں انھوں نے صحابہ کرامؓ کے حالات میں "روضتہ الاصحاب" لکھی، جو مشہور ہوئی۔ مولانا فصیحی کے والد ابوالمکارم بخارا میں پیدا ہوئے اور باپ کی تربیت اور صحبت میں اپنے والد ہی کی طرح فضیلت مآب ہوئے۔

فصیحی بھی وہیں بخارا میں عالم وجود میں آئے، جب کمال عبداللہ خاں اوزبک (ثانی) اوزبک سلطنت کے فرمانروا ہوئے۔ (۹۹۱ - ۱۰۰۶ھ)[3] اس وقت

---

[1] مآثر رحیمی، ۳: ۱۸۷۔ [2] نصرآبادی ۲۴۷، سرو آزاد ۵۰، آتشکدہ ۱۵۵، شمع انجمن ۳۷۳، روز روشن ۵۳۱، نگارستان سخن ۷۶، نتائج الافکار ۵۳۹، سرخوش ۸۵، حسینی ۲۵۱، [3] تقی اوحدی نے عبداللہ خاں کی شکست کی تاریخ کہی ہے:

"سراپا اوزبکیہ شد نگونسار" اور "شکست آمد بعبید اللہ اوزبک" دونوں سے ۱۰۰۶ھ برآمد ہوتا ہے (میخانہ (گلچیں) ص ۵۷۳)

مولانا ابو المکارم کو ہرات میں واعظ کے عہدے پر روانہ کیا اور وہ اہل و عیال کے ساتھ ہرات میں آئے، اس وقت فصیحی کی عمر دس سال کی تھی، گویا اس لحاظ سے فصیحی کا سن ولادت ۹۸۱ھ ہوتا ہے۔

فصیحی کی تربیت اور تعلیم کی تکمیل اسی شہر میں ہوئی اور بقول صاحب میخانہ:

— و بمرتبہ شہرۂ آفاق شد کہ مردی اہل از نزدیک و دور
در سنین و شہور بدیدن او میآیند و از و شعر بالتماس
میگیرند، و حکام خراسان ہمگی در اعزاز و احترام او میکوشند
و خاطر جوئی آن سر آمد مستعدان مینمایند...... [1]

جب خراسان پر شاہ عباس صفوی نے فتح پائی، اس وقت مولانا اس کی ملازمت میں قزوین گئے، جہاں سے ایک مدت کے بعد مرخص ہو کر واپس ہرات لوٹے۔

قزوین میں مرزا جلال اسیر ان سے بہت متاثر ہوئے اور بہت کچھ اکتساب فیض کیا، کہا ہے:

آنانکہ، مست فیض بہار اند، چون اسیر   تہ جرعۂ ز جام فصیحی کشیدہ اند [2]

میخانہ کے مصنف نے ان کے ذاتی اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

— اکثر اوقات بصحبت مردم خوب و مجالست یاران
مرغوب صرف میشود، و ہمیشہ بعشق و عاشقی میگزراند
دیک آن خالی از محبت نمیباشد...... در نوجوانی

---

[1] میخانہ (محمد شفیع) ۳۹۱۔

[2] سرو آزاد ص۵۸، خوشگو نے لکھا ہے کہ مرزا جلال (۱۰۴۹) ناظم ہروی (۱۰۸۱) اور درویش والہ ان کے شاگرد تھے (میخانہ چاپ گلچیں ص۵۸)

کہ گرفتار او بودہ ۔ بر روی کار آوردہ است :

ای روی ترا ترجمہ در دین مصحف

وز خال و خطت یافتہ تزئین مصحف

یک نقطۂ سہو، در ہمہ روی تو نیست

گویا بخط مصنف است، این مصحف

حسین خاں شاملو جب حاکم ہرات ہوا تو فصیحی ہندوستان کی طرف چپکے سے چل دیئے۔[۱] شاملو کو معلوم ہوا تو بڑی بے عزتی کے ساتھ بلوایا، داڑھی منڈوائی، اور جیل بھیج دیا، فصیحی نے اس فضیحت پر ایک بیت اور ایک رباعی کہی ہے:

خورد شاخ پر میوہ سنگ ستم	ہنر پیشہ بیند بگیتی الم
برگشتم و زین تعلق آزادہ شدم	با یار بسیر ہند، آمادہ شدم
آن ماہ مخطط شد، و من سادہ شدم[۲]	نا رفتہ بہند، و از گون کار شدم

حسن بیگ نے بعد میں پشیمان ہو کر رہا کیا چنانچہ اس کے بعد فصیحی[۳] دوبارہ شاہ عباس صفوی کے پاس چلے گئے، عالم آرای عباسی[۴] کے مولف نے ۱۰۳۱ھ کے حوادث میں لکھا ہے کہ اس وقت فصیحی :

– از ہم صحبتان بزم مقدس است ۔"

معلوم یہی ہوتا ہے کہ (۱۰۲۰ھ) کے لگ بھگ مرزا غازی نے قندھار میں فصیحی کو بلایا ہوگا، اور وہ غالباً سیاسی مصالح کی بنا پر آنے سے کترا گئے، کیونکہ ہرات

---

[۱] میخانہ نے ہرات سے نکلنے کا سال (۱۰۲۲ھ) لکھا ہے (چاپ گلچیں ص۵۷۴)

[۲] میخانہ (محمد شفیع) ۳۹۳ ۔ [۳] میخانہ (گلچیں) ص۵۷۶ ۔

[۴] عالم آرای عباسی چاپ ندیم ص۹۶۶ ۔

شاہ عباس صفوی کے قبضے میں تھا، ہر چند کہ مرزا کے ساتھ شاہ کے تعلقات بظاہر بہتر تھے، لیکن پھر بھی فصیحی نے جانا خلاف مصلحت سمجھا ہوگا اور مرزا کی وفات کے بعد جب ہندوستان آنے کی کوشش کی تو پکڑ لیے گئے۔

اسپرنگر نے (ص ۳۹) خان آرزو کے حوالے سے لکھا ہے کہ فصیحی نے کئی مرتبہ ہندوستان کی طرف آنا چاہا لیکن ان کے ہم وطن مانع ہوئے، ناچار ۱۰۲۱ھ میں انھوں نے اپنا دیوان آگرے بھیجا، اسپرنگر سے غالباً سہو ہوا ہے، ہند میں دیوان بھیجنے کا سال ۱۰۲۴ھ ہونا چاہیئے کیونکہ "میخانہ" کے مصنف نے ۱۰۲۵ھ کے لگ بھگ ان کا "دیوان دارالامان ہندوستان" میں دیکھا تھا، جو چار ہزار ابیات پر مشتمل تھا[1]۔

دیوان اودھ کے شاہی کتب خانے میں بھی تھا، جس کا ذکر اسپرنگر نے کیا ہے[2]۔

دیوان منتخب سراج کے حوالے سے اسپرنگر نے فصیحی کی تاریخ وفات (۱۰۴۶ھ) لکھی ہے[3]، لیکن بقول صاحب فہرست بانکی پور اس کے شاگرد واؔلہ نے جو تاریخ کہی ہے، اس سے (۱۰۴۹ھ) سال برآمد ہوتا ہے، اور یہی صحیح سمجھنا چاہیئے، تاریخ ہے:

---

[1] طاہر نصرآبادی نے ابیات کی تعداد "قریب بشش ہزار" بتائی ہے (ص ۲۴۵)۔

[2] اس دیوان میں سو صفحے پر غزلیات تھیں، ۱۱ صفحات پر رباعیات، قصائد ۱۰۰ صفحات پر تھے، رباعیات ۲۰ صفحات میں تھیں۔ ابتدا غزل کی:

خدایا روزی مطلب پرستان ساز راحت را　　　　که جنت دوزخ است آتش پرستان محبت را

اور قصائد کا پہلا شعر تھا:

"ساقیا می ده، که در جوش است خون نوبہار"

اسپرنگر نے دو اور نسخوں کا ذکر بھی کیا ہے (ص ۳۹)

[3] اسپرنگر ص ۱۵۱۔

ـ بگو فصیحی آزادہ سوی جنت شد[۱]

اس وقت دیوان کے جو نسخے معلوم ہیں ان میں سے تین بانکی پور میں (نمبر ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷) موجود ہیں، اور ایک انڈیا آفس میں (نمبر ۱۵۴۷) ہے۔ بانکی پور کے نسخے کے ابتدائی خالی صفحے پر کسی کا نوٹ ہے کہ:

ـ دیوان فصیحی بمطبع چشمہ نور مقام مظفرپور طبع شد۔

میرزا غازی کی مدح میں ہمیں کوئی قصیدہ نہیں ملا، مختلف تذکروں سے فصیحی کے اشعار کا انتخاب یہاں درج کیا جارہا ہے:۔

هرچند که من، شعلۂ افسرده غبارم — در خرمن خود سوخته، از باد بهارم[۲]

خنده می بینی ولی از گریۂ دل، غافلی! — خانۂ ما، اندرون ابر است و بیرون آفتاب

گریه گر، دیده گداز است فصیحی ابگو چیست — کشتی نوح شکستن، هنر طوفانست

بعد عمری که فصیحی! شب وصلی رو داد — مردم دیدۂ ما، در سفر دریا بود

هزار بار قسم خورده ام که، نام ترا — بلب نیاورم، اما قسم بنام تو بود

دیده، شب خیال مراد، از موج اشک ما گرفت
کشتی بی ناخدا، کام از دل دریا گرفت

خار ترم، که تازه زباغم بریده اند — محروم بوستانم و مردود آتشم

من نه شائستۂ بسمل، نه سزاوار قفس — به چه امید؟ درین دام گرفتار شدم

مابت، نه زاندیشۂ معبود شکستیم — آرایش بتخانۂ ما بود شکستیم

هر لخت جگر، طاقت صد داغ دگر داشت — قفل در رسوائی خود زود شکستیم

۱۔ فہرست بانکی پور ۳: ۷۱۔

۲۔ " " ۳: ۷۱۔

گرگل، نصیحتت نپذیرد، درین چمن | باری! بنالہ مدد عندلیب کن[1]
خویش را، بر نوک مژگان ستم کیشان زدیم | آنقدر زخمی کہ دل میخواست، در پیکان نبود
نوبہارا! بشمیم گل عیشم مفریب! | کہ من این نالۂ زار، از دل خرم دارم
مختصر دستی کہ مارا بود، صرف جام شد | گر خدا روزی کند، دست دگر بر سر زنم[2]
امشب از شعلۂ آہم، جگر غم میسوخت | برمن و زندگی من، دل ماتم میسوخت
جذبۂ عشق، بحدیست میان من و یار | کہ اگر من نروم، او بطلب میآید
دی قاصد یار آمد و مژگان تری داشت | از یار مگر، بہر بلاکم خبری داشت[3]
گر لذت داغ جگر، اینست فصیحی | افسوس، کہ در ہر سر موسم، جگری نیست
در مذہب ما، ہرچہ بجز دوست، حرام است | گر خود ہمہ ذوق طلب اوست، حرام است
ازان ترسم کہ، فردای قیامت | ہمیں، امروز و فردای تو باشد
نالہای نوگرفتاران غم را، لذتی است | ورنہ، این یکمشت پر، مقصود صیادم نبود[4]
جرم ما گر بادہ آشامیست! مستی جرم کیست؟ | عکس لعل خویش را ما، در شراب افگندہ ایم
دوش تقلید جرس کردم، و صد قافلہ سوخت | آہ! اگر نالہ پریشان ترازین، میکردم[5]

عرفی نے خواہش کی تھی کہ مرنے کے بعد لاہور سے ان کی لاش نجف اشرف بھیجی جائے صاحب میخانہ لکھتے ہیں کہ فصیحی نے (۱۰۲۷ھ) میں ہرات سے ایک شخص کو اس غرض کے لیے لاہور بھیجا، لیکن اس کے پہنچنے سے دس روز پیشتر میر صابر صفاہانی عرفی کے استخوان لے جا چکا تھا۔[6]

---

[1] نصرآبادی ص۲۴۵ ۔ | [2] سرو آزاد ص۵۰ ۔
[3] شمع انجمن ص۳۷۳ ۔ | [4] روز روشن ص۵۳۱ ۔
[5] سرخوش (مدراس) ص۱۲۲ ۔ | [6] میخانہ (کلچیں) ص۲۲۵ ۔

فصیحی کی رباعیات اس انداز کی ہیں :

راہِ درِ دوست، آشکار امسپار — نامحرم پا، بود درین رہ رفتار
یا پای چنان نہ کہ نماند نقشی — یا نقش قدم، با قدم خود، بردار[1]

روشنگری آئینۂ دل کردیم — وانگاہ، بروی تو مقابل کردیم
عکس رخ تو، جدا نگشت از رخ تو — ما بیہدہ سعیہای باطل کردیم

ہرچند دلم، ز درد خونریز تراست — برمن دل تیغ آسمان تیز تراست
درکین دلم، دلیر باشید، کہ زنگ — زآیئنہ ام، از عکس سبک خیز تراست[2]

ملک شاہ حسین صاحب "احیار الملوک" (تاریخ سیستان) و "تذکرہ خیر البیان" مرزا غازی کا معاصر، بلکہ قندھار پر جب اس نے حملہ کیا ہے تو قزلباشوں کے لشکر میں بھی شامل تھا، فصیحی کے متعلق اپنے چشم دید حالات "خیر البیان" میں یوں لکھے ہیں :[3]

— فاضل موفق مرزا فصیحی انصاری، بلبلان گلزار فصاحتش از خراسان چمن چمن داغ جگر بہدیہ طوطیان شکرستان ہند فرستادہ۔ بہزار دستان در گلزار ہمیشہ بہار

---

[1] فہرست بانکی پور ص۲۷۔ [2] نصر آبادی ص۲۴۸۔

[3] یہ تذکرہ نادر ہے، ابھی تک چھپا نہیں ہے اور اس کے فقط دو نسخے دنیا میں موجود ہیں ایک ایران میں آقای فخر الدین نعیری امینی کے ہاں (نمبر ۳۳۹ فہرست "آثار الشعرا") اور دوسرا نسخہ برٹش میوزیم میں ہے جس کا نمبر 3397 O, R ہے۔

دارالسلطنت ہرات مترنم اند۔ الحق شائستہ است
چنان خجستہ چمن را چنین بلبلی ۔

از طرف پدر سید صحیح النسب است، واز جانب مادر بہ پیر ہرات خواجہ عبداللہ انصاری علیہ الرحمۃ والمغفرۃ میرسد ۔ باوجود مرتبۂ کمال در سخنوری، بعلوم رسمیہ گذشتہ مدتہا بخدمت شیخ المتاخرین بہاء الملۃ محمد مطالعۂ علوم عقلی ونقلی نمودہ، والیوم بدارالسلطنت ہرات بمطالعۂ کتب دینیہ وفکر اشعار در ربار اشتغال دارد، وراقم حروف این تذکرہ از نواب اشرف اقدس ارفع استماع نمود کہ بلفظ مبارک فرمودند کہ : امروز در ایران ہیچ کس از شعرا برتبۂ میرزا فصیحی وابوتراب بیگ نیست![1]

حالت خدام فصیحی الانامی ازان زیادہ است کہ بدستیاری قلم سرگشتہ در مقام اظہار آن توان آمد، ہموارہ مورد الطاف شاہی واعطاف نامتناہیست، وپیوستہ خان عالیشان حسین خان (شاملو) امیرالامرای

---

[1] ملک شاہ حسین نے لکھا ہے کہ : بادشاہ بڑے سخن فہم تھے، وہ اشعار سنتے تھے اور جن اشعار کو پسند کرتے تھے، ان کو ان کا درباری خوشنویس مولانا علی رضا بیاض میں جمع کرتا جاتا تھا۔ شاہی خیمہ گاہ، یا ہرات کے مقیم شعرا اور سخن فہم حضرات اپنی اپنی پسند کے اشعار جمع کرتے تھے، رات کو علی رضا بادشاہ کو سناتا تھا، ان میں سے جو شاہ کو پسند آتے تھے، وہ بیاض میں درج کرلئے جاتے تھے۔ (خیرالبیان ورق ۳۰۱)

ممالک خراسان با میرزای مذکور در مقام عنایت و مرحمت است ، و بفراغ بال در دار السلطنت ہرات بمطالعۂ کتب علمی و نظم اشعار اشتغال دارند۔

در سنہ الف و عشرین (۱۰۲۰ھ) از بودن ہرات ملال بہم رسانیدہ با جمعی - کہ رفاقت ایشان موافق حال آن زبدۂ شعرا نبود - رفیق گردیدہ بعزیمت ہندوستان متوجہ ولایت قندھار گشت - و چون جمعی از ملازمان قدیمی نواب مستطاب امیر الامرای نیز طریق فرار اختیار کردہ بودند ، نواب مومیٰ الیہ ازین وضع آزردہ شدہ ، جمعی فرستادہ میرزای مذکور را از نزدیکی بلدۂ قندھار برگردانیدہ ، ہدف عتاب و خطاب ساختہ ، نزدیک بود کہ آتش غضب در خرمن حیات مومیٰ الیہ افتد ، بشفاعت گل حدیقہ ابہت و جلال حسن خان (پسر حسین خان) استخلاص یافتہ مدتی محبوس زندان بود - از انجا نیز بشفاعت مومی الیہ بیرون آمدہ ، چند روز حاشیہ گرد مجلس بود - بالآخر بنوازشات معزز گردیدہ ، الحال انیس مجلس خاص آن خان عالیشان است و ترقی کلی در اوضاع و اطوارش بہم رسیدہ -

و بعد از انتقال خان غفران شعار منظور نظر نواب و مقدس القاب حسن خان گردیدہ و بکامیابی و دوستکامی در ہرات میگذراند - و چون نواب ہمایوں از یورش

قندھار بدارالسلطنت ہرات تشریف آوردند، ہنگام
نہضت بجانب عراق میرزای مزبور را منظور نظر عاطفت
اثر ساختہ، در رکاب ہمایوں بجانب عراق بردند، والحال
در سلک مجلسیان و مقربان درگاہ عالم پناہ است[1]

۱۰۲۰ھ میں فرار ہونے اور قندھار کے قریب پکڑے جانے کا قصہ بیان کیا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ میرزا فصیحی اپنے شاگردوں کے ساتھ دراصل مرزا غازی کے پاس آ رہے ہوں گے اور وہاں سے بشرط ضرورت ہندوستان جانے کا قصد ہوگا!

مرزا فصیحی کے کئی ایک شاگرد ہرات میں تھے، جن کا تذکرہ خیر البیان میں موجود ہے، خیر البیان نے اشعار کا جو انتخاب دیا ہے، اس کا انتخاب ہم یہاں درج کر رہے ہیں:

باب عافیت، گفتم غبار ذرد بنشانم — نظر در دیدہ ام اشک و نفس در سینہ پیکان شد
نشد شوقم تسلی ہیچگہ، با آنکہ چشم من — تہی گشت از نظر، ہرگہ کہ بر روی تو حیران شد

گر آگہی ز ذوق طلب، تشنہ لب بمیر — گیرم کہ جملہ دوست شوی، در طلب بمیر!
از جام، درد بادۂ عمر ابد بنوشش — روزی ہزار بار، ولی بی سبب بمیر!

عالم زماتہی، وز افغان ما، پر است — شد عندلیب خاک و چمن از نوا پر است
در دل نگنجدم غم ہجر و امید وصل — کین آئینہ، چو روی بتان از صفا پر است

سرمہ از خاک در میکدہ کن تا بینی — کعبہ و بتکدہ را، ہست سجود در خویش

---

[1] ورق ۳۰۰ ب تا ۳۰۱ ب، اس کے بعد ۳۰۱ ب سے لے کر ۳۰۳ (الف) تک اشعار کا انتخاب ہے۔

هر خار کان ز وادی هجران بر آمده — در پای دل شکسته و از جان بر آمده

تو در دلی، و دیده پی جستجوی تو — چون طفل اشک، بر سر مژگان بر آمده

گفتیم! بشگفیم دو روزی، درین چمن — دیدیم روی عالم و بد شد شگون ما

بیمار شو مسیح! که در پیش گاه ناز — رو میکنند جان بلب نارسیده را

ایزد جزای مستی من، چون دهد، مگر — لب تشنه در شراب شعور افگند مرا

آن نسیم که سر و برگ خس و خارم نیست

خانه زاد چمنم، لیک بگل کارم نیست

نخل امید و صد گونه گلم هست، ولی

گل شاداب تر از دیده خونبارم نیست

یک دیده، از برای تماشا کفایت است

لیک، از برای گریه، هزار ار بود، کم است

صد ابر رحمت آمد و دل شبنمی ندید

گویا که این گیاه، خدا آفریده نیست!

بعد از وداع دوست، فصیحی شهید عشق

گر نیم لحظه زنده بماند، شهید نیست!

آهسته تر، ای دیده گستاخ! که اینجا — پروانه، نهان از نظر بال و پر آید!

دیده امشب، ره نظاره بیابان آورد — بصد افسون نگهی بر سر مژگان آورد

راه آباد بسی بود، ولی! غمزه دوست — بلب کوثرم، از راه بیابان آورد

سنبل دوست، پریشان خود است، از بهار — بادرا، دست هوس بسته، بر بستان آورد

شهید خنجر عشق تو چندان — بخود بالد که در محشر نگنجد

چه دانستم که رازم مو بمو اظهار خواهد شد — متاع روی، دست هر سر بازار خواهد شد

شمیم و خوانده ایم خطِ سرنوشت خویش

مارا ، برای سوز و گداز، آفریده اند

زود بالد تیره روزی ، در گلستانِ وفا

ورنه این بخت سیه، در روز اول خال بود

غم روید، ار ز سینه ات، آبی بران فشان

این سبزه را ، ز آفت شبنم نگاه دار

گرت بود جگری ، سوختن ز باغ آموز

وگر هوای شگفتن بود ، ز داغ آموز

شب همه شب با صبوری ، ناله ام، در جنگ بود

هر نگه را، دامن لخت دلی، در چنگ بود

گلشن از ظلم صبا بشگفت ، ای بلبل بنال !

یاد آن روزی، که هر سو غنچهٔ دل تنگ بود

آسمان سنجید با یوسف دل آشوب مرا

در ترازو، زان طرف خورشید، وزین سو سنگ بود

آن قدر بگداز، کز سوز تو یار، آگه شود

بی مروت نیست حسن ، آبی بر آتش میزند

صد بیابان ره ، هنوز از شعله اش تا شمع هست

بی سبب پروانه، در بال و پر آتش میزند

فغفور، حکیم محمد حسین لاہیجانی

نام محمد حسین تھا[1]، ان کے والد سید احمد، والی گیلان خان احمد گیلانی[2] کے مصاحب اور مقرب خاص تھے، ان کے خانوادے کے سلسلے میں عبد الباقی نہاوندی نے لکھا ہے:

— از اجلۂ سادات عالیشان ونقبای رفیع المکان لاہیجان گیلانست۔ وہمیشہ درسلسلۂ این عارف آگاہ علما وفضلا بودہ اند۔ وبجمعیت مال وکثرت

---

[1] یہ نام سرو آزاد میں لکھا ہے ص ۳۸

[2] پسر سلطان حسن از بادشاہان سلسلہ کارکیا ۹۴۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ ۹۷۵ھ میں شاہ طہماسپ کی سپاہ نے جب گیلان فتح کیا تو یہ مغلوب ہوا اور ۹۸۵ھ تک قید میں رہا، اور اسی سال سلطان محمد خدا بندہ نے اسے چھوڑا اور پھر گیلان کی حکومت بخش دی، ۱۰۰۰ھ میں شاہ عباس پھر اس پر چڑھ دوڑا، خان احمد شروان کے راستے سے سلطنت عثمانی کی پناہ میں پہنچ گیا، جہاں ۱۰۰۵ھ میں طبعی موت سے چل بسا (میخانہ گلچیں حاشیہ ص ۳۵۳-۳۵۴)

منال نیز از اہل آن دیار امتیازی داشتہ اند[1]

فغفور کا پہلا تخلص رسمی تھا، جوانی کی بہار جب درگزر ہوئی اس وقت یہ دوسرا تخلص اختیار کیا[2]۔ والد کے فوت ہونے کے بعد ایران کی سیر کو نکلے، شاہ عباس نے ان کے شعر کا شہرہ سنا تو ان کو اپنے ہاں بلا لیا۔ ان کے علم، فضل، فن اور شعر گوئی کے سلسلے میں تمام تذکرہ نویس رطب اللسان ہیں، میخانہ کے مولف نے لکھا ہے:

— حکیم فغفور یگانۂ سخن سرایان دہر و نادرۂ حیرغیان این عصر است۔ نکتہ سنجی قدرت آثار و سخنوری تمام عیار است، بفرط کیاست و دانش و وفور بینش از اکثر ناظمان ماہر این عہد ممتاز و در شعر فہمی و تازہ گوئی بے انباز بود۔

در فن حکمت نہایت حذاقت داشت و خط نستعلیق را نہایت خوب مینوشت و علم موسیقی را نیکو میدانست[3]

مآثر رحیمی کے مولف نے یوں سراہا ہے۔

— حکیم مومی الیہ در فن طالب علمی و سخنوری و طبابت، افسر امثال، بر سر آمدہ، شعرای زمان و اطبای ایرانست...

ذات شریفش نقش تختۂ عبارات تازی و حجازی است، و

---

[1] مآثر رحیمی، ۳: ۱۰۰۱۔

[2] میخانہ گلچیں ص۲۵۳ مآثر رحیمی کے مولف نے لکھا ہے کہ وہ کبھی کبھی تیر کے تخلص سے بھی شعر کہتے تھے: — و بہ این سہ تخلص شعر فرمودہ اند — (۳: ص۹۰۲)

[3] میخانہ (گلچیں) ص۲۵۶۔

از قطرات فرائد بحار علوم دُرّ ہای شب افروز، در صدف
سینۂ طلبہ و اہل علم می نہد ۔ و در تنقیح مسائل حقیقیہ و نشر
علوم یقینیہ کوشیدہ ، حوصلۂ طبع سلاک و مستعدان را
بر لآلی شاہوار میبسازد ۔ و در فن شاعری و نکتہ سنجی، زین
بیان بر مراکب مسرعۂ افکار نہادہ در مضمار حسن طبیعت
و میدان فصاحت گوی سبقت از فارسان این فن میربابد۔
و در علم ادوار و موسیقی نیز مہارتی تمام دارد، و تصانیف
مشہورۂ او در عراق و گیلان و مازندران در میان
ندما و اہل نغمہ شہرتی تمام دارد ۔

و از خط نسخ تعلیق از استادان این زمان درگزشتہ
الحق شاعری جامع الحیثیات و مستجمع کمالات است۔
وصیت شاعری و دانشوری او، چون پرتو آفتاب
عالمگیر است [1]

ایران کی سیر و سیاحت میں جب مشغول تھے، اس وقت عراق میں حکیم شفائی
کے ساتھ ایک جگہ ان کی ملاقات ہوئی ۔ پہلے شفائی نے پوچھا کہ: حضرت آپ کہاں
کے ہیں ؟ جواب دیا کہ : گیلک !

شفائی ہراں تھا ، فوراً کہا کہ جی ہاں گیلک اور کودن از روی حساب جمل
ہم عدد ہیں ! فغفور نے فوراً جواب میں کہا کہ : بالکل صحیح ! جیسا کہ شفائی ۱۴۰۱ اور
صاحب جہل مرکب ۱۴۰۱ ہم عدد ہیں [2] شاہ عباس کے ہاں طلب ہونے کا باعث فغفور کی

---

[1] مآثر رحیمی ، ۳ : ص ۹۰۲ [2] میخانہ (گلچین) ص ۲۵۵

یہی حاضر جوابی تھی ۔

رفتہ رفتہ جب ہندوستانی دربار کی سخن شناسی اور ہنر پروری کی داستانیں فغفور نے سنیں تو ایران سے نکلنے کا ارادہ کیا ۔ صاحب میخانہ نے لکھا ہے کہ :

ــ چون آوازۂ دانش پروری دارای دارالامان بگوش آن جامع فضائل انسانی کشید، و حقیقت قدردانی فرمان روای ہندوستان مکرر شنید، بخاطر رسانید کہ : مرا ازبرای نشو و نمای تمامی عیار و تحصیل مال بی شمار، بدان دیار باید رفت ۔ چہ یاقوت در معدن ہرچند آرامش دارد، بی قدر است! ولعل درکان اگرچہ باآسائش می گذراند، اما بی قیمت است! [1]

جب ترک وطن کرکے قندھار پہنچے تو سب سے پہلے میرزا غازی نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور :

"ــ وی را از غایت مہربانی و نہایت قدردانی بہ مجلس خویش طلبید و با او ملائمت بسیار نمود [2]"

ملا مرشد بروجردی اور مولانا اسد قصہ خوان اس وقت میرزا غازی کے دربار پر چھائے ہوئے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ کسی اور کا رنگ جمنے پائے ۔ لہٰذا انھوں نے :

"ــ از رشک در شعر او دخلہای بیجا و اعتراض ہای بدنمابی تقریب می نمودند ۔

---

[1] میخانہ (گلچین) ص ۴۵۱

[2] میخانہ

لیکن:

"۔ شمع دودمان ترخانان، گوش بہ سخنان حسد آمیز ایشان نمی کرد۔ چراکہ خود در مردم شناسی و سخن فہمی از بے بدلانِ روزگار بود ۔"

مگر فغفور ہم نفسوں کے اس سلوک سے اتنا دل شکستہ اور مایوس ہوا کہ بغیر اطلاع دیئے قندھار سے لاہور کی طرف چل دیا۔ مرزا غازی کو تیسرے دن اس واقعے کی اطلاع ملی، بے حد پریشان اور برافروختہ ہوا اور:

"۔ بہ مرشد بروجردی و اسد گفت: شما بشومی حقدِ جبلّی خود، ما را رسوا کردید! من در عالم مردم شناسی و قدر دانی دور از کار می دانم کہ مثل فغفور کسی در ایام حکومت بمن برسد و بی آنکہ فیضی بہ بیند مفارقت گزیند[۱]۔"

اس کے بعد اپنے دست خاص سے حکیم فغفور کو خط لکھا اور اپنی بے گناہی کا یقین دلاتے ہوئے واپس آنے کی دعوت دی۔ مرشد اور اسد کو بھی حکم دیا کہ: وہ اپنی طرف سے اس کی خدمت میں معذرت نامہ بھیجیں! چنانچہ انھوں نے بھی اسی خط کے ساتھ اپنے معذرت نامے روانہ کئے، جن میں لکھا کہ:

"۔ اگر آن نادرۂ ایام برگردد تلافی تقصیرات گذشتہ خواہد شد! و از صاحب احسان طبیعی برای وی مبلغہا خواہیم گرفت ۔[۲]"

حکیم فغفور کو یہ خطوط پہنچے لیکن اس نے واپس ہونے کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ ایک فی البدیہہ

۱؎ میخانہ ص۴۵۶ ۲؎ میخانہ ص۴۵۶

رباعی لکھ کر مرزا کی خدمت میں بھیج دی:

آن جیفہ، کہ، در چنگ دو کرگس باشد — حیف است کہ، لوث دامن کس باشد!
خود را طلب شاخ، زیادت طلبی ست! — بایک سر خر، دو گوش خر، بس باشد![1]

اس سخت رباعی سے فغفور کی خودداری، بلند نگاہی، اور پندار کا بخوبی پتا چلتا ہے۔

فغفور کے ہند میں وارد ہونے کا یہ بیان اور تعین زمان میخانہ کے مولف کا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فغفور ایران سے اس وقت چلا جب جہانگیر ہندوستان کے تخت پر تھا اور اس کی طرف سے میرزا غازی قندھار کی حکومت پر مامور تھے۔

میرزا غازی پہلی مرتبہ ۱۰۱۵ھ میں قندھار گئے ہیں، جہاں سے ۱۲ شعبان ۱۰۱۶ھ کو واپس لوٹ کے دربار میں پہنچے[2]۔ اور دوسری مرتبہ مستقل صوبہ داری کے لئے ان کو ۱۴ رجب ۱۰۱۷ھ قندھار جانے کا فرمان ملا ہے۔

پہلی مرتبہ اسد اور غالباً مرشد ان کے ساتھ قندھار گئے ہیں، دوسری مرتبہ میرزا کے جانے کے بہت بعد، قریباً ۱۰۱۹ھ کے آخر یا ۱۰۲۰ھ کے شروع میں خسرو کے ظلم اور استبداد سے تنگ آکر مرشد اپنی جاگیر سے قندھار کے لئے نکلے ہیں۔

اگر مولف میخانہ کے قول کے مطابق فغفور کا سندھ میں نہیں بلکہ قندھار میں اس وقت پہنچنا فرض کرلیں کہ جب مرشد بھی وہاں تھے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ پہلی مرتبہ والے قیام کے دوران میں، قندھار پہنچے ہوں اور چند دنوں رہ کر حالات سے بیزار ہوئے اور وہاں سے نکل آئے۔ کیونکہ آگرے میں وہ ۱۰۱۷ھ کے غالباً آخری نصف میں پہنچ کر حکیم علی گیلانی کے مہمان ہوئے جن کا انتقال ۵ محرم ۱۰۱۸ھ[3] کو ہوا

---

[1] میخانہ ص ۴۵۷ — [2] تزک ص ۶۳

[3] تزک ص ۷۵، بلاخمن ص ۵۲۱

ہے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

یہ اندازہ اور قیاس صاحب میخانہ کے نوشتے پر اساس رکھ کر کیا گیا ہے، لیکن عبدالباقی نہاوندی نے جو کچھ ان کی آمد کے متعلق لکھا ہے وہ اس سے سراسر مختلف ہے۔ ان کا قول ہے کہ: حکیم فغفور ۱۰۱۲ھ یعنی دور اکبری میں اصفہان سے ہندوستان پہنچے اور آنے کے ساتھ خان خانان کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد خان خانان ہی کی تحریک پر شاہزادے پرویز کی خدمت میں مستقل طور پر پہنچ گئے۔ عبدالباقی نے یہ بھی لکھا ہے کہ: اب جب کہ سال ۱۰۲۴ھ ہے فغفور برہان پور خاندیس میں:

۔ علم دانشوری و سخنوری برافراشتہ کوس یکتائی

وبے مثلی میزند[1]

عبدالنبی فخرالزمانی کا کہنا ہے کہ وہ قندھار سے نکل کر لاہور آئے اور وہاں سے آگرے پہنچ کر اپنے ہم وطن حکیم علی گیلانی[2] کے گھر پر بطور مہمان کچھ دن ٹھہرے۔

---

[1] مآثر رحیمی: ۲: ۹۱۲۔ خیرالبیان کے مولف نے ۱۰۱۹ھ میں اپنا تذکرہ ختم کیا ہے، اضافے اس میں بعد کے بھی ہیں، لیکن بصورت کتاب اس کی تکمیل ۱۰۱۹ھ میں کر دی تھی، اس میں مولف نے لکھا ہے کہ:

۔ مدتی دراں (ہند) بلا دلشیوۂ غزل سرائی طوطیان شکرستان

ہند را نطق آموز بود، و ہموارہ در بزم فردوس نشان سلطان پرویز

جای داشت ۔ (ص۳۹۸)

آخری فقرے یا عبارت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولف نے یہ عبارت فغفور کے انتقال کے بعد اضافہ کی ہے۔

[2] علی گیلانی کے لئے دیکھئے مفصل احوال مآثرالامرا، ۱: ۵۶۸، بلاخمن ص۵۱۹ ان کا انتقال ۵ رتاریخ محرم ۱۰۱۸ھ میں ہوا (تزک ص۷۵)

ان کا خیال تھا کہ دربار جہانگیری میں وہ ان کے وسیلے سے پہنچیں، لیکن جب دیکھا کہ حکیم علی گیلانی اس معاملے میں تساہل برت رہے ہیں تو خود ہی برہان پور کی طرف چل دیئے اور وہاں پہنچ کر شاہزادہ پرویز[1] سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیا۔

شاہزادہ پرویز جب شاہی حکم کے تحت برہان پور سے بدل کر الہ آباد چلا آیا تو فغفور بھی اس کے ساتھ وہیں چلے گئے۔ یہیں پر حکیم فغفور لاہیجانی کے ایام حیات پورے ہوئے اور ۱۰۲۹ھ[2] میں انتقال کیا۔ آگرے جانے والی سڑک کے کنارے پر الہ آباد سے نصف میل دور ان کا مدفن ہے۔

محمد صالح بیگ تبریزی[3] تفنگ ساز نے، جو خود بھی شاہزادہ پرویز کے دربار سے وابستہ تھا، ہم وطنی کی بنا پر ـ کہ یہ بھی اپنے باپ کے ساتھ گیلان میں سلطان خان احمد گیلانی کی خدمت میں رہ چکے تھے۔ فغفور کی موت پر تاریخ کہی:

رفت فغفور سخن از ملک نظم — داغہا بر سینۂ احباب ہشت

تا دہد آب، از سحاب چشم ما — گوہر یک دانہ را در خاک کشت

چوں بہشتی بود، شد تاریخ او — ہمنوا با عندلیبان بہشت

۱۰۲۹ھ

---

[1] پرویز بن جہانگیر ۳۸ سال کی عمر میں کثرت بادہ نوشی سے صرع میں مبتلا ہو کر ۱۰۳۵ھ میں فوت ہوا (تزک، ۴۴۲) اسپرنگر نے لکھا ہے کہ ۱۰۲۵ھ میں اس نے خان خاناں کے ذریعہ سلطان پرویز کی ملازمت کر لی ص ۳۹۲

[2] روز روشن، سرو آزاد اور نشتر عشق میں سال وفات ۱۰۲۸ھ درج ہے اور نصر آبادی اور ریاض الشعرا نے ۱۰۳۰ھ لکھا ہے (روز ص ۳۷۲، سرو ص ۳۸، نصر ص ۲۴۳) تقی الدین اوحدی نے ۱۰۲۹ھ سال لکھا ہے (حاشیہ گلچیں بر منجانہ ص ۳۰۹)

[3] فرزند استاد غضنفر علی تبریزی، رک: مآثر رحیمی، ۳: ۱۶۸۵۔

اگر اس بیان کو مان لیا جائے تو اس صورت میں فغفور کے ورود ہند کا سال ہمیں ۱۰۱۲ - ۱۰۱۳ھ تسلیم کرنا پڑے گا، اور میرزا غازی سے ان کی ملاقات، بجائے قندھار کے ٹھٹھ میں ہوئی ہوگی، جہاں سے براہ لاہور - جو اس دور کا صاف اور عام راستہ بھی تھا - آگرے پہنچے - اول خان خاناں کی مصاحبت اختیار کی[1] کئی سال بعد شہزادے پرویز کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔

خیر البیان میں فغفور کے یہ شعر نمونتاً آئے ہیں:

نمونۂ ز دماغ منست، گلکدہ حسن　　　　ببانگ تیشۂ خواب و ببوی گل معمور

بلبل، صفیر خود نرساند، بگوش گل　　　　کی از صبا، تحمل سرگوشی آورد

میان عاشقان، رشک آیدم از حالت بلبل　　　　کہ شاخ گل، دہد جا بر سر خود، آشیانش را

پس از کشتن، ز عشق افسردگی نبود، شہیدان را　　　　کہ این آتش، ز آب خنجر جلاد ننشیند

زین قوم خودنما، کہ نہ بینند عیب خویش　　　　آئینہ، کاشش درگرو توتیا کنند!

کند جمال تو شرم، از رخ نقاب، ہنوز　　　　ترا حجاب، ندیداست بیحجاب ہنوز

خواہم نسیم جلوۂ، تا گل کند رسوائیم　　　　چون غنچہ دارم، تا بکی چاک گریبان در بغل

---

[1] مآثر رحیمی میں اس کے قصائد موجود ہیں، ۳: ۹۱۳ - ۹۲۶

روشنست این که، کر رونق خود (می) شکند — اگر آئینهٔ خورشید، بروی تو کشند

جفا، پروردهٔ بوم و بر تست — وفا، آوازهٔ از کشور تست
چو برخیزد زخواب، آشوب خیزد — که دست فتنه، در زیر سر تست

بر چرخ مهر نیست، که از دیدنت فلک — بر آسمان، فگنده زشادی، کلاه را

روز محشر چون بر آرم ناله، کاینک قاتلم! — شور برخیزد که: تهمت بر مسیحا بسته!

بی رخ او، یاد زلفش در دل دیوانه ماند — ای دریغا! گنج رفت و مار در ویرانه ماند
سوختم پاک و نماند از من اثر برجا، ولی! — آتش این رشک، در خاکستر پروانه ماند[1]

---

[1] خیر البیان ص ۳۹۸۔

شاہ قاسم خاں زماں
اور
خانوادۂ بیگلار کے دوسرے شعراء

سندھ کا یہ صاحب سیف و قلم خانوادہ سمرقندی الاصل تھا، بیگلار، قبیلے کا نام ہے اور نسب کے لحاظ سے سادات صحیح النسب تھے[1]

(۱) سید قاسم بیگلار:

خاندان کے پہلے فرد سید قاسم بیگلار شاہ حسن ارغون کے دور (۹۲۸ھ) میں سمرقند سے سندھ آئے، یہاں امارت حاصل کی اور ارکان حکومت میں ان کا شمار ہونے لگا۔ ان کی وفات ۹۵۷ھ میں ہوئی[2]

(۲) شاہ قاسم خان زماں:

ان کے بیٹے شاہ قاسم خان زمان تھے جو سندھ میں پیدا ہوئے اور والیٔ عمرکوٹ کی لڑکی سے شادی کر کے یہیں رس بس گئے۔ ترخانی دور میں میرزا

---

[1] سلسلہ نسب دیکھئے مقدمہ چنیسر نامہ (۲۸) و مقالات الشعرا (ص ۲۴۸)

[2] موضع تور کی میں میاں دھیہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ قبر پر یہ کتبہ ہے:

(۱) تاریخ مغفرت پناہی سلالہ آل

(جاری)

غازی کے عہد تک امرائے درجہ اول میں ان کی حیثیت ممتاز تھی - خان زمان[لہ] لقب تھا۔ فتح سندھ کے بعد میرزا جانی کے ساتھ اکبر کے دربار میں پہنچ کر مراتب پائے اور سندھ کے انتظام کے لئے واپس لوٹ آئے - ان کا تولد ۹۲۷ھ میں ہوا اور وفات ۱۰۱۹ھ میں پائی[لہ] جب کہ میرزا غازی قندھار کی صوبے داری پر فائز تھے۔

سرکار نصرپور ان کی جاگیر میں اور ہمیشہ ان کے اور ان کے خاندان کے تحت رہا - شاہ گڑھ کے نام سے بہت مضبوط قلعہ تعمیر کیا جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔

خان زمان صاحب سیف و قلم تھے یعنی شجاع، بہادر، ادیب، علم پرور اور شاعر - افسوس ہے کہ صاحب مقالات الشعرا نے ان کا فقط ایک شعر نمونتہً دیتے ہوئے

(جاری)

(۲) طٰہٰ و یٰسین امیر کبیر سید قاسم

(۳) بیگ ولد ابن میر مرحومی

(۴) ابوکہ بیگ در شہر ربیع الاول

(۵) سنہ نہصد و پنجاہ و چہار

(۶) از دار الفنا بدار البقا رحلت نمود

لہ ان کی قبر بھی تورکی میں ہے اور کتبہ یہ ہے:

(۱) بتاریخ چاردہم روز دوشنبہ وقت عصر رمضان سنہ

(۲) ہزار و نوزدہ امیر شاہ قاسم خان

(۳) ارغون بیگ لارکہ حاتم زمان و شجاع

(۴) دوران بود - از دار فانی بدار باقی رحلت نمود

(۵) در جوار رحمت الٰہی آسود - العبد محمود

لکھا ہے کہ: میرزا باقی ترخان نے ملا مقصود نامی ایک سیہ فام لڑکا ان کی ملازمت کے لئے بھیجا، سید نے دیکھتے ہی کہا:

مقصود عاشقی است، بہر مو نیکہ ہست   دلبر اگر سپید نباشد سیاہکی[1]

خان زمان میرزا جانی کے خاص امرا میں سے تھے، میرزا غازی کے ساتھ بھی بڑی وفاداری کے ساتھ زندگی کے ایام بسر کئے۔

ادراکی بیگلار نے جو کہ خود بھی شاعر اور اس خاندان کا مداح اور متعلق تھا۔ بیگلار نامہ خان زمان کے کارناموں کے بیان میں لکھا ہے اور یہ کتاب سندھ کے اہم ترین تاریخی ماخذ میں شمار ہوتی ہے۔

۳۔ امیر ابو قاسم سلطان:

خان زمان کے بیٹے اور بے مثل بہادر تھے۔ ان کے کارنامے اور شجاعت کی داستان میرزا غازی کے سوانح میں نظر سے گزر چکے ہیں۔ ادراکی بیگلار نے چنیسر نامہ کے نام سے اپنی مثنوی انہی کی تحریک سے لکھی اور ان کے نام پر معنون کی۔

بہادری اور جنگ جوئی کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ بیگر تخلص تھا۔ بیگلار نامہ میں ہے کہ:

— در فضیلت شعر شناسی و شعر گوئی و نکتہ دانی و سخنوری، فہم عالی دارد۔ و در دقائق نکات شعری موشگافی مینماید و بصحبت ارباب فضل بغایت حریص و مائل۔

بسیاری از اشعار دلپذیر بدستیاری طبع نقاد و خاطر وقاد در سلک نظم کشیدہ است، و در قصائد و

---

[1] مقالات ۵۲۸

غزلیات خیالات بلند و تشبیہات ارجمند ایراد نمودہ[۵۱]

تحفۃ الکرام میں ہے:

— در شعر گوئی و شعر فہمی بزمان و ہمجنسان عدیلی نداشتہ۔[۵۲]

یہی مصنف مقالات الشعرا میں لکھتا ہے:

— خوش منش، شیریں زباں، راست طبع، نکتہ داں ...
باوجود کمال بہادری و مردانگی۔ کہ ضرب المثل است۔ در فنون کمال یگانہ بودہ و در دقائق شعر فہمی و شعر گوئی عدیلی نداشت۔[۵۳]

یہ شعر نمونتہً درج کیے ہیں:

ہم نشین ہم زبان، چہ خوش باشد — نازنین نکتہ دان، چہ خوش باشد
گل رخم، غنچہ سان بخندہ، خوش — گر کشاید دہان، چہ خوش باشد
بیگلر! اندرین زمانۂ سخت — دلبری نکتہ دان، چہ خوش باشد
تا خدنگ تو، تیز تر گردد — سینۂ عاشقان، چہ خوش باشد

از برای دو لعل میگونش — قطرۂ مادرو، دُرّ گشتہ
این نہ سیّارہ برفلک پیداست — از تف آہِ من، شرر گشتہ
ای لب لعل یار سیمین تن — اشک ما سرخ، چہرہ زر گشتہ
بیگلر بہر شعلہ رخسارش — ہمچو پروانہ گرد سر گشتہ

---

۵۱ بیگلار نامہ خطی ۱۴۱ ۲
۵۲ تحفۃ الکرام صہ ۳۰۳ طبع راقم الحروف
۵۳ مقالات الشعرا صہ ۱۱۶

خواجہ سلمان ساوجی کے تتبع میں دو رباعیاں لکھی ہیں:

ای آہوی چین! نافہ برآوردۂ تست — وای مشک ختن غالیہ پروردۂ تست
ای خاک! زمین سبز آوردۂ تست — ای باد صبا! این ہمہ آوردۂ تست

ای ابر فلک! قطرۂ آوردۂ تست — در بطن صدف، گوہر پروردۂ تست
در دامن گل، بوی برآوردہ تست — ای باد صبا! این ہمہ آوردہ تست[۱]

صاحب ذخیرۃ الخوانین نے - شعر متین می گفت - لکھ کر ان کے اس قصیدے کے یہ چند شعر نمونتہً دیئے ہیں، جو انھوں نے گرفتار ہونے کے بعد خسرو کے نام کہا تھا:

نیک بختا! باکسی از بہر دنیا، بد مباش — چوں زمہر بیوفا، ہرگز وفا را کس ندید
دل منہ برطرف دنیا، ہرگز اے پیر کہن — کین زنی مکارہ، دارد میل برمرد جدید
از بنفشہ یاسمن گشتہ بنوبت، کن نگاہ! — ظلمت شب، آخر آمد! صبح صادق بردمید
قامتی گویم چو سروی داشتی، اے نوجواں! — این زمان از ضعف پیری، جانب پستی خمید

میرزا غازی کے ساتھ باپ نے درمیان میں پڑ کر صلح کرائی تھی - جب میرزا غازی نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے ان کو بے نور کر کے قید میں ڈلوا دیا، اس وقت باپ سے مخاطب ہو کر ایک قصیدہ کہا جس کے چند شعر ذخیرۃ الخوانین میں درج ہیں:

آخر الامر، چوں پدر بودی — دادم از دست برکف تو، عنان
نظری کن! زروی کردۂ خویش — حذری کن، زسوگند قرآن
دُرّ یکدانہ را، ددی بحجر — کہ بدہ، زینت عروس جہان
کس ندادہ، زروی صرافی — گوہری را، بدست شیشہ گران

---

[۱] مقالات ص ۱۲۶ - ۱۱۸

یا الٰہی! بحق آل رسول   باد پاینده شاه قاسم خان

صاحب ذخیرہ اور صاحب تاریخ طاہری نے ان کی بہت تعریف کی ہے - طاہری میں میرزا غازی کے ساتھ ان کی جنگ کے حالات مفصل دیئے گئے ہیں - ان کی ولادت ۹۶۹ھ میں ہوئی اور وفات ۱۰۳۶ھ میں پائی۔[1]

۴: سلطان مقیم:

خان زمان کے دوسرے بیٹے تھے اور یہ بھی خاندانی روایات کے مطابق صاحب ہنر و علم اور صاحب شمشیر و قلم تھے - ادراکی نے لکھا ہے کہ:

— تازہ نہال بوستاں دولت و سروری، آن نوبادهٔ گلستان عزت و خردمندی - عاقل و فرزانه، و در مردی و مردمی یکتا و یگانه - خلاصهٔ خاندان حشمت و نقادهٔ دودمان شوکت -

آثار سعادت و نیک از منظر نور اثر او ظاهر و ہویدا و انوار مکرمت و بزرگی از جبهت منوره باهر و پیدا - شیر زبانی، فصیح بیانی، خوش طبعی، ملایم وضعی و مواضعی،

---

[1] آبائی قبرستان میں دفن ہوئے، قبر موجود ہے جس پر یہ کتبہ ہے:

(۱) تاریخ وفات میر

(۲) ابوالقاسم ولد شاہ

(۳) قاسم خاں بیگ لار ۱۰۳۶ھ

ان کے مفصل حالات چینسر نامہ کے مقدمے میں راقم نے دیئے ہیں ۴۲ - ۶۱ تاریخ طاہری میں ان کا حال ص ۲۲۵ سے ص ۲۵۰ تک موجود ہے۔

بردباری، باوقاری، گراں باری دوست واز فضل و فضلا گرامی دہ علم و نیکنامی، ذر بر روی ارباب حاجات کشادہ۔ وداد مہربانی درداده۔ ہمیشہ و ہمہ وقت با فضلا بنشستہ واز نا اہلان و سبک و ضعان اجتناب جستہ ہمگی خاطر و جملگی باطن وظاہر بر اکتساب فضائل و کمالات مصروف داشتہ، و تخم محبت آں در مزرعہ بال کاشتہ[1]

بیگلار نامہ ادراکی نے اس علم دوست امیر کی فرمائش پر ان کے والد خان زمان کے حالات اور کارناموں پر لکھا ہے:

ان کی ولادت ربیع الاول ۹۸۵ھ میں ہوئی اور ۱۰۳۳ھ تک زندہ تھے۔ ان کے اپنے شعر کا نمونہ دستیاب نہیں ہو سکا لیکن ان کی علم دوستی اور ہنر پروری کے نتیجے میں بیگلار نامہ جیسی تاریخی کتاب ان کی وجہ سے وجود میں آئی اور ہمیشہ کے لئے ان کے نام کو زندہ کر گئی۔

۵- ادراکی بیگلار:

اس خاندان کا پروردہ تھا اور اسی خاندان کی وجہ سے چنیسر نامہ (۱۰۱۱ھ) اور بیگلار نامہ (۱۰۱۷ھ) جیسی دو قابل قدر علمی یادگاریں چھوڑ گیا۔ اگرچہ میرزا غازی کے دور سے تعلق رکھتا ہے لیکن براہ راست ان سے متعلق نہیں تھا، اس لئے ہم اس کا جدا ذکر نہیں کرتے، ویسے بھی اس کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

---

[1] بیگلار نامہ خطی ۲۴۳

کامی شیرازی

غیر معروف شاعر ہے، فقط استوری نے اس کی مثنوی 'وقایع الزماں' یعنی، فتح نامہ نورجہاں بیگم، کے سلسلے میں ذکر کیا ہے، جسے اس نے ۱۰۳۵ھ میں کابل میں تصنیف، اور بادشاہ کے نام سے معنون کیا[1]۔ اسی طرح ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے اپنی کتاب 'حماسہ سرائی در ایران' میں اس مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے کامی شیرازی کا تذکرہ کیا ہے[2]

مذکورہ مثنوی[3] کے علاوہ کامی کا ایک دیوان دستیاب ہوا ہے (ملک چودھری سبط احمد صاحب اکبر پور، فیض آباد، یوپی) جس پر جناب ڈاکٹر امیر حسن عابدی نے 'مجلہ علوم اسلامیہ' کے پہلے شمارے میں مضمون لکھتے ہوئے داخلی شہادتوں سے کامی کے حالات کی کچھ کڑیاں

---

۱ استوری، ۱: ص ۵۶۳

۲ حماسہ سرائی در ایران ص ۳۷۳

۳ اس مثنوی کے دو نسخے قومی کتب خانہ پیرس میں ہیں، دیکھیے بلوچہ ۳: نمبر ۱۸۷۴-۱۸۷۵

ملانے کی کوشش کی ہے۔ ہماری معلومات اسی مقالے پر منحصر ہے۔

کاہی شیرازی شاہ عباس کبیر (۹۹۵-۱۰۳۷ھ) کے دور کا شاعر ہے اور بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے، معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ایک دفعہ آنے کے بعد دوسری مرتبہ بھی آیا۔

پہلی مرتبہ ایران سے نکل کر عادل شاہ کے دربار میں بیجاپور پہنچا پھر احمدنگر کے نظام شاہی دربار سے وابستہ رہا۔ اس کے کلام میں ۹۸۸ھ ۹۹۷ھ۔ ۱۰۰۳ھ کے سال ملتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۹۸۸ھ سے پہلے بیجاپور اور احمدنگر پہنچا ہے۔ اور بعد میں اکبری دربار میں بھی غالباً بار پایا، کیونکہ اکبر کی مدح میں قصیدے موجود ہیں اور بعض اشعار میں شہزادہ سلیم اور خسرو کا بھی ذکر ہے۔

کاہی ۱۰۱۴ھ میں بیجاپور میں تھے، نورس پور محل، کے بننے کی تاریخ اس سال نکالی، گول کنڈہ میں، الٰہی محل، بننے کی تاریخ ۱۰۱۸ھ میں نکالی ہے۔ ۱۰۲۰ھ میں اس کے مربی شاہ نواز خاں کا انتقال ہوا تو اس نے تاریخ کہی۔ فتحنامہ نورجہاں، کے بعض اشعار سے ڈاکٹر امیر حسن عابدی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ: جہانگیر کے دربار میں کاہی براہ راست ایران سے آیا، گویا وہ ۹۸۸ھ سے پہلے ایران سے آیا تھا" ۱۰۰۳ھ کے بعد اکبری دور تک ہندوستان میں رہا، اور جہانگیر کے زمانے میں ۱۰۲۰ھ تک وہ یہیں تھا

علاوہ شاہ ایران کے کاہی نے دو اور ایرانی امرا کی تعریف کی ہے ایک اللہ وردی خان جو ۱۰۰۶ھ سے ۱۰۲۲ھ تک فارس اور اس کے اطراف کا حاکم تھا، اور دوسرا اس کا بیٹا امام قلی خاں جو ۱۰۲۲ھ سے لے کر ۱۰۳۷ھ

تک باپ کے عہدے پر فائز رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے مربی شاہنواز خاں کی وفات ۱۰۲۰ھ کے فوراً بعد کاہی واپس وطن چلا گیا جہاں ۱۰۲۱ھ میں اس نے اللہ وردی خاں کے لیے قصیدے کہے اور ۱۰۲۳ھ میں اس کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے بیٹے امام قلی خاں کو سراہنا شروع کیا۔

کاہی کے اشعار میں ہندوستان کے کئی شہروں کے نام آئے ہیں جنھیں غالباً اس نے اکبری اور جہانگیری دور میں دیکھا، لاہور، کابل اور کشمیر وغیرہ کا ذکر صراحتہً ملتا ہے۔

کاہی کی ملاقات میرزا غازی ترخان سے بھی ہوئی تھی۔ مرزا ۱۰۰۹ھ میں باپ کے فوت ہونے پر مسند نشین ہوئے اور ۱۰۰۹ھ سے ۱۰۱۲ھ تک سندھ میں تھے۔ اس کے بعد ۱۰۱۵ھ تک اکبر اور جہانگیر کے دربار میں موجود تھے۔ ۱۰۱۵ھ تا ۱۰۱۶ھ قندھار، اور دوسری مرتبہ ۱۰۱۷ھ سے تا وقت وفات ۱۰۲۱ھ قندھار میں رہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ کاہی کی مرزا غازی سے کہاں اور کب ملاقات ہوئی۔ ہمارا خیال ہے کہ کاہی ہندوستان پہنچنے کے بعد متعدد بار ایران گیا اور پھر واپس آتا رہا، اور اس آمد و رفت کے دوران میں وہ ۱۰۰۹ھ تا ۱۰۱۲ھ میں کسی سال ایران سے آتے ہوئے ٹھٹھہ پہنچا جہاں اس نے میرزا غازی کی علم دوستی اور ہنر پروری سے استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر امیر حسن عابدی نے ایک رباعی دیوان سے نقل کی ہے جس میں مرزا غازی سے استفادے کا ذکر ہے:

کاہی گر زفارس رو بہ صفاہان کرد — پی بہر تماشای رخ جانان کرد
میخواست فلک، ترقیش فرماید — رویش ہمہ جا بسوی غازی خان کرد

کاہی کے مذکورہ بالا دیوان میں اصناف سخن اس طرح موجود ہیں:

غزلیات، تعداد ابیات ۳۲۴۵ - قطعات، تعداد ابیات ۲۰۴ - رباعیات ۲۰۴ - قصائد ۳۱ (تعداد ابیات ۱۱۲۱) ترکیب بند ۳۵ (تعداد ابیات ۱۹۹) ترجیع بند ایک (تعداد ابیات ۱۰۰) - اس حساب سے مجموعی طور پر اس نسخے میں اشعار کی تعداد چھ ہزار سے زائد ہوتی ہے نہیں کہا جا سکتا کہ مرزا غازی کے متعلق دیوان میں یہی ایک رباعی ہے یا اور بھی کچھ اشعار موجود ہیں لیکن ظاہر ہے کہ مرزا غازی کے پاس کاتی نے ٹھٹھ میں یا قندھار میں چند دن ضرور گزارے ہوں گے اور یقیناً ایک رباعی سے زائد اشعار کہے ہوں گے۔[1]

---

[1] دیکھیے مقالہ ڈاکٹر عابدی مجلہ علوم اسلامیہ علی گڑھ شمارہ اول ۵۶ء - ص ۲۳ -

محوی اردبیلی، مولانا

عبدالعلی نام[1]، محوی تخلص اور اردبیل وطن تھا، پیدا وہیں ہوئے، نشو و نما شیراز میں پائی، صفاہان میں بھی کچھ عرصے تک رہے، شیراز میں ان کی شاعری نے خوب جلا پائی، بلکہ سعدی اور حافظ کے ہی اس شہر میں شعر و سخن کی نعمت سے ہم کنار اور سرفراز ہوئے[2]۔

---

[1] میخانہ، حاشیہ بحوالہ تقی اوحدی ص۸۷ و ریاض الشعرا۔ مخزن الغرائب۔ آتشکدہ۔ نشتر عشق کے مؤلف نے محوی اردبیلی کے تحت ان کا نام عبدالغنی لکھا ہے: عبدالغنی نام، تحصیل علوم و کسب فضائل در اصفہان نمودہ، روی توجہ بہندوستان آوردہ بدکن رسید و بہمان نزدیکی در سنہ ہزار و بیست و نیم باطراف برہان پور فوت شد (حواشی میخانہ محمد شفیع ص۹۶) بیان کردہ حالات میں بہت سی غلطیاں درج کی گئی ہیں، نام غلط اور اصفہان میں کسب فضائل کا مسئلہ بھی غلط، سال وفات بھی نادرست۔

[2] میخانہ (گلچیں) ص۸۶۷۔

عام تذکرہ نویسوں نے اور خود ان کے معاصر مصنف عبدالنبی صاحبِ میخانہ نے لکھا ہے کہ: ایران سے جب نکلے تو ہرمز سے ٹھٹہ پہنچ کر رستم مرزا صفوی سے منسلک ہو گئے۔ لیکن یہ حقیقت نہیں ہے، میرزا رستم سے پہلے۔ جیسا کہ اس کے دوسرے معاصر تذکرہ نویس تقی اوحدی نے عرفات میں لکھا ہے: وہ میرزا غازی کے دامن دولت سے وابستہ تھے[1]

محوی اردبیلی اور مرشد بروجردی کا آپس میں بقول صاحب میخانہ ۔ کمال یاری و برادری۔ کا رشتہ تھا، اس لیے قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ مرشد کے چلے آنے کے بعد جلد ہی محوی بھی شیراز سے میرزا غازی کے پاس قندھار پہنچ گئے ہوں گے، اور یہ دونوں دوست میرزا غازی کی وفات تک برابر ان کے ساتھ رہے، جب وہ ادب پرور اور شعر و سخن کا والہ و شیدا امیر دنیا سے اٹھ گیا تو ان دونوں دوستوں نے ایک ساتھ ہی سندھ کے لیے رختِ سفر باندھا[2]

جہانگیر نے میرزا غازی کے مرتے ہی ترخان سلسلے کو سندھ سے ختم کر دیا جو کچھ باقی ماندہ لوگ تھے سب کو سندھ سے نکال کر اپنے پاس اجمیر بلا لیا، میرزا رستم مغلوں کا پہلا راست صوبے دار تھا جو ۱۰ محرم ۱۰۲۳ھ کو ٹھٹہ پہنچا[3]۔ ظاہر ہے کہ اس وقت تک محوی ٹھٹہ پہنچ گئے تھے اور ممکن ہے کہ جیسے ہی مرزا رستم پہنچا، یہ اس سے منسلک ہو گئے۔ مرزا رستم اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے چند ہی ماہ ٹھٹہ میں گزار سکا، لوگوں پر ظلم و ستم

---

[1] میخانہ، حاشیہ بحوالہ تقی اوحدی ص۸۷، مولانا شفیع مرحوم نے لکھا ہے کہ سندیلوی کا قول ہے کہ محوی پہلے مرزا غازی کی ملازمت میں تھے بعد میں رستم سے منسلک ہوئے، میخانہ (شفیع ص۵۵۶)

[2] آتش کدہ نے ان کی آمد کا سال اوائل ۱۰۲۰ھ لکھا ہے جو غلط ہے۔ (چاپ سید سادات ناصری ص۱۰۲ و چاپ بمبئی ص۲۶) [3] مکلی نامہ ص۶۲۵۔

اتنے ڈھائے کہ جہانگیر کو فوراً ہی اسے معزول کرنا پڑا، چنانچہ میرزا رستم ربیع الاول (۲۶ اردی بہشت) ۱۰۲۳ھ[1] کو اجمیر میں بادشاہ کے پاس پہنچ گیا ۔ ظاہر ہے جیسا کہ صاحب میخانہ نے بھی لکھا ہے، محوی بھی اپنے مخدوم کے ساتھ یہاں سے روانہ ہوئے اور اجمیر پہنچے[2] جہاں تذکرہ کے مؤلف عبدالنبی فخرالزمانی سے ان کی ملاقات ہوئی، لکھا ہے کہ :

ـــ جوانی ملاحظہ نمود در کمال خوش خلقی و شگفتگی و سال
عمرش بہ بیست و ہفت رسیدہ ، دران ایام این بیت زا
گفتہ بود و فیلی ازین بیت حظ داشت :

رہے در پیش دارم ، کاخر عمرست انجامش
بہر جا مر گم آسایش دہد، منزل کنم آنجا[3]

عبدالنبی نے لکھا ہے کہ یہ شعر پڑھ کر محوی کہتے تھے کہ یہ بیت مجھے اس سال ضرور لے کے رہے گی ، چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی :

---

[1] مکلی نامہ ص۶۲۵

[2] میخانہ ص۸۶۸ صاحب میخانہ کی تاریخیں اکثر غلط ہیں مثلاً لکھا ہے کہ محوی ۱۰۲۴ھ میں اپنے مخدوم کے ساتھ اجمیر پہنچا، حالانکہ تزک جہانگیری کے مطابق ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۲۱ھ کو مرزا رستم کے تقرر کا فرمان نکلا (ص۱۱۲) ۱۰ محرم ۱۰۲۲ھ کو ٹھٹہ پہنچا اور پھر معزول ہو کر ۲۶ اردی بہشت (ربیع الاول) ۱۰۲۳ھ کو اجمیر پہنچا (ص۱۳۰) مکلی نامہ ۲۷۱ - ۲۷۳ - ۶۲۵ -

[3] میخانہ ص۸۶۹ عرفات نے اس غزل کا یہ شعر بھی دیا ہے :

کنند چوں دور نافر جام، منع عیش دل تنگی
بہم مانند چشم غنچہ ، میاید لب جامش

تین والی بیت آتش کدہ اور شمع انجمن میں آئی ہے اور دانش مندان آذر بایجان کے مؤلف نے بھی نقل کی ہے ۔

— ہم دراں روز ہا از اجمیر بہ برہان پور رفت و قضائے الٰہ بعد از اندک ایامی در شہر مذکور داعی حق را لبیک اجابت گفت سبحان اللہ نتیجہ آں بیت بدو عاید شد[1] —

تقی اوحدی نے لکھا ہے :

— حالت التحریر کہ عبارتست از ۱۰۲۵ھ در اجمیر مسموع شد کہ قریب بہ برہان پور بمرض اسہال درگزشت[2]

میرزا رستم شاہی عتاب کی وجہ سے نظر بند ہو کر راجا انوپ سنگھ (سنگ دنی) دکن کے حوالے ہوا[3] ظاہر ہے کہ اپنے ولی نعمت کی آزادی کھو بیٹھنے کے بعد محوی وہاں سے برہان پور چلے گئے ۔

ہمارے خیال میں محوی نے برہان پور کا خان خاناں کی وجہ سے رخ کیا ہوگا، لیکن اجل نے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی ستائیس برس ہی کی عمر میں دنیا سے انھیں اٹھا لیا ۔

مرشد بروجردی نے ان کی وفات پر جو قطعہ لکھا ہے اس سے ان کی وفات کا سنہ ۱۰۲۴ھ نکلتا ہے، جو صحیح ہے ۔ ۱۰۲۳ھ کے ربیع الاول میں اجمیر پہنچے، وہاں سے نکل کر ۱۰۲۴ھ میں برہان پور کے قریب اثنائے راہ میں فوت ہوئے، ۱۰۲۵ھ میں ان کے انتقال کی خبر تقی اوحدی کو وہیں اجمیر میں ملی، قطعہ یہ ہے :

برادر محوی آن دیرینہ ہمدم	ز پیشم رفت و چون باد صبا رفت
ہمین دانم کہ رفت از پیش چشم	نمیدانم کجا رفت و چرا رفت

---

[1] میخانہ (گلچیں) ص ۴۶۹ ۔ [2] میخانہ (گلچیں) حاشیہ ص ۸۰

[3] مقالات الشعرا ص ۴۸۸ ۔

اگر دل رفت، آن خود بہرہ اوست | نمیدانم کہ، صبر از دل کجا رفت
علاج درد خود، خود کرد، وبروی | نرفت از درد، آنہا کز دوا رفت
چو گلشن دید، کز تاثیر دوران | بحسرت بلبل دستان سرا رفت
چنان از رنگ وبوی، افشاند دامن | کہ تا بوی از گل و رنگ از حنا رفت

زمن پرسید دل تاریخ فوتش
بدو گفتم: عجب یاری زما رفت[1]

۱۰۲۴ھ

نہیں معلوم کہ دیوان مرتب ہوا یا نہیں اب تک کہیں دستیاب نہیں ہوا ہے تذکروں میں ان کے مختلف اشعار آئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

ساقی! بہر آسودہ دلی جام جمی بخش | مارا کہ بصد شعلہ کبابیم، نمی بخش
وارستگی از سلسلۂ زلف، روانست | دل، از شکنی، گر بستانی، بخمی بخش
گر پیر و ارباب دلی بخل ادب چیست | ہر نقش جبینی بنشان قدمی بخش
سر شک افگندہ در دامان مژگانم ز دل گرمی | کہ گر بر دیدہ سایم آتشی چون شمع در گیرد[2]
اگر نہی مژہ بر ہم، اجل بخواب شود | چو چشم باز کنی، فتنہ کامیاب شود
در آتشم ز تماشای او، چہ بخت است این | کہ سیر خلد برین مایۂ عذاب شود
شوم فدای رخی، کز نظر نہان نشود | اگر سیاہی بخت منش، نقاب شود
نپرسم از تو نشان دل غمین، کہ مباد | لب چو برگ گلت، رنجۂ جواب شود
بیاد خط تو ہر جا کہ، گریہ آغازم | چو نافہ چشم ترم پر ز مشک ناب شود

---

[1] میخانہ (گلچین) صفحہ ۸۷ والہ داغستانی نے وفات کا سال ۱۰۲۵ھ دیا ہے جو غلط ہے (ریو ۳۹)

[2] میخانہ ص ۸۶۹ - صفحہ ۸۷۔

خواهم زبتان شعله بداغی بلحد برد — این خود دل من نیست که بانی نگذارند[1]

دامن طلبست آتشم، امید که احباب — کارم بمددگاری دشمن نگذارند

بزخمی، هم شهادت یافتم، هم خونبها بردم — نه تنها تیغ نازش منت خون بر سرم دارد

چنان حیران عکس خویشتن شد، کز فراموشی — نقاب روی خود بر چهرهٔ آئینه میپوشد

زبی عشقی، چنان نامحرم ارباب دل گشتم — که گل از من جراحت، لاله داغ سینه میپوشد

سحرزان پیش کز گلزار بلبل بهره برگیرد — نگاهم چون نسیم از هر گلی صدره خبر گیرد

درخم زلف تو دلها بهم افتند زرشک — بمیان گر شکنی یا گرهی پا ننهد

چشم تر گو مکشا دامن مژگان بامید — کان گهرتن بهم آغوشی دریا ننهد

کاهی شدم از ضعف که آسان شوم کار — داغم که اجل را اثر کاه ربا نیست

چو میرفت از پریشانی سخن در حلقهٔ مردان — زخود گفتن خطا بود از سر زلف تو سر گردم

صفیری سر نزد در هیچ حال از من، مگر وقتی — که در دام آمدم، صیاد غافل را خبر کردم[2]

غم در دل، چو سودا در سر اهل جنون پیچد — دلم در دیده چون خس در دل گرداب خون پیچد

جدا از موی آن برگشته روز داژگون بختم — که مکتوب مرا هر کس گشاید، واژگون پیچد

هرگه که صباره بحریمش ببرد — سامان بهشتی ز شمیمش ببرد

از عکس رخش آئنه گلبرگی شد — ترسم زکنار او نسیمش ببرد[3]

بوی گلی نمیرسد آه مگر ز بخت من — خواب گرفت در چمن، قافلهٔ نسیم را[4]

---

[1] یہ بیت آتشکدہ اور شمع انجمن میں ہے۔

[2] 〃 〃 〃

[3] عرفات (میخانہ گلچیں) ص۸۷ - ص۸۱۔

[4] یہ بیت شمع انجمن میں ہے ص۳۲۴

تذکرۂ خیر البیان بھی معاصرانہ تذکرہ ہے، مؤلف نے لکھا ہے کہ:

ــــ در شہور سنہ عشرین و الف بجانب ہندوستان توجہ نمودہ، دیگر خبری ازو ــــ کہ قابل تحریر باشد ــــ نرسیدہ چون این چند بیت ازو برگوش خوردہ بود، دست از تحریر آن باز نداشتہ بترقیم این دو سہ بیت جرات نمود[1]

اشعار یہ ہیں:

ای کہ چون بلبل شدی عمری ثنا خوان گلی — کو بکش رشکم، بیا بنما یمت روی گلی

جز من کہ مرا روی تو دیدن نگذارند — بلبل نشنیدم کہ، بگلشن نگذارند

خواہم ز میان شعلہ داغی بکفن برد — آنہم دل من نیست کہ با من نگذارند

دامن طلبست آتش من، وای کہ احباب — کارم بمددگاری دشمن نگذارند[2]

---

[1] خیر البیان ورق الف ۳۷۶

[2] خیر البیان ب ۳۷۶ ـ

مرشد بروجردی

ملا مرشدؔ بروجرد کے باشندے تھے، جیسا کہ صاحب میخانہ نے لکھا ہے:

— بتحقیق پیوستہ کہ مولد آں ..... از بروجرد ہمدان است۔[1]

اپنے مولد اور مسکن کی تعریف میں مندرجہ ذیل قطعہ کہا ہے، جس سے بروجرد کے متعلق ان کا والہانہ پن ظاہر ہوتا ہے:-

خوشا، فصل بہاران بروجرد — خوشا، احوال باران بروجرد
کشد طور، از تجلی پردہ بررخ — زشرم کوہساران بروجرد
تو گوئی، آب روی آفتابست — ذہاب چشمہ ساران بروجرد
تو پنداری، بدخشان از زمین است — زفیض لالہ کاران بروجرد
دہد آئینۂ خورشید را، نور — غبار رہ گزاران بروجرد
گل خورشید ہر دم، غنچہ گردد — زشرم گلعذاران بروجرد
زخویش آزاد کردی گر، درافتی — بدام دل شکاران بروجرد

---

[1] میخانہ (گلچیں) ص ۵۹۷۔

جهان را حقه، چون من دری کرد — سحاب فیض باران بروجرد
همین لیلیٰ و مجنون آورد بار — سراسر میوه داران بروجرد
صراحی مست شد، پیمانه مدهوش — به بزم میگساران بروجرد
نسیم صبح راهم، مست سازد — صبوح باده خواران بروجرد
برقص آمد فغان، در سینهٔ چنگ — زفریاد هزاران بروجرد
بود مفتاح دارو خانهٔ وصل — دعای دل فگاران بروجرد
چو سیماب، از هجوم اضطراب است — قرار بیقراران بروجرد
ضعیفانند و آه گرم، ای چرخ! — حذر! از تیر باران بروجرد
محیط آبشخوری عمان سرابیست — بچشم اشک باران بروجرد
عبادت خانهٔ روحانیانست — دل شب زنده داران بروجرد
زغیرت نافه را، در خون نشاند — دهان روزه داران بروجرد
کشد هردم، نقاب از روی رحمت — حجاب شرمساران بروجرد
صراحی را، گره شد خنده، برلب — زبیم توبه کاران بروجرد
فلاطون، گردد از جام خرد مست — به بزم هوشیاران بروجرد
کسی بر لوح دل، ننگاشت معنی — بجز صورت نگاران بروجرد
درست ماه را درهم شکستند — زهی صاحب عیاران بروجرد
زهر خشتی، کند صد کعبه آباد — مزارِ خاکساران بروجرد
وبال خضر گردد، عمر جاوید — بعهد جان نثاران بروجرد
مسیحا میخرد مرگی، بصد جان — زرشک جان سپاران بروجرد
زبان از کام فتح، آورده بیرون — سنان نیزه داران بروجرد
بود صحرای همت تنگ میدان — بر اهامون گزاران بروجرد

بغیر از خوشۂ پروین، مروید　　زکشت دانہ کاران بروجرد

ید بیضا بود از عکس دینار　　کف درہم شماران بروجرد

کند گوہی زمین دریوزۂ علم　　زطبع بی وقاران بروجرد

دو عالم را ببازی، گرد رائی　　بکوی خوش قماران بروجرد

بر عیسی گشت روشن چشم خورشید　　زگرد خر سواران بروجرد

جمال روز نومیدی مبیناد　　شب امیدواران بروجرد

مراد زدید، از کار دو عالم　　خیال ہرزہ کاران بروجرد

غمی دارم کہ، باخود ہم نگویم　　دریغا غمگساران بروجرد

عجب دارم کہ، دشمن ہم ننالد　　زہجر دوستداران بروجرد

پس از عمری نمیآید بمر شد

سلامی ہم زیاران بروجرد[۱]

بچپن وہیں بروجرد[۲] میں بسر ہوا، تعلیم وہیں پائی نیز ہمدان میں بھی اپنی ابھرتی جوانی کے کچھ دن گزارے، جیسا کہ صاحبِ میخانہ کا قول ہے:

— در صغر سن پارۂ در بروجرد و برخی در ہمدان گزرانیدہ —[۳]

ان کے دوسرے معاصر تذکرہ نویس صاحب خیر البیان کا بھی یہی کہنا ہے کہ:

— بیانش روشنی از شجر وادی عراق گرفتہ واز اکابر

---

[۱] دیوان خطی ۳۰ ب تا ۳۲ الف

[۲] بروجرد پورے لُرستان کا مرکزی شہر ہے۔ آب و ہوا گرمی میں معتدل اور سردی میں سرد ہے سلطان برکیارق سلجوق یہیں فوت ہوا۔ شہر میں تاریخی عمارتوں میں سے مسجد جمعہ اور مسجد شاہ قابل ذکر ہے۔　[۳] میخانہ (گلچیں) ص۵۹۸۔

واشراف آن عرصۂ دلکشا تربیت یافتہ وازاہل استعداد

آن مرزبوم استفادہ ادراک نمودہ ۔[1]

ہمدان والوں کے متعلق ان کی اس رباعی سے ناخوشی کی بو آتی ہے:

لطفی کہ، تغافلت مرا سوخت چنان　　کاتشکدہ گشت از نفسم، ہردو جہان

رحمی کہ، شدم بردل اہل ہمدان　　از بار غمت، چو کوہ الوند گران[2]

صاحب میخانہ کا قول ہے کہ ان کے اکثر اشعار عاشقانہ ہیں اور خود بھی اپنے اوقات عشق و عاشقی میں بسر کیے:

—اکثر ابیات او عاشقانہ واقع شدہ، خود ہم اوقات

خوش ہمیشہ بعشق و عاشقی گذراندہ ۔[3]

بروجرد اور ہمدان میں ایک عرصہ گزارنے کے بعد طبیعت کی اسی افتاد نے ان کو سیر و سفر کے لیے ایران اور عراق کے مختلف اطراف میں نکالا۔ گھومتے پھرتے آخر حافظ اور سعدی کے شہر شیراز میں پہنچے، جہاں بقول ملا عبدالنبی عشق نے ان کو بے طرح آن دبوچا:

— درآن بلدۂ طیبہ شیفتہ روی جوانی و فریفتہ موی

دلستانی گردید، بنیم عشوۂ شیرین، سراپا صید آن دلبر

دلربا شدہ، وبہ یک کرشمۂ نمکین آن مہر جبین شورشی درو پدید آمد۔[4]

---

[1] خیر البیان ص ۳۶۱ - الف یہ خطہ اس دور میں عراق کہا جاتا تھا۔

[2] دیوان ۱۳۸ - الف　　[3] میخانہ (گلچیں) ص ۵۹۷

[4] میخانہ (گلچیں) ص ۵۹۸ دیوان کے آخر میں ہجویات کے حصے میں لڑکوں کے متعلق کثرت سے اشعار موجود ہیں جن کا اعادہ تہذیب کے منافی ہے۔

اس روئے جوانی اور موئے دلستانی کے عشوۂ شیریں کے کرشمۂ نمکین ہی کی شورش نے ان کی زبان سے کئی ایک شعر شیراز کی تعریف میں کہلوائے ہیں:

زاہد و، گشت روضۂ جنت — مرشد و، سیر گلشن شیراز[1]

غم گرانی برد، تا مستان در مرشد زنند — این سبک روحان مگر، از خاک شیراز آمدند[2]

اگر این ست، عشق خانہ پرداز — خوشا احوال بیدردان شیراز[3]

گویند کہ: بخت چو بہ شیراز رساند — ابر آنچہ ذخیرہ داشت درباب فشاند
این خود سخنیست، غیرت دست نوالش — افشردہ چنان کس، بجگر آب نماند[4]

مرشد نے جب شیراز بلکہ ایران ہی کو ترک کیا، سندھ اور ہندوستان آئے اور یہیں رہے پھر بھی شیراز کی پھانس ان کے دل سے نہیں نکلی یہاں رہتے ہوئے بھی کئی ایک شعر اس شہر کی یاد میں کہہ گئے، مثلاً:

مرشد کہ، ز شیراز نمی کرد سفر — در ہندستان فتادہ زان سان کہ دگر
دستش نرسد بدامنت، گر شیراز — بیرون آرد ز جیب ہندستان، سر[5]

ببادم دہ، مگر روزی غبارم — کند آہنگ، شیراز و صفاہان[6]

ز تاب فرقت شیراز، و گلعذارانش — درین دیار، چنانم کہ پنبہ در آتش[7]

کجاست خاک، رہ دلبران شیرازی — کہ دیدہ، کور شد از سرمۂ صفاہانی[8]

---

[1] دیوان ۷ اب
[2] دیوان ۸۰ ب
[3] دیوان ۹۳ الف
[4] دیوان ۱۳۶ الف
[5] دیوان ۱۴۶ ب
[6] دیوان ۱۱۲ ب
[7] دیوان ۹۶ ب
[8] دیوان ۱۰۵ ب یہ غزل صفاہان میں کہی ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ شیراز پہلے گئے اور صفاہان بعد میں آئے تھے۔

صاحب میخانہ کا قول ہے کہ : مرشد شیراز میں رہے اور تاثیر اکسیر عشق نے

- کہ مس وجود عارفان را طلا و مرآت خاطر عاشقان

را مہر انجلا میگرداند -

ان سے ابیات خوب اور اشعار مرغوب کہلوائے - شیراز جو - دار العیار نکتہ سنجان - ہے ، اس میں انھوں نے خوب نشوونما پائی ، شیرازیوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی خاطر مدارات ، اور قدردانی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

شیراز میں حاکم فارس محمد قلی پرناک[1] مرشد کی سرپرستی کرتا رہا ، جس کے نام پر مرشد نے " ساقی نامہ " تصنیف کیا ہے[2] اور وقتاً فوقتاً اس کی مدح وستائش میں کئی قصائد اور اشعار کہے ہیں - صاحب میخانہ نے پرناک اور مرشد کے روابط کے متعلق لکھا ہے :

- با او کمال مہربانی میفرمود و از احوال او خبر

میگرفت و مصاحبانہ سلوک میکرد -[3]

پرناک کے علاوہ بھی شیراز کے شرفا اور اہل دین و دانش کے ساتھ مرشد کے تعلقات اور روابط تھے ، مثلاً میرزا صالح وہاں کے اہل صاحب خیر بزرگ تھے - سنہ ۱۰۱۱ھ میں مدرسہ بنوایا ، مرشد نے ان کے لیے تاریخی قطعہ کہا :

میرزا صالح ، کہ ابر دست او دد جہان آوردہ ، نیسانی دگر

---

[1] ولد مرتضیٰ قلی خاں فارس کے امرا میں سے تھا - پرناک ترکوں کا ایک قبیلہ ہے عالم آرائے عباسی ۲ : ۷۴۳ میخانہ حاشیہ گلچیں معانی ص ۵۸۱ -

[2] ساقی نامہ میخانہ میں دیکھیے ۶۰۳ - ۶۱۳ -

[3] میخانہ ص ۵۹۸ -

ساخت بہر اہل دانش، مدرسی — مدرسی نے! بلکہ، یونانی دگر
مدرسی، کز فیض او، جز من نماند — در ہمہ شیراز نادانی دگر
شور، یارب! یاربی، افگندہ است — ہر طرف، وردی خداخوانی دگر
بحر رحمت را، بجوش آوردہ است — دیدۂ ہر یک زبارانی دگر
ساکنانش میکنند از ہر دعا — مغفرت را در بدن جانی دگر
خلد بر خود از فراق حجرہ اش — گشتہ از ہر قصر زندانی دگر
ہر طرف در حوض او، ماہی صفت — غوطہ زن گردیدہ عمانی دگر
باہمہ رفعت، کہ ہست افلاک را — بعد ازین حاصل شود شانی دگر
گرد ہد استاد این عالی مقام — جای ہر یک زیر ایوانی دگر
دوش بادل گفتم: ای درد مرا — ہر دم از نو کردہ درمانی دگر

چیست تاریخ بنای این مقام
گفت: شد معمور یونانی دگر

۱۰۱۱ھ

محمد قلی پرناک ہی کے ایک عزیز قاسم بیگ پرناک کا بیٹا حاتم بیگ ۱۰۱۱ھ[۱] میں فوت ہوا، مرشد نے اس کی وفات پر تاریخی قطعہ کہا:

دریغا پور قاسم بیگ پرناک — کہ مرد و شادی از مرگش بغم برد
نرفت او، بلکہ لطف و مردمی رفت — نمرد او، بلکہ احسان و کرم مرد
چو او نبود، زمی خوردن، چہ حاصل؟ — چہ ذوق از جام جم آن دم کہ جم مرد
بدل گفتم کہ: چون از اہل ہمت — ہمیں او ماندہ بد، گو غم بغم مرد

۱؎ دیوان ۱۲۲ - ۱۲۳ الف

چہ خواہد بود تاریخ وفاتش؟ بگفتا: حاتم پرناگ ہم مرد[1]

۱۰۱۱ھ

اس خاندان کا ایک فرد بدیع خاں پرناگ ہے، اس کے سلسلے میں تاریخ کہی جس سے سنہ ۱۰۱۰ھ سال برآمد ہوتا ہے:

چون داد بدیع خاں پرناک — باخویش قرار جور استاد
شد جانب مکتب وز سعیش — گردید بنای فضل آباد
طبعش زبرای صید معنی — در دشت خیال گشت صیاد
تاریخ توجہش طلب کن — از توفیقی رفیق او باد[2]

۱۰۱۰ھ

محمد قلی خاں پرناگ نے شیراز میں ایک باغ بنوایا، مرشد نے اس کی تاریخ نکالی:

خان پرناگ، آن کہ باغ عدل را — ہمچو طوبی قامتش برطرف جوست
ساخت باغی، کز خیالش تا ابد — گلشن جنت، گدای رنگ و بوست
حوض کوثر را، زرشک برگہ اش — تا قیامت، آب حسرت در گلوست
غنچہ اش، بر سنبل از باد سحر — آنچنان غلطد کہ، دل بر زلف دوست
برگل فردوس، خندد غنچہ اش — آنقدر، کافتد چو گل بیرون زپوست
دوش مرشد دید کز ہر جانبی — بہر تاریخش دلم در جستجو است

گفت: چندین احتیاج فکر نیست
- باغ او - تاریخ طرح باغ اوست[3]

۱۰۱۰ھ

[1] دیوان الف ۱۲۵ - ب ۱۲۴ - [2] دیوان ب ۱۲۴ [3] دیوان ۱۲۳ ب

دو تاریخی قطعوں سے پتا چلتا ہے کہ مرشد ۱۰۱۲ھ تک شیراز میں مقیم رہے اور اسی سال ملا اسد خاں قصہ خواں کی تحریک پر میرزا غازی ترخان نے ان کو سندھ بلا لیا، اور ۱۰۱۲ھ میں ہی وہ ہرمز بندر کے راستے سے ٹھٹھہ پہنچ گئے۔[۱]

پہلا تاریخی قطعہ وہ ہے جو مرشد نے شیراز میں ہوتے ہوئے اس چشمے کی تاریخ بنا پر کہا ہے جسے پرناک نے 'مصلی کے باغ شاہی' میں بنوایا تھا:

چو شیراز، از قدوم شاہ عادل — شد از ہر گوشہ، رشک باغ رضوان
زمین مقدمش، خاک مصلی — کہ، در رفعت گذشت، از اوجِ کیوان
باندک مدتی شد، باغ در باغ — غلط گفتم، گلستان در گلستان
چو فارغ شد ز تعمیر مصلی — بعرض 'باغ شاہی' داد فرمان
فضای باغ خلد، از رشک این باغ — بود بر اہل جنت، رشک زندان
درین گلشن ز ہر سو، عندلیبی — زند در شاخِ گل، آتش بافغان
ملایک، روز و شب بر شاخسارش — پر اندر پر زدہ، مانند مرغان
نگہ را، گر باین گلشن، فتد راہ — شود رنگین، ز داماں تا گریبان
درین گلزار، حوضی داد ترتیب — لبالب از زہاب چشمۂ جان
ز ہر سو، قلزمی در وی، شناور — غلط گفتم، چہ قلزم؟ بحر عمان!
تو پنداری، درین حوض، آسمانی — بزیر ہر حبابی گشتہ، پنہان
بہ تدبیر از برای راہ این باغ — کہ از شرمش ارم گردیدہ پنہان
خیابانی برغم کہکشاں ساخت — کز و شد کہکشان با خاک یکسان
خیابانی، صراط راہ عیشست — کہ بر دی نگزرد خصم شہ آسان

---

[۱] میخانہ ۵۹۹۔

اگر اسکندر رومی، ازین راه | سوی مقصود خود گشتی شتابان
بجوشیدی ہم اندر کام اول | زنقش خاک پایش، آب حیوان
ازین ره، گر رود حاجی بکعبه | نگیرد دامنش خار مغیلان
وزین ره، گر رود عاصی به محشر | نهد بار گنه بر دوش غفران
زسی فرسنگی شیراز، آبی | روان آورد سوی این خیابان
نیاساید زمانی، از دویدن | چو آب چشم عاشق روز ہجران
چو زلف دلبران، از باد پرچین | چو اشک عاشقان، بر خاک غلطان
تو گوئی، آب روی آفتابست | که رای شد بخاکش ریخت زین سان
شبی، در جستن تاریخ این آب | شدم در کوچهٔ فطرت شتابان
زناگه هاتفی از گوشهٔ گفت: | رود اندر خیابان آب حیوان[1]

۱۰۱۲ھ

---

[1] دیوان ۱۲۰ ب ۱۲۱ الف

شیراز میں مرشد کے ۱۰۱۲ھ میں موجود ہونے کی تصدیق، ایک دوسرے تاریخی قطعے سے بھی ہوتی ہے، جس کو انھوں نے غالباً محمد قلی خاں پرناگ کے بیٹے کی لاری قبیلے پر فتح پانے پر لکھا ہے، قطعہ یہ ہے:

چو بدعہدی لاریان، گشت ظاہر | وز ایشان، رخ بخت و دولت نہان شد
جگر گوشهٔ خان، که عمرش فزون باد | با مر پدر، سوی دار الامان شد
به پیروزی و فتح و اقبال و نصرت | دران ره چو رستم سوی ہفتخوان شد
چو آوازهٔ لشکر بیکرانش | بران قوم برگشته طالع عیان شد
زبیم کمند خم اندر خم او | که ہر حلقه اش رشک صد کہکشان شد

(جاری)

دوسرا قطعہ ایک باتصویر حجرے کی تاریخ بنا پر کہا ہے، جسے میرزا غازی نے ۱۰۱۲ھ میں ٹھٹہ کے محل میں بنوایا، اور مرشد نے ۱۰۱۲ھ میں وہاں پہنچ کر اس کی تکمیل پر یوں کہا:

فرماں دہ سِند شاہ غازی — کز دولت، شاد باد جاوید
برگوشۂ قصر حجرۂ ساخت — چوں خانۂ ماہ و برج خورشید
از دوست پر، و زگرد اغیار — خالی، چو درون اہل توحید
چون شیشۂ سبز، نہ فلک را — برگوشۂ طاقہای او چید
ازبس کہ، زلطف خاطر او — چون آئینہ، پر ز نور گردید

(جاری)

گرفتند جا در حصاری کہ برجش — بفرسنگہا زانسوی لامکان شد
بامزش کہ تا روز محشر روان باد — سپہ جانب قلعہ زانسان دوان شد
کہ از قلعۂ آنچنان، جز غباری — ندیدند، کان نیز بر آسمان شد
چنان پر شد از گرد دامان گردون — کہ حمل ہوا بر زمین، بس گران شد
زجوش دلیران رزم آزمائش — چنان آنچنان تنگ بر انس و جان شد
کہ باآن ہمہ لطف نور کواکب — ز تنگی جا، ہم سوی اختران شد
خدنگش، جگر دوز جمشید خان گشت — کمندش گلوگیر خورشید خان شد
گرفتند و بستند، کشتند، چندان — کہ، از کشتہ صد بیشہ، ہر سو عیان شد
چو تاریخ فتحش، طلب کردم از دل — بگفتا کہ: فتح طلسم کیان شد[1]

۱۰۱۲ھ

[1] دیوان ۱۲۳ الف - ب

تصویرش از لباس صورت   عریان شد ہمچو اہل تجرید

تاریخ بنای حجرہ او

شد روزن از بہشت جاوید[1]

۱۰۱۲ھ

یہی وہ دور تھا جب کہ میرزا غازی نے ٹھٹہ میں دو محل بنائے۔ ایک دل کشا اور دوسرا "عشرت گاہ"، جس کے سلسلے میں طاہری نے لکھا ہے:

۔ درمحل عشرت گاہ و دل کشا کہ دراں حین نو بنا فرمودہ بودند، بدلبران دلخواہ و ندیمان غم کاہ، گاہ بے گاہ بہ عیش و طرب مشغول گشت ۔

ممکن ہے انھیں دو قصور میں سے کسی ایک میں ایک ایسا کمرہ بنایا گیا ہو جس کی دیواروں پر عورتوں کی ننگی تصاویر بنوا کر عیش و طرب کا پورا ماحول پیدا کیا گیا ہو، اور شیراز سے آنے والے اس نو وارد شاعر ملا مرشد نے تاریخ نکالی اور تصویروں کی شان میں کہا کہ:

تصویرش، از لباس صورت   عریان شد، ہمچو اہل تجرید

خیر البیان کا مولف مرشد اور مرزا غازی کا معاصر تھا، جب مرزا قندھار میں تھے تو وہ ہرات میں اپنے تذکرے پر نظر ثانی کر رہا تھا، اپنے تذکرے میں ملا مرشد کے سندھ میں وارد ہونے کا سال اس نے یہی لکھا ہے۔ تذکرے میں جو حالات دیئے ہیں ان سے کئی ایک اور اہم باتیں بھی واضح ہو جاتی ہیں، لکھا ہے:

۔ چون توجہ ہمت بلند او (مرشد) قدم در عروج مراتب

---

[1] دیوان ۱۲۶ الف

سخنوری نہادہ، وچون نام نیک بر السنہ مدققان مذکور
وچون خیال دوست در خاطر طالبان مذکور گردیدہ
رتبۂ شہرت یافتہ، در اثنای ترقی در مراتب سخنوری داعیۂ
سفر سواد اعظم ہندوستان در ضمیر او جاگیر شدہ بتاریخ سنہ
اثنی عشر و الف روی توجہ بدان صوب آوردہ، از احسان
اکابر آن بلاد بہرہ یافتہ، بالآخر مصاحبت وصحبت عالیجاہ
اہل پناہ مرزا محمد غازی ترخان اختیار نمودہ - در ہنگامی
کہ آن عالیجاہ بفرمان کیوان بارگاہ بحکومت بصوبۂ قندھار
میآمد مولانای مذکور را در ولایت سند جاگیر دادہ
چند سال دران مملکت بسر بردہ، در اواخر ایام مرزا
غازی بقندھار شتافتہ بملازمتش میبرد، و اکنون دران
بلدہ ساکن است [1]

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرشد:

۱- سال ۱۰۱۲ھ میں مرزا کے پاس آئے -

۲- مرزا غازی جب قندھار گئے تو مرشد ان کے ساتھ نہیں گئے بلکہ یہیں اپنی جاگیر پر رہے -

۳- چند سال یہاں ٹھٹہ میں رہے - اور مرزا غازی کے آخری ایام میں ان کے پاس قندھار چلے گئے -

۴- ۱۰۱۹ھ میں وہ قندھار میں تھے، جب کہ ہرات میں بیٹھ کر خیر البیان کا مولف ان

---

[1] ورق ۳۶۱

کا تذکرہ لکھ رہا تھا۔

سندھ میں مرشد کے بلانے کی تحریک جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے ان کے جانی دوست ملا اسد قصہ خواں نے کی۔ صاحب میخانہ کا قول ہے:

—بعد از مدتی در بلاد سند، فصاحت شعار بلاغت آثار مولانا اسد قصہ خوان۔ کہ یکی از مقربان مربی ہنر مندان میرزا غازی ترخان بود۔ حقیقت اہلیت و قابلیت سخنور بروجرد، بہ عرض میرزای مذکور رسانید آن قدردان نکتہ سنجان از روی خواہش تمام مرشد را طلب فرمود۔[1]

مولانا اسد نے اس کو حسب الحکم میرزا غازی ایک دعوت نامہ لکھا:

—ہنگامی کہ آن مکتوب محبت اسلوب باو رسید، بہ جہت برآمدن مولوی از شیراز، بعضی موانع دست دادہ بود۔ کہ تحریر آن مناسبتی بہ سیاق این تسوید ندارد۔ چون استمالت نامۂ برگزیدۂ سندیان رسید، باعث از دیاد تحریک خروج او شد۔ یکبارگی دل ازان معمورۂ دل کشا کندہ از ہر مز بہ تتہ آمدہ۔[2]

ماثر رحیمی کے مؤلف کا اس سلسلے میں بیان ہے کہ:

—چون آوازۂ سخن سنجی و تدبیر صائب و رای زرین و نکتہ وری خان مومی الیہ عالمگیر شدہ بود، خلاصۂ

---

[1] میخانہ گلچیں ص ۵۹۸ [2] میخانہ گلچیں ص ۵۹۹

دودمان ترخانی میرزا غازی . . . . . را میل ملاقات

ایشان شد و رغبت تمام غائبانہ بدیدن او بسہم رسانید

وکتابات محبت آمیز بالوازم آن ، بشیراز ارسال داشتہ

ایشان را بہ سند طلب نمود۔

ایشان نیز رفع آلام وکدورت را ، منحصر در سفر

دانستہ ، متوجہ ملازمت ایشان شدند [۱]

ملا مرشد نے ٹھٹہ آتے ہی مرزا غازی کی خدمت میں ایک قصیدۂ مدحیہ پیش کیا ، جس کے چند شعر صاحب میخانہ نے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں :

زبس کہ ، تازہ شد از فیض ابر عالم پیر

شگوفہ ریزد ازین شاخ ، بر سر نخچیر

ہوا چنان برطوبت ، کہ از زبان تاگوش

ہزار جاے زند ریشہ ، نالۂ شبگیر

چنان ز لطف ہوا ، گشت طبع آتش تر

کہ شعلہ ، چون مے گلرنگ ، بگزرد ز حریر

اس قصیدے میں مرشد اپنے آنے کے حالات لکھتے ہوئے کہتا ہے :

سپہر مرتبتا ! چاکرت اسد ، کہ مرا

برادر است وجہان را بیادگار ظہیر

ز میلِ خاطرِ عاطر کہ ہست و باقی باد

بسوی اہل ہنر ، خاصہ این فقیر حقیر

---

[۱] رحیمی ۳ : ۴۸۴ - ۴۸۶

نوشتہ بود حدیثی کہ شہد حبِ وطن
شد از تصورِ آن، تلخ در مذاقِ فقیر
چو نامہ خواندہ شد، از شوق کعبۂ کویت
کہ ہیچ کس نہ نماند رہش، مگر تقدیر
رہی بہ پیش گرفتم کہ پیک باد، درو
بود چو نور بصر در جمالِ مہر منیر
رہی چنان، کہ بعمری زدو ریش حرفی
نمیرسد، بہ سرِ خامہ از بنان دبیر
ہزار شکر کہ، از سجدۂ درت، بختم
نہار پایۂ کرسی بہ دوش چرخ اثیر
نثار بزم تو، عقد جواہر آوردم
برسم تحفہ ز دریای طبع و کان ضمیر[1]

ٹھٹہ پہنچ کر مرشد مرزا غازی کے سامنے پیش ہوا تو بقول میخانہ:

—آن نادرۂ زمان را نوازش بسیار فرمود۔ بعد از اندک ایامی او را درمیان امثال قرآن ممتاز نمود بخطاب ”مرشد خان“ سرفراز گردانید۔[2]

اور آگے لکھا ہے کہ:

—ہمیشہ پاس حرمت او میداشت .... وقتی کہ در قندھار

---

[1] دیوان کے پیش نظر خطی نسخہ میں یہ قصیدہ نہیں ہے، چند شعر میخانہ میں موجود ہیں ص۶۰۰
[2] میخانہ ص۶۰۰

برمسند حکومت نشست، درانجا در اعزاز و احترام و انعام
واکرام مولوی، دقیقۂ فرد گزاشت نمود[1]

ملا عبدالباقی نے لکھا ہے:

— وآن نوجوان نامدار (غازی) راچندان عنایت و
شفقت باین خلاصۂ روزگار بود کہ، زبان و قلم از
تعریف و توصیف آن، عاجز است —[2]

سندھ میں پہنچ کر مرزا غازی سے نہ فقط مرشد نے عزت و آبرو دولت اور جاگیر
پائی، بلکہ بقول صاحب مآثر رحیمی:

— در اندک زمانی بہ مرتبۂ خانی۔ رسید و مدار المہام
آن امیرزادۂ اعظم گشت، و رتق و فتق مہمات ولایت سند
وطائفہ ترخان و ارغون رامتصدی گشت، و بمنصب
وکالت سرافراز شد و مہر وکالت برپشت فرامین آن
عالی شان زد —[3]

اس مؤلف کا قول ہے کہ طالبؔ آملی، محویؔ اردبیلی، سرورؔی یزدی، اسدؔ
قصہ خوان، شمسایؔ خوشنویس اور دوسرے مستعدان ایران، مرزا غازی کے پاس
جب پہنچے ہیں تو:

— راہ مصاحبت و مجالست بوسیلۂ خان مومی الیہ
یافتہ بلند مرتبہ گردیدند —

---

[1] میخانہ ص۶۰۱ [2] مآثر رحیمی ۳: ۷۸۴ - ۷۸۶

[3] مآثر رحیمی ۳: ص۷۸۴

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

— بوسیلۂ این خان سخندان ، انعامی و احسانی کہ بمستعدان عراق و خراسان نمودہ ، زیادہ از حد و حساب است، چنانچہ مبلغی کلی بجہت حسان الزمان ملا شانی تکلو و مرزا فصیحی انصاری بہ خراسان فرستاد۔[1]

ملا عبدالباقی نے جس طرح لکھا ہے کہ یہ تمام شاعر مرشد کی تحریک پر مرزا کے دربار سے منسلک یا ان کے انعامات سے بہرہ ور ہوئے ، کاملاً تو صحیح نہیں ہے، کیونکہ مرشد خان خود ہی ملا اسد کی سفارش اور تحریک پر مرزا کے پاس آیا تھا، لیکن یہ صحیح ہے کہ جب مرشد کا اثر بڑھا تو وہ ان شعرا میں سے کئی ایک کے بلوانے اور کتنوں کو انعام دلوانے کا محرک ضرور بنا۔ مثلاً اسد سے تو برادرانہ تعلقات تھے ہی ، ان کی وفات پر انھوں نے قطعہ بھی کہا ہے؛[2] لیکن مذکورہ شعرا میں سے بھی کئی ایک کے ساتھ ان کے

---

[1] ماثر رحیمی ۳: ص۸۴۷ خوشگو نے بھی تقریباً یہی عبارت لکھی ہے ، دیکھئے میخانہ (مولوی محمد شفیع)، تعلیقات ص۱۱۔

[2] قطعہ یہ ہے:

دریغا! دریغا! کہ مخطوظا خان رفت	اسد آن جہان ہنر، از جہان رفت
ز ویرانۂ تن ، اگر مرد راہی	برون آ کہ ، سر حلقۂ کاروان رفت
زہمراہیش بازماندن، خطا بود	ولیکن ، باین تا کجا میتوان رفت
زبان کو؟ سخن چیست؟ کو رفتن او!	سخن از زبان و زبان از دہان رفت
ز ہجرش ، چنان باغ بی رنگ و بو شد	کہ بوی از گل و رنگ از ارغوان رفت
بماندیم چندانکہ ، دیدیم مرگش	ازین سود، بر ما زیان بر زیان رفت

(جاری)

گہرے روابط تھے، مثلاً محوی اردبیلی جب فوت ہوئے تو مرشد نے ان کے سلسلے میں تاریخی قطعہ لکھا اور اس میں ان کو بھائی کے عنوان سے مخاطب کیا ہے:

برادر محوی آن دیرینہ ہمدم ز پیشم رفت و چون باد صبا رفت
ہمیں دانم، کہ رفت از پیش چشمم نمیدانم، کجا رفت! و چرا رفت؟

(جاری)

غمش کرد دل را بزخمی نوازش کہ چاکش بدامان آخر زمان رفت
غبارش مخوانی، کہ از صحبت او زمیں بس کہ بالید، بر آسمان رفت
اسد رفت و تاریخ فوتش ز مرشد
طلب کرد دل، گفت: اسد رایگان رفت

۱۰۲۷ھ

ملا اسد کے سلسلے میں مرشد کے دیوان میں ایک اور بھی قطعہ ملتا ہے:

فضیلت پناہا چہ کردم؟ کہ طبعت بمن در عتاب و زخود در عذابست
شنیدم کہ، میگفتی امروز مرشد بجای شد، الحق کہ جای عتابست
عفا اللہ بجای نرفتم کہ عیبم کند خاطری کز ہنر بہرہ یابست
بکوی اسد رفتم و منزل او بود جای من این نہ دور صوابست
ہمہ خلق دانند و خود نیز دانی
کہ برج اسد خانۂ آفتابست

اسد کی وفات کے بعد یہ رباعی کہی ہے:

دوشینہ کہ راہ خواب میزد اشکم جوش از دل ناب میزد اشکم
از شام بیاد درِ گفتار اسد تا صبح گرہ بر آب میزد اشکم

اگر دل رفت، آن خود ہمرہ اوست | نمیدانم کہ، صبر از دل کجا رفت
علاج درد خود خود کرد و بردی | نرفت از درد آنہا کز دوا رفت
زعلم خود برورفت، آنچہ زین پیش | زجہل خصم، برآں عبا رفت
چو گلشن دید، کز تاثیر دوران | بحسرت بلبل دستان سرا رفت
چنان از رنگ و بو، افشاند دامن | کہ تا بوی از گل و، رنگ از حنا رفت

زمن پرسید دل، تاریخ فوتش
بدو گفتم: عجب یاری زما رفت[1]

مرشد کو مرزا نے سندھ میں پہنچنے کے بعد۔ خانؔ۔ کے خطاب سے سرفراز کرتے ہوئے، مہر اور وکالت سے بھی نوازا، جیساکہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ ملا مرشد نے مہر اور وکالت ملنے پر مندرجہ ذیل قطعہ کہا ہے، جو نہ فقط دلچسپ ہے، بلکہ ان تمام سیاسی حالات اور انتظامی کوائف کی نشاندہی کرتا ہے، جو اس زمانے میں مرزا کو درپیش تھے:

ای صاحبی! کہ شعلۂ رایت زآفتاب | برفرق روزگار نہاد است افسری
میخواست از مراد تو ایام، سرکشد | برگردنش، زچرخ نہادند چنبری
دادی مرا وکالت، بر روی صحبتم | از ہجر خود کشیدی، سد سکندری
بہتر زمن وکیل توان یافت، در جہان | لیکن چو من، بدہر نیابی ثنا گری
کردی مرا شریک بقومی، کہ کار شان | برکار ناشناسی شان کردہ محضری
بر درگہ تو گرچہ، برابر نشستہ ایم | ہر یک نشستہ ایم بنا در برابری
یک ملک، دہ وکیل از ان جملہ، من یکی | با دستۂ گیاہ کہ بستست عبہری

---

[1] دیوان ب ۱۲۸

حاجت بدہ عوانؑ نبود یک دمارا　　کافیست، بہر کشتن یک شہر، خنجری

در ضبط کائناتؑ کہ گامی دو بیش نیست　　کس راچہ احتیاج بامداد دیگری

ما بندگان کہ بہر تمنای دنیوی　　برخون یکدگر شدہ، ہر یک بجل گری

جملہ خریم و دہر نشانہای سم ما

کو کم زیک طویلہ نشان سم خری[1]

مرشد، جیساکہ ہم اوپر بتا آئے ہیں، ۱۰۱۲ھ میں سندھ پہنچے، مرزا غازی اس وقت سندھی امرا کی بغاوتوں کو فرد کرنے میں مشغول تھا اور تقریباً ملکی حالات کو راہ راست پر لا چکا تھا۔ مرشد پر یہ تمام عنایتیں اس عرصے میں ہوئیں اور تھوڑے عرصے کے بعد جب ۱۰۱۳ھ میں مرزا اکبری دربار کی طرف چلا تو مرشد بھی ساتھ ہو لئے۔

اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر کی تخت نشینی کا یہ قطعۂ تاریخ مرشد نے وہیں آگرے میں کہا:

بحمد اللہ، از گردش چرخ و اختر　　کہ آسیب گردش نہ بیند دگر

چو جمشید بنشست بر تخت شاہی　　.... بینی خسرو ہفت کشور

فلک رتبہ شہ جہانگیر غازی　　کزو نور دین محمد شد اظہر

پذیرا شد ایام دوران اورا　　چو عاشق کہ یارش زند خلقہ بردر

بعہدش چنان پر شد از عیش....　　کہ بزم حریفان شب وصل دلبر

....ن عقدہ از کار آفاق بگشود　　کہ نگذاشت چین در جبین مکدر

چو زد سکہ برخاست نام سلاطین　　بتعظیم نام جہانگیرش از زر

درعرش زد خاطر، از بس کہ برخود　　باقبال نامش ببالید منبر

---

[1] دیوان : ۱۱۹ الف - ب

بعہدش، چنان گشت ظالم، زمین گیر — کہ پی گشت زنجیر، پائی غضنفر

دل چرخ، سوراخ شد بسکہ سودم — باقبال خاک درش بر فلک سر

چو تاریخ سال جلوسش، کہ ازوی — بر آفاق شد نور دین سایہ گستر

زمرشد طلب کرد اندیشہ، گفتا:

زنور محمد جہان شد منور[۱]

۱۰۱۴ھ

میرزا غازی جہانگیر کے بیٹے خسرو کی بغاوت پر شاہی رکاب میں لاہور تک ساتھ رہا، قیاس یہی ہے کہ دیگر متعلقین اور امرا کے ساتھ ساتھ مرشد بھی ان کی رکاب میں لاہور تک گئے ہوں گے۔ میرزا غازی لاہور سے قندھار کی مہم پر چلا گیا، اس وقت بھی غالباً مرشد اس کے ساتھ تھے۔ جب میرزا غازی کا قندھار پر قبضہ ہوگیا مرشد نے وہیں تہنیت کا یہ قصیدہ کہا ہوگا۔

در بہار حسن، آن خرم بہار — گل توان چیدن زعکس شاخسار

موی زنگی، رشک ماہ نو شود — عکس رویش، گر فتد بر زنجبار

داد کی خواہم ازو در حشر نیز — گر باین خوبی بمن گردد دوچار

بس کہ امشب بحر طوفان موج دل — جوش خون میزد ز چشم اشکبار

بود ہر مویم، ز موج بحر اشک — پای در زنجیر، چون زلف نگار

بس کہ عمر عاشقان، با کو تہ — میکند ہر لحظہ عہدی استوار

در دیار ما، حیات جاودان — کمتر است، از مدت عمر شرار

از ہوا، آتش توان افروختن — بس کہ، گرم کین بنا شد روزگار

---

[۱] ۱۱۸ ب - ۱۱۹ الف دیوان

گرد هم خاکستر دل را بباد / عرصهٔ عالم شود آئینه دار
کعبهٔ مقصود خواهی حلقه زن / بر در دلها، چو موج زلف یار
چند باشد از تو مرشد بی سبب / چون گناه از روی غفران شرمسار
مدتی شد کز دعاگویان تست / لیک خوش بی قدر و بس بی اعتبار
چون نداری درد و غم از وی دریغ / لطف هم گاهی دریغ از وی مدار
دهر از جورت شکایت میبرد / بر در شاه فریدون اقتدار
میرزا غازی، که تیغش در نبرد / میکند احیای رسم ذوالفقار
باز ماند باد، از دنبال گرد / هر کجا عزمش، برانگیزد غبار
گوهر تیغش، ز بیم جود او / برخود از فولاد، میسازد حصار
همچو شاخ ارغوان، شد گردباد / بس که شد، در خون خصمش غوطه خوار
دیدهٔ اعمی بنور رای او / سایهٔ جان دیده در شبهای تار
چون خلاف دشمن دولت برد / گشت همچون روز روشن آشکار
برد بیرون لشکری، از ملک سند / بر سر کین حمله، چون مژگان یار
یک بیک، چون زلف جانان صف شکن / سربسر، چون چشم دلبر نیزه دار
بارها در زیر شان رقصان چو باد / نیزها در دست شان پیچان چو مار
دل درون سینه شان، از شوق فتح / همچو زلف فتنه سازان بیقرار
چون بیک فرسنگی خصم، آمدند / آن گروه رزم ساز کینه دار
همچو مژگان بتان، بستند صف / لشکر از هر سو، بعزم گیر و دار
بر زمین حمل هوا آمد گران / بس که پر شد دامن چرخ از غبار
نور خواهم جانب افلاک رفت / بس که پر شد عرصهٔ خاک از سوار
لشکر دشمن، ز بیم تیغ او / قلعه را، بر دشت کردند اختیار

قلعهٔ، چون همت عارف بلند — قلعهٔ، چون عهد عاشق استوار

رفعتش چندانکه، پنداری گرفت — نه فلک، در زیر دامانش قرار

وسعتش چندانکه، در وی خویش را — از میان بیرون نمی بیند کنار

شاه دریا دل، که آسیبش مباد! — تاخت سوی قلعه، خنگِ راهوار

پست تر گردید پیش پای او — کنگرِ قلعه، ز خاک رهگذار

آن قدر سر، خنجرش بر خاک ریخت — کز شمارش، سر برون نارد شمار

کرد خالی دیدهٔ دشمن، ز نور — چون درون خصم شاه ذو الفقار

شد بکامش عالم پیر، وهنوز — طالع از بخت جوانش شرمسار

ای که باشد، در پس دیوار تو — سایهٔ از پرتو خورشید عار

ریزهٔ یک روزهٔ خوان ترا — گر تواند جمع کردن ریزه خوار

ضامن رزق همه خلق جهان — میتواند بود تا روز شمار

در دل دریا، بتابد چون گهر — اخگری، کورا بود حفظ تو یار

صاحبا! گر در ثنایت دمبدم — میکنم گستاخی معذور دار

زانکه اعجاز مدیحت، میکند — لال مادر زاد را، پاسخ گزار

طبعم اندر رشتهٔ مدحت، کشد — گوهری، چون لعل جانان آبدار

چون درو شب تاب معنیهای او — یک بیک از ظلمت خط آشکار

گوش کن زان پیش کز وی هوس — چرخ در گوشش کشد چون گوشوار

سایهٔ احسان وعدل و دولتت

تا قیامت کم مبادا ازین دیار[۱]

---

۱ دیوان الف ۲۲ - ۲۴ الف

میرزا غازی جب دوبارہ مستقل صوبے داری پر مقرر ہو کر قندھار گیا، اس وقت مرشد سندھ میں اپنی جاگیر کی جو مرزا نے ان کو سندھ میں آتے ہی دے رکھی تھی، دیکھ بھال کے لیے رہ گئے ان کے یہاں رہ جانے کی تصدیق صاحب خیرالبیان کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

جب میرزا غازی کا قافلہ بھکر سے رخصت ہو کر قندھار کی طرف چلا ہے تو مرشد نے مندرجہ ذیل ترکیب بند ان کی جدائی میں بڑی حسرت و یاس کے عالم میں کہا ہے:

همرهان، بستند بار قندهار | من بزیر بار دل، چون زلف یار
اسپ همراهان، عنان اندر عنان | اشتر یاران، قطار اندر قطار
من که، شوقم بیش و، صبرم کمتر است | نی عنان، در دست دارم، نی مهار
آری ! آری ! مایهٔ جمعیتم | از پریشانیست چون زلف نگار
گر شتر ناید بکف، افلاک را | میکشم چون بختیان، در زیر بار
گر نباشد اسپ تازی، زیر ران | میتوان رفتن، بپای روزگار
گر نباشد خیمه، بر فرقم بس است | سائبان ابلق، لیل و نهار
گو مباد م زر، چو گردون میکند | سیم و زر را مهر و مه، بر من نثار
توشهٔ ره، گر نیابم خویش را | میکنم سیر از حیات مستعار

طبع سنجی، باعث این گفتگوست

ورنه بختم را نجار اندر سبوست

سائلان را، بر در احسان خویش | میدهم گنج، از دل ویران خویش
سخت دلگیر است، کاخ آسمان | میکنم از قدر خود، ایوان خویش
تنگ شد گیتی، مگر اقبال من | خیمه بیرون زد، ز شهرستان خویش

هردم آویزم ز دامن، چون غبار | چرخ را، در ساحت جولان خویش
در ره دل، منزل و فرسنگ نیست | زان کشیدم، پای در دامان خویش
میکنم دردی، ز صد درد، انتخاب | در علاج درد بی درمان خویش
چشم را، بی روی بزم آرای دوست | تیرباران کردم، از مژگان خویش
بس که، لب ریز معانی گشته ام | خویش را، نشناسم از دیوان خویش

ابر رحمت، تشنهٔ نهر من است
عقل کل، دیوانهٔ شهر من است

یکدو چرخ، از اوج خود، زیر آمدم | تا بشهرستان تقدیر آمدم
بس که چشمت، ناوک بیداد ریخت | تا در دل، بر سر تیر آمدم
از عدم، برباد زلفت، با وجود | آمدم، لیکن بزنجیر آمدم
شادمان از باغ جنت، چون شوم | من که، از کوی تو دلگیر آمدم
کس ز باد صبح نشناسد مرا | بس که در کوی تو، شبگیر آمدم
آمدم، تا صید زلف او شوم | غیر پندارد، به نخچیر آمدم
زخم گو ناسور پیرا شو که باز | مست در آغوش شمشیر آمدم
طول هجران بین، که بر درگاه شاه | نوجوان رفتم کهن پیر آمدم
بار غم، بر من گرانی میکند | بر درش، زان بتاخیر آمدم

غازی ترخان، که از قدر مکان
آسمان واری گزشت، از آسمان

آنکه خوانسالار عز و شان او | از فلک سبزی نهد بر خوان او
مدت ایام، روزی بیش نیست | از حساب عمر جاویدان او
ربع مسکون، چارسوی بیش نیست | از سوار ملک بی پایان او

گرد طای چرخ، از هم نگسلد — کهنه فرشی دود، از ایوان او
در همه روی زمین، ویران شود — روستانی کم ز شهرستان او
در غم آن کاین سر شوریده ام — دور شد چون گوی از میدان او
خم شدم چندانکه نشناسم کنون — خویشتن را از خم چوگان او
سرکشان را آنچنان بر درگهش — مید واند، هیبت فرمان او
کاسمان، دامان خود را جمع کرد — تا خزد، در کلبهٔ سگبان او

گر کشد شمشیر هندی، از قراب
بستر د رنگ از گل، و بوی از گلاب

بخت دانش بین که، شاه نکته دان — گاه خانم مینویسد گاه جان
طالع دولت نگر، کز جان و دل — شاه را گشتم غلام رایگان
دانش، از الطاف او شد، کامیاب — دولت، از اوصاف من شد، کامران
دید گنجی، در دل ویرانه ام — تربیت را کرد بر من پاسبان
گر بقدر تربیت بالیدمی — پاره گشتی بر تنم هفت آسمان
ساغر او، عین عشرت را کفیل — سبحهٔ او، رای رحمت را ضمان
در صبوح عشرت او، تا ثواب — مست میغلطد بطرف گلستان
در صباح طاعت او، تا گناه — در کنار مغفرت دارد مکان

چون تو ممدوحی چو من مدحت گری
نیست ور باشد دریغا یاوری

صاحبا! دور از تو حالم ابتر است — شاهدم ضعف و گواهم بستر است
بس که بر من، ضعف استیلا گرفت — پشتم از بار کمر، چون چنبر است
از گل اشک دمادم، دامنم — چون دل بینا و چشم ساغر است

بس که از پهلوی دل، اعضای من	یک بیک، با درد و داغی، خوگر است

گر دو عالم درد، بر عضوی نهم	همچنان مشتاق، درد دیگر است

گر مزاجم دور گشت، از اعتدال	نی ز رنج دل، نه از درد سر است

از پی چشم و دل بدخواه تو	باد من خاکست و آبم آذر است

بس که مرشد از دم روح القدس	نکته پرداز و معانی پرور است

شد کلامش سر بسر وحی و رموز	پیش تو بیچاره مرد شاعر است

رتبهٔ نظمم، برون از شاعری است

شاعری در عهد من، پیغمبری است

برخور از دولت، که بختت یار باد	دولت از بخت تو، برخوردار باد

سبحه، کز ذکر نامت، فارغ است	تارتار رشتهٔ زنار باد

کعبه، کافتاد، از طاق دلت	خشت خشتش، خانهٔ خمار باد

آرزوی جستن و ذوق گریز	پیش خصمت آهنین دیوار باد

برخلاف طبع، اگر فرمان دهی	آسمان ساکن زمین سیار باد

ابر رحمت، همچو برق تیغ تو	بر دیار خصم، آتشبار باد

مهر و مه، بار ریزش احسان تو	در شمار درهم و دینار باد

روز وصل خصمت از بخت سیاه	چون شب گیسوی هجران تار باد

رفعتی در طالع بدخواه تو	نیست، ور باشد نقد ر دار باد

دشمنت را، کز طرب خندان مباد

درد باد و، درد را درمان مباد[1]

---

[1] دیوان ب ۳۴ - ۳۷ ب

میرزا غازی کی غیبت میں خسرو چرکس اور اُس کے لواحقین کی چیرہ دستیوں کے سلسلے میں تاریخ طاہری نے جو حالات لکھے ہیں اس میں لطف اللہ بہائی خان کے بیٹے فتح اللہ حاکم بدین کی نخوت، غرور اور غلط روی کے متعلق بطور دلیل، مرشد کے ساتھ اُس کے سلوک کو، ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

— روز عید مرشد خاں را- کہ میرزا (غازی) اورا از پدرش بہائیخان بیشتر میخواست - بہ تکلیف تمام از جاگیر کہ دران صوبہ داشت، طلب نمودہ، ازین قسم، آن نکتہ چین سخن آفرین را آزار داد و بہ بی تورگی پیش آمد، کہ میرزا خود ہرگز برین مردم، چنین اداہای ناشائستہ نکردہ باشد، عاقبت، چون بہ انباری فیل سوار گردیدہ متوجہ عیدگاہ گشت، مومیٰ الیہ از آمدن منفعل گردیدہ بجاگیر رفت [۱]

اس سے بھی ظاہر ہے کہ جس زمانے میں خسرو اور اس کے متعلقین نے یہاں خود سری اختیار کی تھی، اس زمانے تک ملا مرشدؔ بروجردی یہاں موجود تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مرزا نے انھیں جو جاگیر دے رکھی تھی وہ سرکار بدین کے تحت تھی، یہی سبب ہوا کہ وہ بدین کے حاکم فتح اللہ سے عید ملنے آئے اور اس نامعقول نے اُس نکتہ سنج سخن آفرین، کے ساتھ نہایت ہی بدسلوکی کی، اپنی روش اور ناشائستگی سے ان کا اس حد تک دل دکھایا کہ وہاں سے واپس ہو کر فوراً اپنے ضروری کاموں [۲] کو سمیٹ کر

---

[۱] طاہری ۲۶۴ - [۲] فارسی عبارت ہے کہ: بجاگیر باز رفت بل کلبرک از فراغت یافتہ - کہ از میرزا چندگاہ در اینجا بطور خود مینمود - بقندھار رفت -

زیر خط لفظ سمجھ میں نہیں آیا، ہم نے اس لیے لکھا ہے کہ اپنے ضروری کاموں سے فارغ ہو کر قندھار چلے گئے -

وہ سیدھے قندھار پہنچ گئے۔ یہ واقعہ ۱۰۱۹ھ سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ قندھار میں ان کا ہونا اس سال - خیر البیان - کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

تاریخ طاہری کے مصنف نے لکھا ہے کہ: جب مرشد خاں قندھار پہنچے اور وہاں لوگوں نے سندھ کے حالات پوچھنے شروع کئے، تو انھوں نے یہ شعر پڑھا:

لب شیرین بکام خسرو شد　　جان بیہودہ میکند فرہاد[1]

مرشد اس بدسلوکی کے علاوہ بھی، مرزا غازی کے معتمد خاص ہونے کی وجہ سے خسرو اور اس کا خاندان جو کچھ سندھ میں کر رہے تھے اس سے وہ سخت نالاں تھے اور ان کے کرتوتوں کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس جذبے کا اظہار ایک رباعی میں کیا ہے:

زین بارکہ، از گرانی عامل سند　　البرز البرز تکیہ زد بر دل سند
ترسم، نرسد خبر سوئے عادل سند　　وز ثقل زند غوطہ بدریا کل سند[2]

مرشد ۱۰۱۸ھ کے آخر میں قندھار پہنچے، اس کے بعد خسرو وغیرہ کی معزولی قندھار طلب کرنے کے احکام، اور میرزا غازی کے فرستادہ کارندوں اور خسرو کے درمیان زد و خود کے واقعات رونما ہوئے، تا آنکہ ۱۰۲۱ھ میں مرزا غازی کا خود ہی اس جہان سے دانہ پانی اٹھ گیا۔

مرشد مرتے دم تک، خیال ہے کہ، میرزا کے ساتھ رہے اور میرزا کی نعش کے ساتھ ہی سندھ واپس آ رہے، جہاں ایک زمانے تک اپنے مرحوم آقا اور ولی نعمت کے مزار کی مجاورت کرتے ہوئے اپنے اوقات بسر کرتے رہے جیساکہ مآثر رحیمی کے مؤلف نے لکھا ہے:

---

[1] یہ شعر کمال اسمٰعیل خجندی کا ہے۔　[2] دیوان ب ۱۳۴۔

— وخان مومی الیه (مرشد) وجمیع مستعدان عالم را،
بے کس و بے صاحب گزاشت، بعدازین واقعہ جانکاہ۔
کہ ازحیات مستعار دلگیر شدہ بود، ومجاورت تربت امیر
زادہ اعظم را بر منصب وحکومت دنیا ترجیح دادہ بود، و
ترک وانزوا در مصیبت وفراق آن خورشید لوا اختیار
نمودہ بود، ومراثی شاعرانہ نظم آوردہ ومی آورد [1]

گویا مرشد کو بے حد صدمہ تھا، انھوں نے ترک دنیا کیا، اپنے مربی کے فراق میں علائق دنیوی سے یکسر منہ موڑ لیا اور کئی ایک مراثی ان کی عزاداری اور یاد اور فراق میں نظم کیے۔ ان کا کہا ہوا یہ ترکیب بند بہت دلدوز اور مشہور ہے جس کے کچھ اشعار ماثر رحیمی نے بھی دیے ہیں:۔

بی وجود قبلہ ترخانیان، در قندھار — چون علی در نہر دانم چون عمر در سبزوار
گلبنی دادم بباد بی نیازی کز غمش — تا قیامت، خاک بر سر میکند، دست چنار
ہم سفر بودیم باہم، در رہ عرفان ولی — او بپای عمر رفت وما بپای روزگار
شب سیہ پوش ار نباشد، در عزای او فلک — میکند از ثابت وسیار، اوراسنگسار
جانگیر دجسم پاکش در زمین باختر — بس کہ شوق کربلا کرد است اورا بیقرار
بزم کو د زخاک غلطد رزم کو در خون نشین — کاین زحاتم شد تہی، وان خالی از اسفندیار
روز سیرش بر سپہر وشب قرارش در زمین — ای زمین! وی آسمان! الاعتبار! الاعتبار

در فراق آن لب میگون ببزم غم شراب
میزند بر شیشہ سنگ ناامیدی از حباب

---

[1] رحیمی ۳ - صفحہ ۷۸۴

در عزایش بین که خون دیده، ره بر زخم گرفت — خنجر مژگان خوبان نیز، رنگ از زخم گرفت
بی گلستان جمالش، خلق را نور نگه — باز بر چشم است، و حیرانم که ابرو، خم گرفت
این چنین پیداست، از رنگ سیه پوشان خط — کز برای طبع پاک، او سخن ماتم گرفت
در زمانش جود از حاتم فرامش کرده بود — رفت و همت باز راه خانهٔ حاتم گرفت
سرخی رنگ بهار، از لالهٔ خورشید نیست — آتشی، زان خون ناحق، جست و در عالم گرفت

زهر دوران سوخت، در کامش زلال جام را
خون او، ترسم نگیرد، دامنِ ایام را

ما سیه پوشان، چو رنگ نیل، غم ارزان کنیم — صفحهٔ خورشید را هم، دفتر کیوان کنیم
چند غم در دل نهان داریم، کار از دست رفت — کاش! روزی چند هم، دل را ز غم پنهان کنیم
درد بیدردی، نصیب جان ما بادا، اگر — زخم را مرهم نهیم و، درد را درمان کنیم
سهل باشد مردنی، آسان بود جان دادنی — این قدر گر در فراق غازی ترخان کنیم
خون او را مثل یک اقلیم، ننشاند ز جوش — سیل اشکی سر دهیم و عالمی ویران کنیم
قاتلش، ترسم زید چندی، دگر نی مرگ را — هم بجرم مرگ او، در حبس جاویدان کنیم

در فراق آن لب میگون و خط سبز فام
گشت پاره جیب صبح و شد سیه رخسار فام

چرخ هر گه، یاد آن فرق بلند افسر کند — مشت خاک از جسم پاکش، گیرد و بر سر کند
یاد خورشید جمالش هر گه، آید در دلم — کلبهٔ تاریکم، از هر رخنه، صد خاور کند
مردن او را که، نی ممکن شناسم، نی محال[1] — خلق میگویند لیکن، عقل کی باور کند
بس که مرگ از مردنش، در چشم مردم شد عزیز — زندگی هر دم، بصد حسرت[2] کفن در بر کند

---

[1] ماثر رحیمی: مردنِ او را که نی ممکن شناسم بل محال. [2] ماثر رحیمی: بعد مردن.

خوردزہرجان گزاتا نسبت خود را درست　　باشہ کونین علی موسی جعفر کند

خون او، ترسم نگیرد از عدوی ملک و دین

شاہ نورالدین جہانگیر آبروی ملک و دین

درفراقش، زآتش گل، ساحت گلزار سوخت　　نغمہ سنجان چمن را، نغمہ در منقار سوخت

بس کہ در بزمش، زآہ نوحہ گر، آتش گرفت　　زخمۂ مطرب دران، گرمی زتاب تار سوخت

بس کہ دلہا، از فراق منشرقش، در آتشند　　کفر و دین را از تف دل، سبحہ و زنار سوخت

آتشی امشب زآہم جست کز تاثیر آن　　خانۂ ہمسایہ راہم، تا در و دیوار سوخت

از تف حرمان، تاج آسمان پیرای او　　اخگری شد لعل، کز تابش دل کہسار سوخت

میکشیدم طرح ماتم نامۂ، بر کاغذی　　آتشی جست از مداد و آہن پرکار سوخت

نکتہ سنجان زمان را، در غم ادراک او　　زآتش سحر سخن با دفتر اشعار سوخت[۵۱]

رفت و بی او زیب و فر، زینت دیوان نماند

بر کہ خواند کس سخن، چون غازی ترخان نماند

تا بنا کامی برون رفت از گلستان زندخوان[۵۲]　　شد لگدکوب فغان زاغ، گوش باغبان

گوش گل، راحت کجا یابد، زفریاد زغن　　باغ، کی رونق پذیرد، از ہوای ہرباران

عندلیبی ہست بر ہر گلبنی، لیکن ندید　　ہمچو غازی، نغمہ سنجی گلشن آخر زمان

روحش آزاد از غم و جسمش بطوف کوہ و دشت　　مرغ بال افگند و در پرواز ہر سو آشیان

روزگار از خرمی، یکبارہ مفلس شد مگر　　روزگار دولت او را، زسر گیرد زمان

تا بجیب آتش گرفت، از سوز این ماتم شفق　　تا بگردن غوطہ زد در نیل این خم آسمان[۵۳]

۵۱ ماثر رحیمی: زآتش بحر سخن با دفتر اشعار سوخت

۵۲ " : گلستان جہاں...　　۵۳ ماثر رحیمی: خم آسمان

بس کہ بی او تنگ شد آفاق بر مرشد، نماند ... در دل او جای صبر و، در تن او جای جان

دردہ زور آورد بر من، یاری درمان کجاست؟
چرخ با من کینہ دارد، غازی ترخان کجاست؟[1]

ہمارا خیال ہے کہ ملا مرشد ۱۰۲۱ھ سے لے کر ۱۰۲۲ھ تک ٹھٹہ میں مرزا کے مقبرے کی مجاوری کرتے رہے، جب میرزا رستم کے آنے کے بعد میر عبدالرزاق معموری میرزا غازی کے تمام لواحقین، خسرو اور دوسرے ارغونی اور ترخانی امرا کو ٹھٹہ سے نکال کر جہانگیر کے پاس اجمیر لے گیا، اس وقت مرشد بھی اسی تارکین وطن کے قافلے میں اجمیر پہنچے اور وہیں انھوں نے مہابت خاں سے وابستگی پیدا کرلی[2]۔

مہابت خاں بادشاہ کے حکم سے اجمیر ہی سے دکن کی طرف گیا، مرشد بھی اس کے ساتھ چلے گئے۔ شہزادہ خرم نے جب دکن فتح کیا تو مرشد نے قصیدے اور قطعے کہے اور پھر شاہزادے خرم کے دامن دولت سے وابستگی پیدا کرلی۔ اور ان کی مداحی میں بقیہ زندگی مشغول رہے، جیسا کہ میخانہ کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:

— باجمیر آمد و خود را داخل فہرست ملازمان ......
مہابت خان گردانید۔ دران ایام مؤلف این تالیف
نیز در بندگیان خان مذکور بود ..... تا وقتیکہ
محمد جہانگیر، خان مذکور از اجمیر بدکن مرخص فرمود۔ مرشد
در خدمت او بہ این ملک روان شد و این ضعیف

---

[1] ماثر رحیمی میں (۲: ۳۵۴-۳۵۷) تھوڑے اشعار ہیں ہم نے خطی دیوان سے (۴۰ الف۔ ۴۴ ب) لیے ہیں۔

[2] ماثر رحیمی میں ہے کہ جہانگیر کی ملازمت میں داخل ہونا ایک طول مل تھا اس لیے انھوں نے اس کی بجائے مہابت خاں کی ملازمت قبول کرلی۔ (رحیمی ۳/ ۳: ۷۸۱-۷۸۸)

بہ سیر کشمیر رفت ، بعد از دو سال و نیم از ..... کشمیر برگشتہ
بحسب تقدیر بہ سند آمد- دران ایام ..... شاہزادہ ....
خرم فتح دکن کردہ از برہان پور بپایہ سریر جہانگیری رسید و
از ولی نعمت خود خطاب شاہجہانی یافت[1] ...... خان
عالی شان مہابت خان نیز بہ آن جمع بود - مرشد دراین
وقت از وجدا شدہ بوسیلہ آصف خان ..... داخل بساط
بوسان شاہزادہ عالم و عالمیان شاہجہان گردید[2]

مآثر رحیمی کا قول ہے کہ : مہابت خان اور مرشد کے مابین رنجش پیدا ہوئی اور ملا حیدر بوانائی کے وسیلے سے خان خانان نے ان کو اپنے پاس بلایا[3] لیکن اس اثنا میں مرشد شاہزادہ خرم کے ہاں ملازم ہو چکے تھے ، بہرحال مرشد بقول رحیمی ۱۰۲۳ھ سے لے کر ۱۰۲۶ھ تک مہابت خان کے پاس ، میر بخشی اور رفیق رزم و انیس بزم رہے ، یہ جدائی مانڈو میں واقع ہوئی ، جب شاہزادہ خرم فتح دکن کے بعد وہاں آیا ۔ ۱۰۲۶ھ میں صاحب میخانہ بھی وہاں آئے اور ان کو شاہزادے کی ملازمت میں داخل دیکھا ۔ ۱۰۲۶ھ میں شاہجہاں کی ملازمت میں ہونے کا ثبوت ایک تاریخ سے بھی ملتا ہے جو الخون

---

[1] شاہزادہ خرم ۱۱ شوال ۱۰۲۶ھ کو قلعہ مانڈو میں داخل ہوا اور انھیں ایام میں اس کو شاہجہاں کا خطاب ملا (میخانہ ، لاہور ۸۱ تعلیقات بحوالہ تزک ۱۹۳)

[2] میخانہ ، لاہور ۴۱۳ ۔

[3] خوشگو کا قول ہے کہ : مرشد نے مہابت خاں سے الگ ہو کر خان خانان کو عریضہ لکھا ۔ خان خانان نے اپنے ہاتھ سے ان کو بلاوے کا رقعہ لکھا ، لیکن اس اثنا میں وہ خرم کے پاس ملازم ہو کر دو سو ذات اور ستر سوار کے منصب پر مقرر ہو چکے تھے (میخانہ ، لاہور ص۱۱۱)

نے شاہجہاں کی بنائی ہوئی ایک عمارت کے لیے کہی ہے:

این قصر کہ رشک چرخ خرگاہی شد — صد شکر کہ آن چنان کہ میخواہی، شد

معمار سبک دست، چو طرحش افگند — تاریخ بنا۔ عمارت شاہی۔ شد[۱]

۱۰۲۷ھ

آخری مرتبہ مولف میخانہ سے ان کی ملاقات ۱۰۲۸ھ میں ہوئی۔[۲]

مرشد ۱۰۱۲ھ میں ایران سے نکل کر جب ساحل سندھ پر پہنچے ہیں تو اس کے بعد تقدیر نے پھر کبھی ان کو اپنے وطن واپس نہیں جانے دیا۔ یہیں ہند میں رہے اور جس جگہ فوت ہوئے[۳] اسی خاک میں مدفون ہوئے، نہ جائے وفات کا علم ہے اور نہ مدفن معلوم۔

ان کی وفات بقول سرو آزاد[۴]، نشتر عشق اور شمع انجمن ۱۰۳۰ھ میں ہوئی لیکن یہ غلط ہے کیونکہ ۱۰۳۱ھ میں انھوں نے شاہجہاں کے سلسلے میں جو تاریخ کہی ہے وہ دیوان میں موجود ہے، علاوہ ازیں ۱۰۳۰ھ میں جہانگیر نے آگرہ میں جمنا کے کنارے ایک قصر بنوایا، اس کی تاریخ بھی مرشد نے کہی ہے:

شاہ عالی نسب، کہ چنبر چرخ — بر درش، ہست حلقۂ ززمین

برلب آب جمنہ در آگرہ — ساخت قصری برغم چرخ برین

کز لبوی بہار تصویرش — شد مشام ہوا، عبیر آگین

۱؎ دیوان A ۱۶۱

۲؎ میخانہ گلچیں، ص ۶۰۲

۳؎ آتشکدہ ص ۲۴۸، اشپرنگر ص ۹۲، نصرآبادی ص ۲۵۳، میخانہ لاہور ص ۸۲ تعلیقات۔

۴؎ سرو آزاد ص ۳۱، مقالات الشعرا ص ۷۵۳، شمع انجمن ص ۴۲۶۔

سبزهٔ صحن گلشنش، برخاک | ریخته آب روی، فروردین
میتوان گفتش آسمان، هرچند | کس ندیداست آسمان، از طین
چرخ بهر نثار، کنگره اش | برطبق کرده، لؤلؤ از پروین
عندلیبان باغ، تصویرش | مترنم بنالهای حزین
باقدخم، بزیر ایوانش | چرخ پیراست، اعتکاف نشین
همه تن چشم، گشته پنجره اش | در تماشای، بزم خلد آیین
دست تصویر پر دهان درش | از گل جام او بود گلچین
نبود خلد، لیکن از شرمش | خلد شد، چون عروس پرده نشین

گشت رشک بهشت و تاریخش
دل رقم زد - بهشت روی زمین[1]

۱۰۳۰ھ

۱۰۳۱ھ کی کہی ہوئی تاریخ یہ ہے:

حضرت شاه جهان، کاقبال او | چرخ پیما شد، بگام خرمی
ساخت عشرت خانهٔ کز دیدنش | تازه شد در دهر نام خرمی
ساقی تصویر در وی میدهد | بادهٔ عشرت، زجام خرمی
عشرت جاوید در اطراف آن | میتوان رفت از خرام خرمی

این مقام دولتش چون شد تمام
گشت تاریخش - مقام خرمی[2]

۱۰۳۱ھ

---

[1] دیوان ۱۳۱ ب [2] دیوان A ۱۲۹ - B ۱۲۸ -

مرشد بروجردی نے بقول صاحب میخانہ ۱۰۲۸ھ تک اپنا کلام ایک بیاض میں جمع کرلیا تھا، جو تعداد میں ۶ ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔[1]

دیوان کے نسخے نادر ہیں :

۱- مولانا شفیع نے ایک دیوان سے استفادہ کیا ہے جو دیوان بہادر راجہ نرندر ناتھ لاہوری کے کتب خانے میں تھا (تعداد اوراق ۸۶، تقطیع ۷½×۴½، سطور ۱۲-۱۵) ان کا قول ہے کہ یہ وہی نسخہ تھا جو محمد علی خاں متین، صاحب - حیات الشعرا - کی ملک میں تھا۔

۲- ایک نسخے کا ذکر اشپرنگر نے کیا ہے جو موتی محل کے کتب خانے کی ملک تھا۔[2]

۳- دیوان کا ایک نسخہ ایران کے مرحوم عبدالحسین بیان کے ذاتی کتب خانے میں تھا، جہاں سے دانشمند عزیز آقای گلچین معانی نے کچھ غزلیں انتخاب کی تھیں۔ یہ دیوان ۱۰۳۱ھ کا مکتوبہ تھا۔[3]

۴- دیوان کا ایک انتخاب میر غلام علی آزاد کی نظر سے بھی گزرا تھا، جس سے انھوں نے چند اشعار منتخب کیے ہیں۔[4]

۵- ایک نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں ہے (SP I VI ۷۰-۴۶۸۱) جس کے پہلے آٹھ ورق غائب ہیں، باقی کی تفصیل یہ ہے :

(i) قصائد : ورق ۹ تا ۴۳

(ii) ترکیب بند : ورق ۴۳ب تا ۹۴

(iii) مثنوی : ورق ۹۴ب تا ۵۹

---

[1] میخانہ گلچیں، ص ۵۹۷ [2] اشپرنگر ص ۵۰۸

[3] مکتوب آقای گلچیں بہ راقم الحروف مورخہ ۷-۸-۱۳۴۷ [4] سرو آزاد ص ۴۲۔

(۷) غزلیات : ورق ۶۰ ب تا ۱۱۷

(۷) قطعات تاریخ : ورق ۱۱۸ ب تا ۱۳۱

(۷) رباعیات : ورق ۱۳۲ ب تا ۱۶۴

(۷۱) ہجویات : ورق ۱۶۵ تا ۱۶۹

(۷۱۱) رباعیات ناتمام : ورق ۱۷۰ تا ۱۷۳

ہمارے سامنے یہی دیوان رہا ہے اور اشعار کا تمام مواد اسی سے لیا گیا ہے۔

دیوان کے مطالعے سے مرشد کے ذاتی رجحانات، پسند اور ناپسند اور دیگر نفسیاتی اتار چڑھاؤ پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے، نیز کن کن اشخاص، امرا اور مغل شہزادوں اور سلاطین کی مدح ہے، اس کا بھی علم ہو جاتا ہے۔ ہم ان کے دیوان سے بعض چیزیں یہاں درج کر رہے ہیں، جن سے مرشد کی، یہاں کی زندگی کا قارئین کو اندازہ ہو سکے گا۔ مثلاً ہندوستان کے سلسلے میں مرشد نے اپنے اشعار میں اس طرح ملے جلے جذبات کا اظہار کیا ہے:

مرشد بشام ہند، نسنجد شمیم عشق — شاخ گل تو بوی عجم، میدہد ہنوز ۹۲ ب

بتان ہند بے رحمند مرشد — سیہ شد روز عیشم، زین بتاہان ۱۱۲ ب

مرشد کہ زشیراز نمیکرد سفر — در ہندستان فتادہ زان سان کہ دگر
دستش نرسد بدامنت گر شیراز — بیرون آرد، زجیب ہندستان سر ۱۴۶ ب

مرشد کہ چو او نیست بعالم رندی — بہتر تو گزیدہ از دو عالم سندی
گر دست رسی، باآفرینش میداشت — ہردم بی مذلت آفریدی ہندی - ۱۵۴ - الف

تمغاچی لارتا مسلمان نشود — کس را از ہند میل ایران نشود
در بند کشیدہ باد را گر بر شش — نقش قدم روندہ پنہان نشود ۱۶۲ - الف

پری از گلشن ہند ار بیارایم بہ پروازی — عجب نبود کہ تحت آشیانی در عجم دارم - ۱۰۲ - الف

در ہند خوار شعرم واین طرفہ کار بیت ہر بیت در بزرگی خویش و تبار من ۱۰/۰۸

جیسا کہ فیضی نے حسن گجرات اور احمد آباد کی تعریف کی ہے، مرشد کے دل کو یہاں راجپوت قوم نے اپنا والہ و شیدا کیا اور اس نے اس سلسلے میں دو غزلیں کہہ ڈالیں:

(۱)

خاک شو، در آرزوی راجپوت تا چو گل، روی زکوی راجپوت

در کمان افتادہ ام، از ضعف خویش کاین منم، یا تار موی راجپوت

تشنہ لب ماندم، کہ سنگ حادثات دور بادا، از سبوی راجپوت

کو بکو منزل بمنزل تا بدل میتوان رفتن بسوی راجپوت

دایہ، گوئی زآب روی، آفتاب دادہ چون گل، شست و شوی راجپوت

حاجیا را کعبہ ارزانی! کہ من قبلۂ دارم، ز روی راجپوت

خون مرشد بین کہ، چون آب روان

موج زن آمد، بجوی راجپوت[۱]

(۲)

خو بی تعظیم دین راجپوت گشتہ صندل، بر جبین راجپوت

سرو قد، خورشید منظر بر دمد ہر چہ کاری در زمین راجپوت

تا چہ در بر میکشد، یارب! کہ باز باز شد آغوش، زین راجپوت

شد ید بیضای دیگر، آشکار از شکنج آستین راجپوت

بس کہ، بر قتل اسیران، مہر زد سودہ شد، نقش نگین راجپوت

کافرم گر دیدہ ام در ملک ہند نور دین، جز در جبین راجپوت

---

[۱] دیوان ب ۷۵

بر دمرشد را برون از انجمن

دلبر خلوت نشین راجپوت [1]

ویسے گجرات کو بھی انھوں نے نظر انداز نہیں کیا، ایک غزل میں گجرات کو بھی یاد کیا ہے:

شب کہ، بریاد رخش از خرمی، گل میشگفت
نغمہ، چوں گل، بر سر منقار بلبل میشگفت

بس کہ میناليد، از ذوق تماشائے چمن
برتن مجروح بلبل، پوست چون گل میشگفت

حلقہای طرہ ات، شب روزن خورشید بود
یاز اعجاز جمالت، شاخ سنبل میشگفت

خندہ میزد دوش، عضوی، کہ بی زخم تو بود
ہر گل زخمی کہ، از تیغ تغافل میشگفت

خاطر مرشد کہ در گجرات، گل را غنچہ کرد
دوش گل گل، از نسیم راہ کابل میشگفت [2]

مرشد نے بہت کچھ ہجویات کہی ہیں، بعض اتنی عریاں ہیں کہ ان کو یہاں لکھنا دشوار، بلکہ ناممکن ہے، لیکن بہر حال جب کسی کی ہجو کہی ہے تو کھل کر کہی ہے اور گالی تک نوبت پہنچادی ہے۔ ہمدان کے ایک قاضی احمد سے پرخاش تھی، اس نے غالباً ابوالقاسم نامی کسی شخص کے خاندان سے خیانت کی اور یتیموں کا مال ہضم کر لیا تھا، مرشد نے طویل ہجو کہی، اُس کو گالیاں دیں، اُس کے لڑکے کی خصلتیں لکھیں اور پھر اُس کے لیے لکھا ہے کہ:

شب کہ در کنج خانہ اش بودیم ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ برکس خواہرش زدیم چنان

---

[1] دیوان الف ص۲۲ ‏ ‏ ‏ [2] دیوان ۷۷ الف - ب

کز خون بکارتی، کہ نداشت | سرخ روشد چو، لالۂ نعمان
... ... | ... ...
شوہر خواہرش بوقت زفاف | زوکف قہوہ خواست، شد گریان
سبب گریہ را، چو پرسیدند | ہمز بانانش، آشکارو نہان
گفت: ازین غصہ چون نگریم خون؟ | کہ بوقت چنین، حریف چنان
قہوہ میخواہد و، نمیداند! | کہ، ازان روسیاہ نافرمان
قوت باہ را، چہ نقصانہاست | خواہرم راچہ غصہاست بجان[1]

غالباً شیراز میں ملا احمد نامی کوئی شخص تھا، مرشد نے اس کو بھی بہت بری طرح جیاں سنائی ہیں[2]

ایک تاریخ کہی ہے:

یار ممسک چو گشت امشب داماد | گفتا: عروس بی بکارت فریاد
گفتم کہ کششی دریدو تاریخش ہست | گفتا: ممسکِ بکارتش دادبباد

۱۰۱۱ھ

یہ سندھ میں ہوتے ہوئے کہا ہے:

من و آن شوخ، کز طراوت او | سند شد، رشک روضۂ کشمیر
کہ سراپای او، بیا شامد | شوق تا ہار من نگردد سیر
سر نہ پیچم ز راہ وصلش اگر | موی بر فرق میشود شمشیر
عضو عضوم، بیاد آن تل سیم | آن چنان گرم جلوہ شد از دیر
کہ ہمہ شب بیاد شقبۂ او | بحث دارد زبان من باگیر

---

[1] دیوان ۱۶۶ اے. بی [2] دیوان ۱۶۸ بی

ایک بزرگ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:[1]

ای خواجہ خر! دوش زکاشانۂ تو　　رفتیم، چو مہر از دل بیگانۂ تو
نی نی غلطم، زکنج ویرانۂ تو　　جستیم چنانکہ، عصمت از خانۂ تو[2]

مرشد کے پاس ایک مریل گھوڑا تھا، یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ ہمدان میں زیر ران تھا، یا شیراز میں اس پر سواری کرتے تھے، یا پھر سندھ میں ان کے پلّے پڑا، بہرحال اتنا یقین ہے کہ سندھ میں ان کے اصطبل میں ان برے حالوں کا گھوڑا نہیں ہوگا، اس کا حال یہ تھا:

اسپکی، نیم مردہ، دارم　　در جہان، از ہمہ متاع جہان
جسمش آنسوی مرگ، صد فرسنگ　　ماندہ، در زیر بار منت جان
سخن از وصف ضعف و کاہلیش　　پای رفتار سست کردہ چنان
کہ اگر مرغ گردد و، بپرد　　نرسد سالہا زدل، بزبان
نکند تا بروز محشر، طی　　عرض مویش، اگر شود میدان
گفتم از بہر، زین و پالانش　　مصلحت بینی آورم بمیان
ناگہم ہاتفی ندا در داد　　کافرینندۂ زمین و زمان
دردم آفریدنش، میگفت:　　حیف از زین! دریغ از پالان![3]

مرشد نے مندرجہ ذیل قطعے میں اپنے حجرے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اپنی معیشت اور طرز بود و باش کی تصویر دی ہے:

حجرۂ دارم از ملکِ جہان　　لیکن آن ہم، چو دلِ خود ویران
تیرہ تر، از دل ارباب گناہ　　گرم تر، از نفسِ دوزخیان

---

[1] دیوان ۱۶۹ الف　　[2] دیوان ۱۷۱ - الف
[3] دیوان ب ۱۲۹

زآتش جوع من و یارانم — در و دیوارش گزست جنان (؟)
کز دل شعله مکند آب درو — بهر اطفای حرارت نیران
شده زآنگونه تهی، از همه چیز — کز درون آمدن خویش دران
نبرد غیر خجالت، سائل — نخورد غیر تاسف، مهمان
هر زمان، از پی نظارهٔ قحط — بر در و بام وی آید، کنعان
کس ندیدست درو، روی طعام — چون خریدار هنر، در ایران
بس کز آوازهٔ قحطش، در شهر — سفرها، گشته نقاب رخ نان
آدم از شوق زبانرا بخورد — نام نانش اگر آید بزبان
من درین حجره باین حال و هنوز — حاسد از رشکم با آه و فغان
که بجز مرشد امروز، کسی — نیست، منظور سلاطین زمان
قدرتش هست بحدی، که اگر — ساعتی صد بار بیاراید خوان
آب از کوثر آرد، پی آشش — گندم از سنبله آرد پی نان
من برهنه، سر و پالنگ، هنوز — چشم حاسد ز قفایم نگران
کز پی پوششش مرشد، گردد — رشتهٔ شمع قمر تار کتان
ای که! گوشت همه بر حرف منست — طبع سنجی ست غرض، زین سخنان
ورنه در خاطر رندان، هرگز — نگذرد بود و نبود دو جهان
در قناعت که مبارک بادم — چون منی، باز نیارد دوران
گر درین حسرت صدره زاید — باز گردد به ازل دور زمان
گرچه در دهر ندارم، جائی — که توان بود، دمی شاد دران
وسعت از کنج دلم، وام کند — کشور قیصر و ملک خاقان
بازم از قلزم اندیشه، دری — سر برآورده، چو موج عمان

درتن لاغرم، از بار روان	تکیہ برخم زدہ صد کوہ گران
خفتنی گور، ز سستی بدن	خوشترم آید، ازیں سیر جنان
ضعفم انگندہ بحالی پی دوست	کہ شب دوری و در دہجران
آہ اگر تکیہ بر آتش نکند	برنخیر زدرونم آسان
میدرم جامہ بذوقی کہ مپرس	در غم یاری کاندر غم آن
چاک جیبم کہ بسوزن مرساد	دمبدم بوسہ زند بر دامان
آگہ از حال دل خویشش نیم	بس کہ از خود ہمہ دارم پنہان

غنچۂ دل بہ نہانی بستم

کہ بجز خار نچیدم بر ازان[1]

مرشد نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے، میر غلام علی آزاد نے لکھا ہے کہ:

ــــ زبان خوبی دارد وسخن بقدرت میگوید۔ قصائد و

مثنویات او، بہ از غزل است[2]

حقیقت یہ ہے کہ مرشد نے جس صنف کو لیا ہے۔ اس میں مضامین کو اگر آسمان تک نہیں پہنچایا تو کسی طرح زیر بھی ہونے نہیں دیا۔ رباعی، غزل، مثنوی، ہجو، تاریخ پر یکساں طور سے، ان کی فکر اور قلم حاوی ہے۔

میرزا غازی کے قصائد میں یا رباعیات یا غزلیات کے انتخاب میں اس کا اندازہ کیا جا سکے گا۔

اس سے پہلے کہ ہم میرزا غازی سے متعلق ان کے اشعار کا انتخاب پیش کریں، ایک تاریخی قطعہ درج کرتے ہیں، جو ۱۰۱۸ھ میں یقیناً سندھ کے اندر عبدالغفور نام کے کسی

---

[1] دیوان الف ۲۴ - الف ۲۵ [2] سرو آزاد ۱۴

معزز شخص کے لیے انھوں نے کہا ہے، جو ان کی نظر میں علمی اور روحانی تربیت میں شیخ شبلی سے کم نہ تھا۔

شیخ شبلی منزلت، عبدالغفور — کز وفاتش، خضر مشتاق قباست
رفت ازین محنت کدہ، وز رفتنش — عشرت آباد دلم، ماتم سراست
گر بجای اشک، بر خاکش کنون — جان فشان کردند یارانش، رواست
تا نمیری، در فراقِ یار خویش — کس چہ داند، قدر یاری، تا کجاست
گر بصورت مرد، در معنی نمرد — خود فنای جسم او، عین بقاست
مرگ درویشان حیات دیگر است — ابتدای عمر ایشان، زانتہاست
بس کہ ہر دم بہر حاجت، گل رخان — بر مزارش روی مالند و رواست
سبزۂ خطِ بتان، بر خاک او — نقش بست و، غیر بنداردہ، گیاست
دی کہ، بہر جستن تاریخ او — نکتہ سنجان راز فکرت، جان بکاست

مرشد از غم چون جرس، نالید و گفت:
"شیخ حق - تاریخ فوت شیخ ماست"[1]

۱۰۱۸ھ

پیش نظر دیوان نامکمل ہے چنانچہ اس میں وہ قصیدہ نہیں ہے جو مرشد نے سندھ میں پہنچنے پر میرزا غازی کے حضور میں پیش کیا، جس کے چند اشعار میخانہ میں موجود ہیں۔ علاوہ ازین ابتدائی اور آخر کے اوراق بھی غائب ہیں۔ میرزا غازی کے سلسلے میں جو کچھ اس دیوان میں ملا ان میں سے کچھ پہلے کے اوراق میں درج کیا جا چکا ہے۔ بقیہ ان سطور کے بعد دے رہے ہیں، غزلیات اور رباعیات سے بھی انتخاب پیش کیا جا رہا

---

[1] دیوان الف ۱۲۷۔

ہے تاکہ قارئین کو مرشد کی روشِ شعری اور اندازِ بیان کا اندازہ ہو سکے۔ دیوانِ مرشد نہ فقط غیر مطبوعہ ہے بلکہ نادر بھی ہے، اس لیے بھی ہم نے انتخاب دینا ضروری سمجھا۔

قصائد بسلسلہ میرزا غازی

(۱)

نماز شام، کہ کردم بصد ہزار ملال — وداع، خسرو بسیار دان اندک سال
سوارہ گشتم بر کرہ، کہ نقش پیش — نہادہ مہر ادب بر لب دبور و شمال
فلک ز گوشۂ نعلش، نہ بود محرابی — منجمش بغلط نام کردہ است، ہلال
بگاہ پویہ، چنان جمع میکند خود را — کہ لحظہ لحظہ، دمش سر برون کشد از بال
بہ نیم چشم زدن، میرود ز شرق بغرب — مگر ز صیت من آموخت، رسم استعجال
اگر عزیمت جستن کنی برو، بجہد — چنانکہ، از دل مرد سخی، محبت مال
وگر خیال رسیدن کنی برو، نرسد — چنانکہ، از پی کاف کمال، زای زوال
نہ کوکب است بروی فلک، کہ در شبگیر — رخ سپہر منقش کند بمیخ نعال
کند بہ نیم قدم طی، عرصۂ امکان — گرش از حلقہ سپہر شکال (کذا)
رہی بہ پیش گرفتم، کہ کوتہی آورد — بمدت شب ہجر و امید روز وصال
رہی دراز تر از دست، ظلم بر مظلوم — رہی مخوف تر از دوستی، شیر و غزال
رہی چنان بصعوبت، کہ نوبت حرمان — رہی چنان بدرازی، کہ مدت آمال
رہی بقتل مسافر، چو نانزدیک (کذا) — ولیک دور تر از طبع بوالہوس زلال
رہی کہ در پی ہر رہروی فتادہ، درد — بجای نقش قدم، چشم رہزنی قتال
رہی بقتل مسافر چنان، کز و تا مرگ — دو گام نیست، چو ہجر شہ فرشتہ خصال
چراغ دودۂ ترخان، محمد غازی — کہ، دین احمد مرسل باو، گرفت کمال

یگانه‌ای، که زبیم خدنگش، از میدان
کند، بصلب پدر انتقال، رستم زال

مجاهدی، که خدنگش در آهن و فولاد
چنان رود، که سر نیش در رگِ قیفال

سخنوری، که ز تاثیر نکتهای ترش
روان شود ز شرر، چشمهای آب زلال

بمرگ شاهد معنی، سیاه پوش بود
هر آن سخن، که نه او بر سرش نویسد فال

زهی ز وصل تو ملتان عالم از دهدی
زهی ز هجر تو، تته چو کیسی از دجال

درست میزان سنجی بعرضگاه سخن
هزار طعنه زند بر ترازوی اعمال

اگر ز شعر تو، خوانند در چمن، غزلی
بجای گل، شگفد گوش مستمع، ز نهال

زشوق گردن و گوش عروس احسانت
چو لاله، جوش زند لعل، در مشام خیال

حرارت غضبت عضو عضو دشمن را
ز پوست ریخت برون، همچو آب از غربال

سرای دشمنت، از بخت ظلمت آبادست
چو طور، اگر ز تجلّی بسر کشد، سربال

گذشت پایۀ قدرت ز عرش، پنداری
ز جنس فکر منش ساخت ایزدِ متعال

ز بهر سجدۀ کویت، تمام جبهه شوند
چو آفتاب، در ارحام مادران، اطفال

قسم بجان تو، کان میکشم ز هجرانت
که شمع وقت سحر، آفتاب گاه زوال

زراع قامت ایام عرض دامن چرخ
که ایمنند ز اندیشۀ فنا و زوال

هزار بار دمی، در کفم بفرسایند
که اشتیاق به کز باشد آرزو بجوال

انیس بزم تو بودم، امارتی دادی
ز صدر قرب فرستادیم، بصفِ نعال

سرم بافسر خانی بلند کردی، لیک
هنوز پستی فقرم، بپا نهد خلخال

گرفتم آنکه بمنصب دلی بدست دهم
چنانکه، مردم نادان، بحیلۀ محتال

مراد مرد ز منصب همین، لوازم اوست
چو این نباشد، درباز خوشتر از اقبال

ز حرف میوه، نیابد لب و دهن، لذت
ز نام باده، نگردد پیاله مالامال

من و امارت و منصب، چنان بود که، دهند
به تیغ خدمت چوب و، بشیر جای غزال

بآفتاب، کسی نور داده، از مشعل — بکوهسار، کسی نعل داده از کوبال
مرا مصاحبتِ شاه شاعری بر ازان — که دور باشم و باشم بجاه استقلال
چکار آید آن منصبی، که نسبت من — کند درست بسودائیان جاه و جلال
من و ملامت و رندی، که در دلم هرگز — نمیدهد ره فکری بجز غم خط و خال
اگر مرا، تو ندانی؟ خدای میداند! — که ذل فقر برم، به ز عزت جیپال
مرا دلیست بوسعت، که ملک حق، باوی — چو ملک تست بر ملک ایزد متعال
حدیث ماضی و مستقبلم، چه میپرسی؟ — که در حوالی من حال را، نماند مجال
میان رفته و آینده، خلوتی دارم — که نیست در وی، جز ذوالجلال جل جلال
بیاد بزم تو، در باغِ خاطر مرشد — کشاده ام قدم سیر، همچو آب زلال
برای گوشهٔ دستار دولت تو، گلی — ازان ریاض، فرستاده ام بدست خیال
که هر که یاد عزیزان نمیکند، در سیر — برو بگفتوی گل گشت باغ هست حلال
همیشه تا شب و روز زمانهٔ گذران — زماه نیست برون آنچنانکه ماه از سال

تمام شام تو، چون شام آخر رمضان
تمام روز تو، چون روز اول شوال[1]

(۲)

خواهم بعاریت، ز نسیم بهار پای — تا در نگار گیرم ازان رهگذار پای
از آتش فراق تو، جوشید گریه ام — چندانکه، شست عنصر خاک، از غبار پای
ازبس که، عکس روی تو، بر بام و در فتاد — روشن شود ز خاک رهت، دیده وار پای
از سیر روز و شب نرهم بر درت مگر — گامی دو بیشتر نهم از روزگار پای

---

[1] دیوان ب ۱۹ - الف ۲۲

غافل مشو که، قافلهٔ نالهای زار — بیرون نهاد، از دل شب زنده دار پای
بیم است چرخ را، ز شکست کلاه من — روزی دو گر توان ز سرم بر ندار پای
گر بگذرد بگلشن کویت، نسیم صبح — در گل فرو برد ز غمت، سبزه وار پای
ناید خبر ز کوی تو، گویا نسیم را — از عکس عارض تو بود در نگار پای
خون میدمد ز نقش پی من، ز بس مرا — در سنگلاخ عشق تو، شد لاله کار پای
از نقش پی بر آب شود گلفشان داغ — با آهم ار نسیم نهد، در بحار پای
در بزم وصل، غیر هم آسوده از فراق — یکجا نهاده نشأهٔ من با خمار پای
راهیست جلوه گاه مرا، دم که سنگ را — گردد ز برگ لاله در آن ره فگار پای
پای نمی نهم، بسر آرزوی دل — رسم کجاست اینکه، نیاید بکار پای
ای شوق! در طریق وفا، سست میروی — نی مرد این رهی! تو بمن واگذار پای
خود را مده بباد، هواهای دل چو دود — گر عاشقی، چو شعله بر آتش فشار پای
از دامگاه طینت خود، پیشتر خرام — گامی دو بر هوا نه و، از دل برآر پای
پیش از اجل، رسیده بسر، عمر عاشقان — یا آنکه، کرده اند بعشق استوار پای
گامی دو بیش، چون بخرامد بخویشتن — عمری که، دارد از تگ لیل و نهار پای
کشتی فگنده ایم به بحری، که موج ریز — در وی، بسالها ننهد بر کنار پای
تا پا نهاده ام، بره آستان شاه — بر چشم خویش، مینهم از افتخار پای
یعنی علی موسی جعفر که در رهش — هر دم ز سر کند، فلک بی مدار پای
کعبه، ز اشتیاق طواف حریم او — زارکان خویش، کرده هویدا چهار پای
گر ز احتساب عدلش آگه شود، نسیم — گستاخ کی نهد، برخ لاله زار پای
از بهر آنکه، پای براهش ز سر کنند — اطفال در رحم نکنند اختیار پای
صافی نمیشود دل خصمش، ز زنگ کفر — ظلمت، کجا برون نهد، از زنگبار پای

البرز، سر ز جیب صبا آورد، برون — جای که حلم او، شکند در کنار پای
شاها! بحال غازی ترخان ترحمی[1] — کز سر براه مهر تو، کرد آشکار پای
فرمان روای سند، که هر لحظه میکند — چشمش براهت از مژهٔ اشکبار پای
گر بگذرد بکوه وقار تو، گرد باد — در خاک استوار کند، چون منار پای
در خشک سال چشم تو از تاب تشنگی — طوفان کشید از لب دریا کنار پای
زد از حباب آبله، از بس که، آب را — در جستجوی خاک درت شد فگار پای
آشفتگی، بدور تو گم شد چنان، که چین — بیرون نهاد از شکن زلف یار پای
در عرصه، که حفظ تو، از کف دهد عنان — سنگ از مصاف شیشه، نهد بر کنار پای
از دستبرد تیغ تو، هرگز نمی نهد — در کشور تو، حادثهٔ روزگار پای
تقدیر اگر موافق حکم تو نیستی — گستاخ کی نهادی در قندهار پای
ای سروری! که در صف رزم تو خصم را — گردید عضو عضو ز بهر فرار پای
مرشد لقب سگی ز مکان علی و آل — افتاده بر درت، ز سرش وادار پای
افتادنش ز عجز، مدان کاژدهای چرخ — در راه او، ز سینه کند همچو مار پای
از ننگ غم عنانی او، بگسلد مهار — گر بختی فلک، نهدش در قطار پای
مسکین قدم ز کوی تو بیرون نمینهد — آنکه دارد از سر هر مو هزار پای
تا هر سحر، چو برگ گل، از جنبش نسیم — مستان نهند بر زبر مرغزار پای

گل ریزد می گسار، که از رشک مجلست
عمر حسود گرد ز باد بهار پای[2]

---

[1] یہ جہانگیر سے خطاب معلوم ہوتا ہے۔ جب درباری سازش کی بنا پر جہانگیر نے مرزا کو قندھار سے فوراً واپس ہونے کا حکم بھیجا ہے، یہ اس وقت کہا گیا ہے۔

[2] دیوان ب ۲۷ - الف ۲۹ -

(۳)

عکس یار افگند پرتو، بر شراب — ساغرم، لب ریز گشت، از آفتاب
ساغرمی، در کف ساقی بسوخت — بس که، عکسش ریخت آتش، در شراب
آتش خورشیدم، از شرم رخش — آب شد، گردند نامش ماہتاب
مرغ دیبا، بلبل بستان شود — گر براندازد گلش، از رخ نقاب
چون سوال، از چشم مست او، رود — بر لبم، مستانه میآید، جواب
در غمش، جای که آہم سر کشد — شعله را، بنود مجال التهاب
گر بدشت محشر آیم، بگذرد — بر حساب کار من، روز حساب
بسکه، آہم سوخت گردون را بنار — بسکه، اشکم داد عالم را، بآب
چار دیوار عناصر ماند، وبس — ترسم! این ویرانه ہم، گردد خراب
در لگد کوب ستم بردم بسر — روزگاری، خوشتر از عہد شباب
امن و آسائش، زنان را درخور است — لائق مردان چه باشد؟ انقلاب
سر مبادم، گر نه رشک افسر است — بر سر من، سایۂ مالک رقاب
شاه دریا دل، که تیغش در نبرد — بسترد، از لاله رنگ، از ژاله آب
آنکه حزمش، تند خیز است از ثبات — وآنکه عزمش، کند سیر است از شتاب
آفتابش، نقطۂ پرکار چتر — آسمانش، حلقۂ چشم رکاب
باغبان، در نو بہار دولتش — از گل خورشید، میگردد گلاب
در ہوای قدرتش، گر پر زند — کوه را، از پا در آویزد ذباب
بحر از بہر گدائی، بر درش — کاسها در دست دارد، از حباب
گر بر آرد، دست جود آستین — جیب کان گردد تہی، از لعل ناب
چون نویسم، وصف رای او کنم — دوده از دود چراغ آفتاب

بس که، دلها صاف شد، در عهد او　　سنگ بر آتش نمیگردد حجاب
گر ببارد ابر لطفش، بر دمد　　گنج خرسندی، ز دلهای خراب
ور بجوشد، بحر قهرش بشکند　　کشتی افلاک، از موج سراب
گر کنم وصف کمند پرخمش　　در گلوی من، نفس گردد طناب
ور نویسم نام، تیرا و جهد　　از نی کلکم بجای مد، شهاب
بر خلاف طبع، اگر فرمان دهد　　مایهٔ آرام گردد، اضطراب
شب همه شب، بهر پاس دولتش　　کحل بیداری کند، در دیده خواب
مطلعی در بزم وصف خاص او　　بر زبان آمد، چه مطلع صد کتاب
مطلعی، هر حرفی از وی، چند فصل　　مطلعی، هر لفظی از وی، چند باب
در هوای بزمش، از تاب شراب　　مرغ هم، در بیضه میگردد کباب
ناخن مطرب بزمش، دمبدم　　میشود از نغمه، رنگین خضاب
هر نفس، از اشتیاق مجلسش　　زهره، تار آه بندد، بر رباب
از بخور مجلس او، بوی جان　　در مشام خویش، دزدد مشکناب
بزمش از مردم بود، گنج گهر　　لیک هر گوهر، ز کانی انتخاب
کامگارا! در هوای مجلست　　کارزویش سوخت، جان شیخ و شاب
مدتی میگشتم از دنبال دل　　لیک چون زلف بتان در پیچ و تاب
پیشتر از خود بمنزل آمدم　　بس که در راه طلب کردم شتاب
دیدم این فردوس، ذوقم بیش شد　　تشنه تر گردید مستسقی ز آب
گرچه بعد از مدح، رسم شاعراست　　عرض کردن مطلب خود، بی حجاب
من ندارم غیر ازین مطلب، که هست　　از دعای تو زبانم، کامیاب

باد نامت زیب اوراق دعا
تا بود نام از دعای مستجاب[1]

(۹۴)

بازم دل خسته، در فغان است | بازم غم دل، جهان جهان است
صد جای شکسته، در درو نم | تیری که هنوز در کمان است
مائیم و همین دلی که، آن هم | پیوسته، برای دیگران است
هر لحظه فرو برد، زمینم | از بس که دلم، ز غم گران است
یادلب یارو لب همه شب | بر ریش دلم نمک فشان است
آزرده مشو، ز دود آهم | کاتشکدهٔ تراد خان است
از زخم غم تو، جوی خونی | در هر بن موی من روان است

از بس که، ز خون دل زدم جوش
از دیگ فلک فتاد سرپوش

خود را ز غبار غم، نشویم | گر بحر بجوشد، از سبویم
یک ذره ز دل، نشان نیابم | عمری، بچراغش او بجویم
از حسرت ناوکت، پس از مرگ | پیکان شوم ز دل بر ویم
از کوی فراق، چون گزارم | چون بسته ره، از هزار سویم
رحمی که! صد آرزو، گره شد | با هر نم گریه، در گلویم
زنهار مکن ز گریه منعم | کز چشم تراست آبرویم

---

[1] دیوان الف ۳۲ - ب ۳۳

[2] ہمارے خیال میں مرشد نے یہ مرثیہ بھی غازی کی موت پر ان کی یاد میں کہا ہے -

اشکم چو ز دیده خواب شوید
رنگ از رخ آفتاب شوید

زندانی زلف یار خویشیم — ماتم زدهٔ دیار خویشیم
ایوب نه ایم، لیک ما هم — محنت کش، روزگار خویشیم
پیوسته در آتشیم از خویش — ما داغ دل فگار خویشیم
عزت طلبی، نه شیوهٔ ماست — ما دشمن اعتبار، خویشیم
صد پردهٔ راز، پاره کردیم — یک لحظه که، رازدار خویشیم
در دشمنی خودیم تا شب — آن روز که دوستدار خویشیم
هرگز بمراد خود نبودیم — عمریست که شرمسار خویشیم

تا چند، بکام غیر باشیم
در کعبه مقیم دیر باشیم

غم از دو جهان، کار گیرد — تا در دل من، قرار گیرد
ابری که، بدشت عشق بارد — آب از دم ذوالفقار گیرد
از حلقهٔ کعبه، ننگ دارد — دستی که، رکاب یار گیرد
روزی که، جهان زعکس رویت — خاصیت نوبهار گیرد
گر پای صبا گشاده باشد — از سیر چمن نگار گیرد
بی نور رخت زعکس خورشید — آئینهٔ (دهر) غبار گیرد
از خوی تو، لاله همچو آتش — در دامن کوهسار گیرد

از روی تو، ماه گلفروشیست
وز موی تو، شب سیاه پوشیست

از چاشنی لبت چنانم — کز سر تا پا تما (دم) جانم

گرمم ز تو آن چنان، کہ گوی — شد ہیمۂ دوزخ، استخوانم
مشکل کہ تو، در کنارم آئی — تا یک سر موی در میانم
پیوستہ در انقلابم از خویش — گوی کہ، نہ آدمم جہانم
رفتم کہ، ز تیغ او بنالم — صد چاک فتاد، در زبانم
از یاد رخ تو، شب ہمہ شب — در راہ نظارہ، گلفشانم

رویت کہ ہمیشہ گل فروشد
در مردم دیدہ شعد پوشد

ہر گہ کہ تو در کمان نہی تیر — چون سبزہ، دمد ز خاک نخچیر
از حسرت شکرِ تو ہر دم — صد غوطہ بخون دل خورد شیر
تا راز دل بلا نصیبم — ظاہر نشود ز آہ شبگیر
خون جگرم، چو موج آتش — بر پای نفس، نہادہ زنجیر
تا درد دل آشنا نگردد — در عشق تو، با ہوای تاثیر
ہر دم مژۂ تو بر در دل — مسمار زند ز چوبۂ تیر
در کار دلم، ہزار پیچ است — از پیچش آن خط شکن گیر
از دست تو، غیر جان نبردم — آن ہم، ز غم تو نیست تقصیر

تنہا نہ دل فگارم، از تست
جان و دل و ہر چہ دارم، از تست

چشم تو، بہر کہ یک نظر، کرد — صد رہ زمنش، خراب تر کرد
از بیم تو، آب شد نگاہم — ہر گہ کہ، ز دیدہ سر بدر کرد
دوزخ نکند بروزگاران — کاری کہ، دلم بیک شرر کرد
بیرون نکند دلم، بصد سال — خونی کہ، غم تو در جگر کرد

چون باد صبا، زپای بنشست — آن را که، غم تو در بدر کرد
بر هر که وزد، زغم بمیرد — بادی که، بخاک من گزر کرد
هر ذره زخاک من پس از مرگ — دستی شد و خاک غم بسر کرد
مرشد نه همین زکوی او رفت — بیچاره زخویش هم سفر کرد

آواره و خسته و حزین باد
تا هست همیشه این چنین باد[۱]

(۵)[۲]

کفر زلفش، تا شد ایمان دگر — هر دلی شد، کافرستان دگر
غیر آن بت را، پرستش کفر بود — فرض اگر میبود، یزدان دگر
در تماشای جمالش، کرده باز — هر نگاهی، چشم حیران دگر
در رهش افگنده، از نقش قدم — هر پی موری سلیمان دگر
چون روم زان کو، شوم در راه خویش — از سر هر مو، مغیلان دگر
دوش کز اندیشهٔ لعل لبش — اشک خونی داشت طوفان دگر
بس که طوف دیر کردم، خاک من — ذره ذره، گشت رهبان دگر

طاق دل، روزی که میافراختند
کافرستانی زخاکم ساختند

گرم حرفم آنچنان کز تاب من — هر زبان چون شعلهٔ پیچد سخن
عکس گلبن در نسیم، آتش زند — گر درین گرمی، کنم یاد سخن

---

۱ دیوان ب ۳۷ - الف ۴۰ -

۲ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی میرزا غازی کے لیے کہا گیا ہے -

گر به بحر، افتد ز اشکم، قطرهٔ　　　لعل گردد در صدف، دُرِّ عدن

کشتهٔ تیغ جفاییم، چون حسین　　　خستهٔ زهر بلاییم، چون حسن

در غمت جز پوست، آن هم چاک چاک　　　بر تنم هرگز مبادا پیرهن

اشتیاق طرهٔ مشکین تو　　　نافه زندان کرده، بر مشک ختن

هرگز از جامت لب ما تر نشد　　　همچو کام تشنه، از چاه ذقن

روح مرشد بی تو، از ملک وجود　　　تا عدم صد جا نشست، از ضعف تن

گر مصور، نقش من سازد رقم
گم شوم از ضعف در موی قلم

بت پرستم، اهل ایمان نیستم　　　کافرم کافر! مسلمان نیستم

عاشقم، از قید مذهب فارغم　　　پای بند کفر و ایمان نیستم

سایهٔ درد از سر من کم مباد　　　مرد استغنای دربان نیستم

مدعی! سویم بچشم کم، مبین　　　مورم آخر گر سلیمان نیستم

نیستم یوسف، ولی یک لحظه نیست　　　کز وفا، محبوس زندان نیستم

بی تو، صد ره مرده ام پیش اجل　　　زیر بار منت جان نیستم

سر مبادم گر چو نقش پای خویش　　　در رهت با خاک یکسان نیستم

در طریقت مرشد راه خودم　　　پیرو گبر و مسلمان نیستم

بر فراز نیستی گاه منست
کفر و دین محروم درگاه منست

گر ترا از کشتن من عار نیست　　　میدهم جان باعثی درکار نیست

طور دیگر میتوان کشتن مرا　　　حاجت همراهی اغیار نیست

بس که، یاد چشم مستت کرده ام　　　یکسر مو، بر تنم هشیار نیست

دردلم از تنگی جا، نالهٔ — نیست کز پا تا بسر افگار نیست

میکشم آهی بعذر هر گناه — پیش من، آیین استغفار نیست

سربسر گشتیم، باغ عشق را — غیر محرومی گلی بربار نیست

غم زد نبالم نمیافتد، مگر — هیچش، از همراهی من عار نیست

نیست مرشد را خریداری چو غم — ور بود باری درین بازار نیست

کس نداند قدر خوار سیهای من

حیف ازین بی اعتبار سیهای من

آتشی، کز آه من سر میزند — شعله، درجانِ سمندر میزند

جای هر گل شعلهٔ آرد ببار — گلبنی کز خاک من سر میزند

دردلم، مستانه میگردد غمش — غالبا آن شوخ، ساغر میزند

غمزه اش از بس که، گرم قتل ماست — هر که می بیند به خنجر میزند

دُرد دردش، کز ایاغم کم مباد — طعنها، بر صاف کوثر میزند

غنچهٔ پیکان اورا، از جگر — میکشد بیرون، و بر سر میزند

نوک خنجر گلبنی باغ من است

خار پیکان لالهٔ راغ من است

زلف از طرف رخ آن رشک حور — موج ظلمت ریخت بر دریای نور

رشتهٔ شمع قمر شد طره اش — بس که میدزدد از ان رخسار نور

عکس تیغش، در دیار عاشقان — رنگ ماتم بست بر رخسار سور

تا قیامت کشتهٔ تیغ ترا — سبزهٔ رحمت دمد از خاک گور

تا کلیم الله زبیند سوی غیر — چون دو بینان جانب حور و قصور

غیرت یکتائی معشوق بست — از تجلی برقعی بر روی طور

معجز لعلش بهم آمیخته — آتش یاقوت با آب بلور
عمر بیدرد تو، برمرشد گذشت — چون نسیم صبح، بر اهل قبور

عافیت پا، در بلا افشردن است
زندگی، هردم بدردی مردن است

دی که، آهنگ سفر میکرد یار — عافیت آواره میشد زین دیار
تنگ ترمیگشت هردم از دلم — بر دل تنگم قضای روزگار
بی سبب هر لحظه میجستم زجای — آنچنان کز آتش سوزان شرار
گاه میگفتم که: میباید نهاد — سر بدنبال سمندش چون غبار
گاه میگفتم که: چون سویت روم — باچه عزت یا کدامین اعتبار
باز میگفتم که: رفتن لازم است — غایتش من منفعل او شرمسار
عاقبت، کردم وداع خویشتن — بعد ازان جستم زجا، شوریده وار
همره مرشد، فتادم درپیش — آنچنان کافتد صبا، در مرغزار

چون گذشتم پارهٔ از جسم وجان
نی ازو دیدم نه از مرشد نشان[۱]

(۶)

درد مندیم و از دوا دلگیر — عاشق و بیکس و غریب و فقیر
پای تا سر، چو طرهٔ جانان — از رگ جان خویش، در زنجیر
تلخکامم بغایتی، که مگر — دایه ام زهرداد، همره شیر
چارهٔ من بصبر، ازان بتراست — که بآتش رفو کنند، حریر

---

[۱] دیوان الف ۵۴ - الف ۴۳

گر ز سوزِ دلم کند رقمی | شمع گردد قلم، بدست دبیر
در نیام تو، شعلهٔ خنجر | آب گردد، ز نالهٔ بم وزیر
در کمان تو، غنچهٔ پیکان | بشگفد از نسیم آه فقیر
هر دم از رشک، حلق تشنهٔ من | غرقه گردد در آب خود شمشیر
مرشد از دولت سحرخیزی | بر فلک شد، چو نالهٔ شبگیر

آسمان، گردِ رهگذار منست
مهر و مه، نقش پا فرار منست

مرغ خوش نغمهٔ بهار خودم | بلبل مست گلعذار خودم
هیچکس در شمار من نبود | منم آنکس که در شمار خودم
غیر در غار من نمیگنجد | هم منم، آنکه یار غار خودم
گم شوم در سواد اعظم خویش | چکنم هند و زنگبار خودم
همه آزارم، از زبان منست | کشتهٔ، تیغ آبدار خودم
شدم آواره تر، ز نور نگاه | طرفه تر اینکه، در دیار خودم
کارم، از غم بجان رسید، وهنوز | کوری عافیت بکار خودم
اعتبار ارچه خانه زاد منست | معتبر من باعتبار خودم
نیست فخرم چو ابلهان به تبار | من نسب نامهٔ تبار خودم

پدرم فضل و مادرم هنر است
نسب از نسبتم شریف تر است

ساغرم شد، ز باده مالامال | چون دل مرشد، از محبت آل
موج بر روی موج افتد مست | گر بنوشیم قدح، آب زلال
گر بمستی، در آئینه نگرم | مست گردد ز دیدنم تمثال

در دل حامله اگر گذرم | مست گردند در رحم اطفال
مست و بیخود برون تراود خون | گر زنم نیش بر رگ قیفال
قرعه بر روی شحنهٔ افتد مست | گر در آیم، بخاطر رمال
جرعهٔ برزمانه، گر ریزم | مست گردند یا بسنگ و سفال
همه مستان جام و ساغر و من | مست مهر محب حیدر و آل

نغمه سنج بهار ترخانی
عقل اول معلم ثانی

صاحبا! در هوای خلد برین | یعنی این مجلس سرشت آیین
کردم از ملک سند عزم سفر | باد و محنت پسند رنج گزین
رهم افتاد، بر بیابانی | خشک ترٔ از دماغ چله نشین
مینبر وید درو، مگر محنت | مینبارد برو، مگر نفرین
قومی از هر طرف خزیده درو | چون گ نیم هضم در سرگین
همه چون تیغ عشوه، مائل جور | همه چون تیر غمزه، طالب کین
آشنارو، ولیک دشمن دل | چون غم عشق و محنت دیرین
بی مروت چو، محنت شب هجر | بی وفا همچو، روز بازپسین
خون شان، برزمین اگر ریزند | روی برتاید آسمان ززمین

از چنین دیو مردم گمراه
دست مرشد بجز ز مدحت شاه

دشمنت را، که سود نقصان باد | زندگی مرگ وصل هجران باد
در کف ساقیان، مجلس تو | آسمان چون پیاله، گردان باد
روز بار تو، برتن گردون | کهکشان نقش چوب دربان باد

برخضر بی تو، چشمهٔ حیوان — جرعه ریز لعاب، ثعبان باد
بی سماع کلام، جان بخشت — زندگی بر مسیح، زندان باد
شش جهت چون مسدس زنبور — پیش عزم تو تنگ میدان باد
هر که کم خواهد استقامت تو — دامنش نایب گریبان باد
در گلوی عدوی و دیدهٔ خصم — آب شمشیر و خواب پیکان باد
سند از خاطر سخن سنجت — کعبه نظم و نثر دوران باد

قد خصم تو باد نخل ذخیر
شاخش از تیر و برگش از پر تیر[۱]

(۷)

ای سروری اگر رشک برد بر سجود خویش — هر گه بصدق سجده کند روح صابرت
آنی که جز خدای سخن تا سخن بود — مدحی سزای تو نکند هیچ شاعرت
در شعر اگر تو، دعوی پیغمبری کنی — معجز بسست طبع سخن سنج قادرت
آراسته، بگوهر ادراک باطنت — پیراسته، بزیور انصاف ظاهرت
میلی چنانکه باید، و ذوقی چنانکه هست — چون یافتم بشعر خود از لطف باهرت

در لفظ شعر خویش چو معنی شدم نهان
باشد باین وسیله در آیم بخاطرت[۲]

(۸)

ای نکته پروری اگر گلستان نظم را — طبع شگفته، تو، کم از نوبهار نیست
تا گوهر کلام تو شد، زیب روزگار — گوش زمانه در گرو گوشوار نیست

---

[۱] دیوان الف ۴۳ - ب ۵۴ [۲] دیوان ب ۱۲۶

سرتاسر جهان، توی امروز هر چه هست | چیزی که، غیر تست درین روزگار نیست
در عرصهٔ زمانه و میدانِ روزگار | بسیار گشته ایم چو تو، یک سوار نیست
جای که فخر میر و لطف و کرم بود | انصاف بر تو غیر ترا افتخار نیست
در مدح بنده، گر گهری سفت خاطرت | فخر است از ان مرا، و ترا هیچ عار نیست
از اهل ذاتی، فزود کمال علی وزان | در هیچ حال، نقص خداوندگار نیست
طبع بذوق طبع تو، از لجهٔ سخن | کش باکران عمر سخن، در کنار نیست
آورد گوهری دو سه بیرون، ولی چه سود | فیضی که، با بهشت بود تا بهار نیست
این نظم ریزه را، که ببازار کائنات | در چشم مشتری چو منش اعتبار نیست
گر دیر تر نثار تو کردم، ز من مرنج | شعر منست، این گهر آبدار نیست
مدح ترا بزمزمهٔ نظم، این غزل | کردیم مختصر، که به از اختصار نیست
ما را، هوای صحبت و باغ و بهار نیست | بر مرغ دام، نکهت گل سازگار نیست
از هر چه هست، در همه عالم مرا دلیست | کان نیز، در خور ستم روزگار نیست
خاک فراق، بر سر من ریخت روزگار | وین طرفه تر، که بر دلش از من غبار نیست
در خرمن عدوی تو گردون نمیزند | آهی که از تف جگری داغدار نیست
بی تو کشیدم، آنچه کشیدم ز زندگی | آری حیات و هجر منم سازگار نیست
دادم قرار رفتن ازین آستان، ولی | در خاک نیز بی تو، دلم را قرار نیست
هر جا که، جان دهم بتمنای تو، مرا | جز خشت آستان تو، لوح مزار نیست
نزدیک شد که، بی تو بدور افگنیم چشم | چشمی که ننگرد بتو، ما را بکار نیست
بیرونش افگنند شهیدان چو گل ز پوست | عضوی که، از خدنگ تو صد جا، فگار نیست

مرشد بهیچ نسبت خود میدهی ولی
جای که اوست همچو توی در شمار نیست[1]

---

[1] دیوان الف ۱۳۰ - الف ۱۳۱ -

(۹)

چنان گشت پنهانم آن سیمبر — که خود هم ز قتلم ندارد خبر[۱]
چنان گرم همراهی دشمنست — که تنها بدل هم نیارد گذر
چنان چشم از عکس رویش پراست — که بر شعله پیچیده نور بصر
ز شوم رخش، خوبی عارضی — شود خال خجلت بروی قمر
نه از غیرجوئی و عاشق کشست — اگر برطرف بنید آن سیمبر
که در نرگس مست افسونگرش — نمی گنجد از تنگی جا، نظر
ببندم ره نور بر چشم خویش — که از دیدنش باز گردد دگر
ز نور سحر گر برد روشنی — شب خلق عالم همه سربسر
بغیر از شب وصل مه طلعتان — که تاریک گردد ز نور سحر
ز سوز جگر، مطلع دیگرم — زد از روزن طبع، چون شعله سر
سخن را چو افتد بر از لب گذر — شود لفظ و معنی سراپا شکر
دلم را شکستی، که هرگز مباد — ره مست در خانۂ شیشه گر
تنم بس که هر روز در هجر تو — ز روز دگر، گشت کاهیده تر
خیال سفر هر نفس میبرد — مرا همره خود بجای دگر
ز مژگان خونریزت آن دیده ام — که از تیغ هرگز، نه بیند سپر
غمت بس که در عرصۂ امتحان — شده گرد خونریز اهل نظر
چو اخگر بود در دل بحر تیغ — ز گرمی خونِ شهیدان گهر
شهیدان تیغت، گل زخم را — چو گل، میربایند از یکدگر
ز نخلی که، آب از دل ما خورد — گل زخم روید، بجای ثمر
دگر از تب هجر جانسوز تو — کز و هفت دوزخ بود یک شرر

---

[۱] سیاق و سباق سے گمان ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ میرزا غازی کے لیے لکھا گیا تھا۔

نفس دردلم آنچنان گرم شد	که میسوزد از تاب آهم اثر
تو دشمع روی، که ازجیب شام	دمادم سر صبحی آرد بدر
من و برق آهی که هر صبحدم	رخ شعله شوید بخون جگر
بود دیده ام روز و شب دُرفشان	چو دستِ وزیر و شه نامور
خدیوی که از لفظ و معنای وی	زمانه بود، درج دُرّ گهر
دو عالم کند جود، و دارد هنوز	دل و دست او خجلت از یکدگر
پی خدمت بزم او، کار زو	درین آرزو برده، عمری بسر
همیشه بود، تاک انگور را	ز هر خوشه، شیشهٔ می بسر
کمالات او، با خیالات من	همان جوش بحرست، و موج ثمر
گر امید عفوش نباشد، خطا	نیارد سر، از جیب هستی بدر
بود نعل اسپ تو، در خون خصم	چو ماه، اندرونِ شفق جلوه گر
پناها! چو دریای اوصاف تو	نه بحریست کانرا بود پا و سر
اگر منتکی در خور حال خویش	غم از شعر خود، نی ز جام دگر
کنم با ثنای تو ضمنم، گوش کن	که تضمین شنیدن خوش است اینقدر
رسد هر زمانم شکستِ دگر	اگر مومیای شوم سر بسر
ندانم چه افتاده غم را، که باز	بسر میدود از پیم، در بدر
درین کوهسار، از سحاب مژه	چنان خونفشانم بجای سطر
که از لالهٔ اشک من، هر نفس	رسد موج خون، کوه را تا کمر
چنان تنگ گردد، فضای جهان	اگر، در دل تنگم آرد گذر
که از تنگی جا، درو دمبدم	نفس گیر گردد، نسیم سحر
جفا بین که، برطرف این جویبار	نهالم خورد آب، لیک از تبر

ازین حرف، مقصودم اینست و بس | که غافل نمانی، ز اهل هنر
دگر نه بایزد، که در عمر خویش | زبان سخن سنج من، آنقدر
نشد با حدیث طمع، آشنا | که از لفظ و معنیٰ، شود باخبر
فلک تا دهد رزق، هر روزه ام | زخون دل و پاره های جگر
نصیبم مباد، از شراب و کباب | خورم دیگر، از خوان و جام دگر
اگر این بود، خود ز خوانِ قضا | دگر آن بود، خود ز جام قدر
زبان بسته بودم، به یکبارگی | ز مدح بزرگان عالی گهر
بمدح تو، بی اختیار، از دلم | سخن جوش زد، چون مگس بر شکر

زامید مرشد بلطف خدای
فزون باد عمرت سخن مختصر[1]

(۱۰)

رباعیات

مرشد که بجز خویش، ندارد ثانی | بادا بهنر چوما، بغم ارزانی
درکشور سند می شه ترخانی (کذا) | افتاده چو سبحه در کف نصرانی[2]

گر نغمه زسازت، بسکون میآید | رمزیست، بگویمت که چون میآید
از بسکه، بگرد زخمه ات، میگردد | پیچیده، ز طنبور برون میآید[3]

دل میسوزد، ترنم پر شورت | جان میبخشد، نوا و نیشابورت
در سیم کشی، عمر بسر برد شهاب | تاری نکشید، در خور طنبورت[4]

---

[1] دیوان الف ۲۵ - الف ۲۷
[2] دیوان ب ۱۵۲
[3] دیوان الف ۱۵۴ .
[4] دیوان ب ۱۵۴

امشب مہر و وفا، وداعم کردند | بیگانہ و آشنا، وداعم کردند
رفتم کہ، وداعِ آستان تو کنم | ہر عضو جدا جدا وداعم کردند[۱]

غم، ہمدم خصم شاہ ترخانی باد | آن چغد، باین خرابہ ارزانی باد
در عہد شہ، فتنۂ اگر ہست، آنہم | در گوشۂ چشم حسن زندانی باد[۲]

انتخاب اشعار

تا ز ہفتاد و دو ملت نگریزی مرشد | نشوی بہرہ ور، از مذہب و از ملت ما

بخیال رخ آن شوخ، چو شب تکیہ کنم | گل خورشید دمد، صبحدم از بستر ما

تمنای لب او در حدیث آوردہ مرشد را | سخن مستانہ میگوید نمیدانم زبانش را

چنان، بر خاطر جانان، گرانم | کہ شنبہ، بر دل اطفال مکتب

امشب گلی ز روی تو، در انجمن شگفت | کز دیِ گل نظارہ، چمن در چمن شگفت

امروز باغ خاطر مرشد، شگوفہ کرد | بلبل ترنمی، کہ بہار سخن شگفت

نسیم بوی گل آورد، بلبلان! مددی!! | کہ آہ گرم نفس، در گلوی من بگداخت

---

[۱] دیوان ب ۱۵۴
[۲] دیوان ب ۱۵۶

هرچه جز لعل تو در کام امیدم زهر است | هرچه جز روی تو در دیدهٔ عیشم خار است
شکوه از دشمنی طالع و، بی لطفی یار | نیست در مذهب ما، ورنه سخن بسیار است
مرشد از مژدهٔ دیدار مرا، شاد مکن | که هنوزم بغم عشق، هزاران کار است

ز حال دل، که هیچش درمیان نیست | چه گوئیمت، که ما را آن زبان نیست
کنار از ما مکن خالی، که خود را | بجز یاد تو، چیزی درمیان نیست

بقرب خود مناز، ای نومصاحب! | که وقتی جانب ما، هم نظر داشت
چه داری انتظار صبح مرشد | شب عاشق، کجا از پی سحر داشت

سری که، یار بفتراک امتحان، آویخت | بلند گشت چو ماه و در آسمان آویخت
رخ ترا بدم آمد که، تا نظر کردم | برشتهٔ نگهم صد هزار جان آویخت

شهر، از مکتب موی تو، چنان مشکین شد | که صبا بوی گل، از کوچه و بازار گرفت

هر مهربانیت، سبب یک جهان غمست | ای وای بر کسی که بلطف تو خرمست
با زخم ناوکت، که مبادا نصیب غیر | رویش سیاه باد، که مشتاق مرهمست

از آستان خانهٔ ما، تا بآسمان | غم بر سر غمست، و بلا بر سر بلاست

نه تنها روزم از هجر تو، شب شد | شبم را نیز، رنگی از سحر نیست

من و تلخی زهر غم، که طبعم
حلاوت سنج بازار شکر نیست

آیا چه! در ضمیر تو نامهربان گزشت
کامشب، خیالت، از دل من سرگران گزشت

هر شاخ سدره، چنگل بازیست در رهش
مرغی که در هوای تو، از آشیان گزشت

جای که، خاک پای تو بوسند و جان دهند
روزی هزار بار، زجان میتوان گزشت

نالان گزشت تیر تو از دل، مگر شنید
آنهاکه، از غم تو برین ناتوان گزشت

دیگر بطوف کعبه و دیرش، چه احتیاج
بیچارهٔ که، از سر سود و زیان گزشت

شرمندهٔ ترحم تیر افگنم هنوز
با آنکه، ناوک ستم از استخوان گزشت

تاثیر برق چون گزرد بر گیاه خشک
ایام هجر، بر دل مرشد چنان گزشت

خون دل مرغ چمن، بر نسیم
رخنهٔ گلزار بطوفان گرفت

رفت برون مرشد، ازین کور جسم
ترک هم آغوشی زندان گرفت

تمام باده و ساغر، همه می و جام است
فضای کفر، به از تنگنای اسلام است

میان ما و تو، بنود رسول و پیغامی
که برق آه رسولست و ناله پیغام است

زتیغ ناز تو، مریخ قطرهٔ خون است
ببزم عیش تو، ناهید جرعهٔ جام است

غم فراق، بروزی فگنده است مرا
که روزگار من خسته، تنگ ایام است

دلی که، غیر محبت درو نمیگنجد
چه جای، این همه غوغای کفر اسلام است

چه احتیاج بدام است، صید مرشد را
که مو بموی پر حلقه، حلقهٔ دام است

دگر دردل نیاید ، گر بداند کزین جا، ره بملک آشنائیست
خریدارم همین عشقست ، کانهم نمیداند متاع من ، کجائیست
در آتش رفتن از تدبیر دوراست ولی مقصود ازین، بخت آزمائیست
بردن از مصلحت کاریست اینجا تو پنداری ، خدائی کد خدائیست
دلی آسوده، در آفاق نگذاشت تکلف برطرف، خوش دلربائیست
جدا ازان طره، هرشب تا سحرگاه مرا با هر سر مو، ماجرائیست

درصنوبر، دی بیاد قامتش، بستیم دل باغبان پنداشت ، دربار صنوبر آتشست

نالهٔ بی طاقتان ، برارغنون آهنگ بست گریهٔ خونین دلان ، برچهرهٔ گل زنگ بست
ساز مطرب، رخصت زنار بستن میدهد تار تسبیح مرا، امشب مگر برچنگ بست
طالع برگشته، مارا سربصحرا داد ، و چرخ تهمت آوارگی، برمنزل دفرسنگ بست

ما، نخل ریاض آرزوئیم محرومی جاودان ، برماست
سرتا بقدم تمام کفریم دل تبکدهٔ عشق پیکرماست
آن خضر، زکاروان فتاده مائیم که، غول رهبر ماست
وان تختهٔ کشتیٔ شکسته مائیم که باد لنگر ماست
از کش طمع ثنا نداریم هم گفتهٔ ماثناگر ماست

خودستائی، شیوهٔ رندان بیمقدار نیست ورنه ، میگفتم که: تسبیحم کم اززنار نیست
بادهم پیغامی ، از جای بجای میبرد نکهت پیراهنی را ، قاصدی درکار نیست

بلبلی از نالهٔ، منقاری امشب، ترنه کرد　　بار بر بندید ازین گلشن، که گل پربار نیست

شب بصد حسرت، وداع یار خواهم کرد و رفت　　حسرت یک شهر، بر دل بار خواهم کرد و رفت

شب که، بریاد رخش از خرمی، گل میشگفت　　نغمه چون گل، بر سر منقار بلبل میشگفت

بیاد روی تو، یکدم بخود فرو رفتم　　هزار غوطه زدم، در دلِ منور صبح
اگر، بناله چراغی ز دل، برافروزی　　هم از شب تو بکشایند بر رخت، در صبح

بسیار ز حد میگذرد، گرمی مجلس　　دل سوخته، در پس دیوار نباشد
در قافلهٔ عشق، عجب گرم روانند　　البرز، درین راه گران بار نباشد

گهی که غمزهٔ او، در دلم گزار کند　　درون دل نفسم کارِ ذوالفقار کند
ز یاد غیر چنان فارغم، که میترسم　　خیال یار هم از خاطرم، کنار کند
بشام هجر امیدی که دارم انیست، این　　که، لحظه لحظه بمرگم، امیدوار کند
بروز عیش دو عالم، سرش فرو ناید　　شبی که، در دل مرشد، غمش گزار کند

جز کوی می فروش، نگیرد قرار اگر　　بعد از هزار سال، ز خاکم سبو کند

راضی شدم بجور و میسر نمیشود　　بیچاره آن گروه که، لطف آرزو کند
از خار او همیشه، گل آتشین دمد　　هر نیشتر که، در رگ مرشد فرو کند

تا طفل اشک، سنگ بدست از پیش دود — دیوانهٔ که، بر سر بازار میرود
مرشد نه راه دیر شناسد نه خانقاه — هرجا که میرود بدرِ یار میرود

تا چه در پیشست ارباب محبت را، که باز — جیب شان بی دست، آهنگ دریدن میکند
قصهٔ خونین دلان عشق را، خوش حالتست — هر کرا گوشی بود، میل شنیدن میکند
رفتن مرشد ازان کو، یاد میآید مرا — مرغی از شاخی، چو آهنگ پریدن میکند

نو عروسان چمن، در جلوهٔ ناز آمدند — نغمه سنجان سحر، چون نی، باواز آمدند
مینوشتم نامه سوییت، حرف حرف از خامه ام — پر برون آورده، چون مرغان، به پرواز آمدند
فیض شمشیر محبت بین که، مقتولان او — از شهیدان دگر در حشر، ممتاز آمدند
خاک مستان را، فلک چندانکه از خم، دور کرد — ذره ذره همره باد صبا، باز آمدند
حال مرغان محبت خوش، که از حبس قفس — سر برون ناورده، اندر چنگل باز آمدند
عشق بازان تو، در پیری جوانی میکنند — گوئی از انجام عمر خود، به آغاز آمدند

بوی دردی، در گلِ آدم نماند — آدمی، در عرصهٔ عالم نماند
بس که دوران، برخلاف طبع رفت — در سر زلف پریشان، خم نماند
آرزوی گریه، در دلها شکست — رونقی در حلقهٔ ماتم نماند
شادی و غم، کرد مرشد را وداع — خاطر غمگین، دلِ خرم نماند

چنانش از من بیچاره، عار میآید — که در خیالم، بیگانه وار میآید
لبالبست ز بوی بهشت، دامن باد — مگر ز غارت آن رهگذار میآید

نسیم گل ز کجا، نکهت چنین ز کجا | اگر غلط نکنم، بوی یار میآید
جواب نامهٔ دردم، مگر به تلخی داد | که قاصد از بر او، شرمسار میآید
ز مرشد اینهمه غافل مشو، نگاهش دار | که از برای تغافل، بکار میآید

کار مرشد، بجز دعای تو نیست | خود ازین خوبتر چکار کند

ز ذوق دیدنش اگر نیم، لیک این قدر دانم | که در چشم نگاه، از لذت دیدار میرقصد

فراقت، با همه نامهربانی | خیالت را، بعاشق مهربان کرد

ز دیدنش نتوان سیر شد، مگر وقتی | که زیر هر مژه، چشمی دگر برون آید
اگر بردی توام، فرصت نظاره دهند | هزار ناظرم، از هر نظر برون آید
دلم ز هجر تو گردید خون، و نزدیکست | که قطره قطره ام، از چشم تر برون آید
ز شرم پرتو خورشید عارضت، پس ازین | بصد خجالت، نور از قمر برون آید
عجب نباشد اگر در ره تو، مرشد را | بجای هر مو، پای ز سر برون آید

مرا چشمی که، بی احباب خوابد | چنان بهتر که، در خوناب خوابد
سگ بیدار، در شبهای دیجور | به از شیخی که، در محراب خوابد

آن کز جهان بیاد تو، نامهربان رود | بی گفتگوی حشر، بسوی جنان رود
گر بفشرند خاک شهیدان غمزه ات | سیلی بهر دیار ز آب سنان رود

حیرت هزار بار دگر، بازش آورد — عاشق ز کویت ارچه، بپای زمان رود
عشقت حرام بر من، اگر بعد مرگ نیز — خاکم، بسعی باد ازین آستان رود
هرگز بطوف کعبه، نیاید سرش فرو — رندی که، مست از در دیرمغان رود
مرشد دگر بطرفه رهی رو نهاده — بیچاره آنکه با تو عنان در عنان رود

ای بیخبر! از پایهٔ ادنای محبت — یکبار گذاری، بسر دار توان کرد

صبا، چو در طلبت، بیقرار برخیزد — بهر زمین که نهد پا، شرار برخیزد
شهید عشق ترا، گر طلب کنند بحشر — هزار سوخته، از هر مزار برخیزد

نی گلی نی رخصت گل چیدنی، از باغبان — حیرتی دارم که، از بهر چه دامن ساختند
خاک من، روزی کز آب عشق، میکردند گل — آنچه باقی ماند، ازان روح برهمن ساختند

در شیشه، جرعهٔ ز شراب شبانه، ماند — اسباب فتنه، باز بدست زمانه ماند

تعمیر دل، نه در خور سامان عاشقست — بیزارم از دلی، که خرابش کسی ندید
مرشد تمام عمر بمی صرف کرد، لیک — هرگز میان بزم خرابش کسی ندید

ز انقلاب زمان تو، بیخبر بودند — کسان که، تهمت آرام بر زمین بستند
بگرد محفلت از رشک غیر، مشتاقان — حصارها، ز نفسهای آتشین بستند
گره ز خوشه کشودند، خرمن از آبان — دلی ز بیم طمع، دشت خوشه چین بستند

زمام عقل، رهائی مباد قومی را — که پای خویش، بزنجیر کفر و دین بستند
چو کاخ همت مرشد، بلند میکردند — کنار طاقش، بر چرخ چارمین بستند

در مشام بولیش از گل دامنی برباد داد — نی غلط کردم، چه گفتم؟ خرمنی برباد داد!
مرشد امشب در غمت، از سینهٔ سوزان کشید — آن چنان آهی که، گوئی گلشنی برباد داد

میرسد بادی، و بوی از جنان میآورد — عافیت بیمزد، و عشرت رایگان میآورد
از بهاری میرسد بوی، که فیض عام او — گلشنی در هر قدم، دامن کشان میآورد
بس که بخت بد، زیانم بر زیان میآورد — آب اگر میخواهم، از جوی سنان میآورد

دران دیار که دل، با دل آشنا باشد — زیان ندارد، اگر سر و تن جدا باشد
خوشا دلی که، بذوق شکست خود، همه عمر — چو دانه، در دهن سنگ آسیا باشد
ز آرزوی دلی سوختم، نمیدانم — که، آن متاع دکان سوز، در کجا باشد
مگر بکام دل آنجا رسم، که بی سببی — شکست خاطر بیچارگان، روا باشد

تلخی اشتیاق، ز یعقوب پرس و بس — کاین چاشنی، بجام زلیخا نمیدهند

دگر بر تن، سرم چون گوی میرقصد، نمیدانم — کدامین شهسوار، آهنگ چوگان باختن دارد
درین آب و هوا کام دلی، حاصل نمیگردد — زمین و آسمان دیگر، از نو ساختن دارد

همیشه در ره شوق تو، پای مرشد را — بروی آبله بادا چو اشک خود رفتار

عشق را دستان سرای و حسن را حرم بهار　　　بلبل و گل هر دو باهم رسته از یک شاخسار

مرشد بشام هند، نسنجد شمیم عشق　　　شاخ گل تو، بوی عجم میدهد هنوز

چه عشقست این، کس از آغاز و انجام　　　نه انجامش خبر دارد نه آغاز
بدست طعنهٔ مردم، چنانم　　　که مرغ خسته، اندر چنگل باز

بحرف عاشقانت، گر سری هست　　　زما، افسانه در افسانه بنویس

مرشد مخواه صبر و سکون از دلم، که من　　　عمری بباد دادم و در امتحان خویش

سحر کآزرده بودم، از جفایش　　　زخود دزدیده، میکردم دعایش

بستیم در غم تو، دل دردمند خویش　　　کردیم وقف آتش سوزان، سپند خویش

گرم کی گردد میان ما و جانان، اختلاط　　　ما پریشان روزگار و او پریشان اختلاط

شهیدانت، زشوق زخم دیگر　　　نمیگنجند در پیراهن خاک

بفکر آن دهن رفتند عشاق　　　ازان سوی عدم، فرسنگ فرسنگ
غمش، آن میکند تا جان مرشد　　　که تیغ کینه خواهان، در صف جنگ

فرصت غنیمت است، می از کف مده که ابر　　　روزی دو بیش نبود مهمان برشگال

بخار مغیلان، چنان میروم | که گوئی، بباغ جنان میروم
رسیدن ببازار فضلم، چه سود | چو از کف، به نرخ زیان میروم
چو اشک یتیمان، بدامان خاک | روان تر، ز آب روان میروم
رفیقان، بمنزل رسیدند، ومن | چو گرد، از پیٔ کاروان میروم
باین کشورم نیست، باز آمدن | چو رفتم چو، تیر از کمان میروم
رخم بر سپهر است، مرشد! اگر | بدرگاه شاه جهان میروم

بی سبب مرشد، ز طور من شکایت میکند | این قدر آخر نمیداند که من دیوانه ام
نه تنها پیچ و تاب، از کندی تیغ ستم، دارم | شکایت گونهٔ، از طالع ناساز هم دارم
پری از گلشن هند او بیارایم بپروازی | عجب نبود که، محنت آشیانی در عجم دارم

در راه غمت جنبش، آرام نمیدانم | کاغاز نمی بینم، انجام نمیدانم
میخوانی و میرانی، میسازم و میسوزی! | این شیوه نازک را، من نام نمیدانم
از دل بدلت راهی، میخواهم و دیگر، هیچ | مکتوب نمی فهمم، پیغام نمیدانم

مگر شکایتی، از یار مهربان دارم | که همچو غنچه، دهانی پر از زبان دارم
من آن متاع کسادانهٔ، بساط غمم | که چون بقیمت خود میرسم، زیان دارم
بباغ دهر، من آن طائر شکسته پرم | که هم ز سایهٔ بال خود، آشیان دارم
کدام بخت، وچه طالع، بکاروم مرشد؟ | که ماهتابم و خاصیت کتان دارم

حاجت بباده نیست، که روزی هزارها | خود را بیاد بزم تو، بیهوش کرده ام

امشب که، با غم تو بیاد تو، خوشدلم   گوئی که، با تو دست در آغوش کرده ام

شدی صد ساله ره، در یک قدم طی   بپای عمرم، ار میرفت ایام

نغمه سنج یک بهارم، لیکن از بدطالعی   از نسیم صبح، هم بوی گلی نشنیده ام

میروم کز بهر خود، دریوزهٔ دردی، کنم   غیر پندارد که، از دنبال درمان میروم
ساعتی صد بار، از شوق تماشای رخش   بر در دل، از ره چاک گریبان میروم

نگه از شرم، بران چهرهٔ زیبا نکنیم   پای تا سر، همه چشمیم و تماشا نکنیم
همت ما ز کجا؟ منت دربان ز کجا؟   گر بمیریم بدرد تو، مداوا نکنیم
مرشد از خاک در یار جدائی، کفر است   آنچه عشاق نکردند، بیا تا نکنیم!

زراه گریه ام برخیز، مرشد!   که، آب آتش فشان، آمد بجویم

چنان ز تاب می، آتش فتاد در جانم   که شعله مست، برآرد سر از گریبانم
تنم ز ضعف چنان شد که، گر بدیدهٔ خویش   چو نور جا کنم، از خود هنوز پنهانم
حذر کن از دم گرمم، که از جگر تا لب   هزار شعله، گرفتست ره، بر افغانم
بذوق وصل، مرا آشنا مکن مرشد   که من مصاحب دردم، رفیق حرمانم

من بودم و خیال تو، آنهم ز من گریخت   از بس که از جفای تو شد شرمسار من
میخواستم، چو مرشد از آن کو سفر کنم   پنداشتم بدست منست، اختیار من

ز هجرانت بآن حال است مرشد — که مرغ خسته، در چنگال شاهین
آهسته ران سمند، که چون مرغ نامه بر — از گرد در پی تو برآورده بر زمین

جز متاع غم، که غیر از من خریدارش، مباد — راست گویم جنس دیگر نیست در بازار من
بر سر هر خار مژگان، صد گل حسرت شگفت — دور بادا چشم بد، از رونق گلزار من

نشینند در برم لیکن، بنوعی — که در بتخانه، کافر با مسلمان
چنان، از دیدنم آزرده گردد — که، رند از توبه، و زاهد ز عصیان

عشق ترسا، تا چراغ افروز آتشخانه است — گبر مردن خوشتر آید، از مسلمان زیستن
از وطن آواره شد مرشد، که در کیش وفا — زندگی، زندان بود بی روی جانان، زیستن

باده خور باده! که در مذهب عشق — روزه فسق است و عبادت کفران

مرشد از زهد، بجای نرسید — یارب! از عشق بکامش برسان

مرشد کسی بدرد دل ما، نمیرسد — اینجا رسیدن از، ره مهر و وفا توان

بر مشامم بوی گل امشب، گرانی میکند — تا کدامین باد گستاخ است، در گلزار من
بس که افگندم برون، راز دل مرشد، بشعر — میتراود خون دل، از دفتر اشعار من

دوست قبولم نکرد! دشمن خونخوار کو؟ — کعبه پناهم نداد! خانهٔ خمار کو؟

بر امید آنکه، روزی لایق کشتن شوم — هر زمان بر خویشتن بندم، تهمت چندین گناه

چو از کوی تو کردم، عزم رفتن — هوا، سد سکندر گشت، در راه

چنان چشم تو، مرشد را نهان گشت — که از قتلش، نشد خود نیز آگاه

مست سودای، ببازار آمده — نرخ بالا کن! خریدار آمده

تا گلت از آتش می برفروخت — حسن را زنگی برخسار آمده

سر چون کشم ز قید، که در رشتهٔ حیات — از سر زدند روز نخست، اولین گره

مرشد ندانم، از که شناسم کشاد کار؟ — جای که، آسمان گره هست و زمین گره

صبا، چون برد خاکم از سر کوی تو، دانستم — که آنجا بعد مردن نیز، ممکن نیست آرامی

بقاصد احتیاجی نیست، عرض حال مرشد را — که از وی نالهٔ غم، میتواند بود پیغامی

ای گلشن دلها! تو چه باغی؟ چه بهاری؟ — کز فیض تو، هر برگ گیا برده نصیبی

بوی بمشامم شده نزدیک، همانا — از گلشن وصل تو صبا، برده نصیبی

با چنین خوبی، اگر مهر و وفائی داشتی — در دل مرشد، که جانی داشت جای داشتی

روز اهل انتظار، از شب بنودی تیره تر — گز چراغ وعدهٔ خوبان، ضیای داشتی

حیرتی دارم که، در محشر چه میگفتی جواب — کشتن اهل محبت، گر جزای داشتی

زیاران ، تا بحدی ناامیدم — که از خود هم ندارم چشم یاری

بدور زلف تو ، کفر آنچنان رواج گرفت — که تار سبحه کند آرزوی زناری

درین عالم ، چنان خوار است مرشد — که دانا ، در دیار روستائی

چه از وفا که نکردم ، چه از جفا که نکردی! — مگو که با تو چه کردم ! بگو چها که نکردی!
عتابهای پیاپی ، عذابهای دمادم — بجان من همه کردی ، بجز وفا که نکردی ![1]

انتخاب رباعیات

با عیش ، مباد کار ما و دل ما — جز درد ، مباد یار ما و دل ما
گر عشق بتان گنه بود ، روز جزا — ای وای بروزگار ما و دل ما

امشب که ، غم فراق یارم میسوخت — در هر نفسی ، هزار بارم میسوخت
دامن دامن شرر ، ز آهم میریخت — خرمن خرمن ، صبر و قرارم میسوخت

راهی پیشم فتاده ، بر پست و فراز — کز انجامش خبر ندارد آغاز
چون نالهٔ زار عاشقان ، پست و بلند — چون وعدهٔ وصل گلرخان ، دور و دراز

---

[1] از دیوان ورق ۴۲ ب تا ۱۱۶ ب -

مرشد ز غمت، چنانکه دانی شده است   از هر چه نه یاد تست، فانی شده است
بیچاره بحالیست، که خون در بدنش   از بیم غم تو، زعفرانی شده است

عمریست که از جام تو، خون آشامم   دیریست که، زهر میچکد از کامم
من شکوه نمیکنم از طور تو، ولی!   از دوستی تو، سخت دشمن کامم

از هر مژه، تیغ آبدار دگر است   وز هر سر مو، تازه بهار دگر است
در دیدهٔ نظارگیان، هر نگهی   از شوق خطش، بنفشه زار دگر است

گویند که: یار یاد ما میآرد   رحمش، بسر کوی وفا میآرد
اینها چه حکایتست، باور نکنم   رحمی که ندارد، از کجا میآرد

مرشد دگر این چه رنجش بیجا بود   بازت، چه محل این تغافلها بود
آمد بتلافی، و ندیدی سویش   خاکت بر سر، چه وقت استغنا بود!

امشب که مرا، نهان نهان دل میسوخت   جان را ز غمم، زمان زمان دل میسوخت
میسوخت دلم ز هجر، و بر حال دلم   عالم عالم، جهان جهان دل میسوخت

امشب که دلم، بداغ حرمان میسوخت   اشکم همه در، دیدهٔ گریان میسوخت
میسوختم آن چنان که، غیر از دل تو   بر من، دل کافر و مسلمان میسوخت

این خواری من، نتیجهٔ خواهد داد
وین زاری من، نتیجهٔ خواهد داد
بیدار ز خواب غفلتش، خواهد کرد
بیداری من، نتیجهٔ خواهد داد

بیچاره کسی که، بر سر کوی کسی
از بیم کسی ندیده در، روی کسی
پهلو ز مراد خود تهی کرده چو من
ننشسته بکام خویش پهلوی کسی

ما رنجش یار، میتوانیم کشید
ما جور نگار، میتوانیم کشید
بر غیر مکش تیغ تغافل که هنوز
ما صد آزار، میتوانیم کشید

از عهد تو، رسم استواری برخاست
وز خوی بدت، شیوهٔ یاری برخاست
چندان ز تو سوختم، که از سوز دلم
دود از جگر امیدواری برخاست

بختم چو می فراق، در جام کند
از تلخی آن، بزهر پیغام کند
دوزخ، ز تف درون خود، سوز داگر
یک شعله، ز آتش دلم وام کند

در مذهب ما نفع و خور، هر دو یکیست
در مشرب ما، زهر و شکر هر دو یکیست
در دیدهٔ ما سنگ و گهر، هر دو یکیست
در کشور ما، شام و سحر هر دو یکیست

این دل که، در و الم نفس گیر شود
بشگاف، وگرنه غم نفس گیر شود
دل تنگی من رسید، و جای که درو
وقتست که، ناله هم نفس گیر شود

باگوش بر شکم، که حدیث تو شنید
با پای بجنگم، که بکوی تو رسید
بادیده بجسرتم، که امشب همه شب
از باغ جمالت، گل حسرت میچید

مرشد! مکن از خلق، شکایت پیوست
کین بی بصران، نه هوشیارند نه مست
آزرده مشو، گر خسی جانب خست
کانجا که حسینست، یزیدی هم هست

در کوی تو، بس که متصل میگردم
هردم ز سگ تو، منفعل میگردم
زان روز که، مهرت آشنا شد بدلم
روزی صد بار گرد دل میگردم

راز دل عاشقان، شنیدم از نی
بوی غم دلستان، شنیدم از نی
حرفی که، هیچ گوشی آلوده نشد
امروز بصد زبان، شنیدم از نی

قاصد! خبری ز وصل یار، آوردی!
جانی، بتن مرشد زار، آوردی!
سرتاقدم، از غبار هجرم، شستی
نیکو آبی بروی کار، آوردی!

مرشد! ازخم تو قابل مرهم نیست
وزنی، ز برای زخم، مرهم کم نیست
خود تیغ کشیدی وزدی برتن خویش
از غیر بدان که غیر در عالم نیست

چنگی که، ز آزردن دلها ریشست
منگن بدل ماکه، سراپا ریشست
یکدم بدلم دست میاور، که هنوز
انگشت تو مجروح و دل ما ریشست

منصور چو شد ز کفِ خود، بر سرِ دار
گفتند: که بگریز، مشو افسرِ دار
گفتا: که مرا بدوست، حرفی باقیست
کانرا نتوان گفت، مگر بر سرِ دار

مستانه، بکوی دردناکان، رفتم
آلوده، بطوف سینه چاکان، رفتم
یارب! چکنم؟ چه عذر خواهم که چنین
ناپاک، بسجده‌گاه پاکان، رفتم

عهدیست که، طاعتی چو عصیان نبود
دوریست که، کفر کم ز ایمان نبود
اسلام اگر اینست، که در کشورِ ماست
ای وای بر آن که، نامسلمان نبود

عمریست که من آه و فغان، میدارم
لیکن، پنهان ز جسم و جان، میدارم
آن ماتمیم که، سال و ماه و شب و روز!
میگریم، واز خویش نهان، میدارم

ای قاتلِ مرشد! از کجا میآئی؟
کالوده بخون، چو اشکِ ما میآئی!
چون شعله، بهر که میرسی، میسوزی
گویا، ز دلِ اهلِ وفا، میآئی!

شب در، برخ یار و برادر بستم
با تنهائی، عهد مکرر بستم
در گوشهٔ خلوتی نشستم، که هوا
میخواست درآید، برخش در بستم

جسمی که، بشام تار ماند، دارم!
وصلی که، با انتظار ماند، دارم!
حالی که، بزلف یار ماند، دارم!
یاری که، بروزگار ماند، دارم!

مرشد! دل را، بجاه مایل کردی؟ — با خصم کنند آنچه، تو با دل کردی!
از دولت دو روزه که نا آمده رفت — جز محنت جاوید، چه حاصل کردی؟

از جان پرسی، ہزار محنت زده ام — از دل گوئی، بیزار آتشکده ام
جرمم ہمہ این که، اہل بینش شده ام — عیبم ہمہ این که، لاف دانش زده ام

رفتم رفتم! از بزم یاران رفتم — از باغ، چو ایام بہاران رفتم
من بعد، مگر در صفِ رزمم یابند — کز بزم، چو عقل می گساران رفتم

طرز روش، از باد صبا دزدیدم — رفتار، ز عمر بی وفا دزدیدم
گفتم قدمی بسیر دل رنجہ کنم — دیدم ہمہ جای تست ما دزدیدم

بر لشکر عشق، صد شبخون بردیم — تا ره، بطریق عقل مجنون، بردیم
شمعی ز جنون عشق، روشن کردیم — وز ظلمت عقل، راه بیرون بردیم

بخشی شد، و غم فزود، حیف از بخشی! — بر دل، درِ غم کشود، حیف از بخشی!
بیچاره چگونه زنده ماندی، کامسال — تاریخ زمانه بود: حیف از بخشی

۱۰۱۸ھ ۱

از لشکر روم فتح ایران نشود — وز کثرت گور دفع شیران نشود
از زلزله، پای کوه از جا نرود — وز سیل، بنای چرخ ویران نشود

---

۱ مرشد اس سال سندھ میں تھے یہاں کسی سرکاری افسر کے لئے یہ رباعی کہی ہے۔

باکردهٔ خوب، اگر نشینی بکنشت　　　به زانکه روی بکعبه، باکردهٔ زشت
از رفتن حج کس، از بهشتی گردد　　　جز اهل حجاز در نیاید به بهشت

نسیانی، محمد طاہر تتوی

صاحب تاریخ طاہری، مورخ محمد طاہر متخلص بہ نسیانی نے اپنے متعلق یا اپنے خاندان کے سلسلے میں کہیں تفصیل درج نہیں کی۔ میر قانع نے تحفۃ الکرام میں چند سطریں لکھی ہیں، پھر مقالات الشعرا میں بطور شاعر دو چار سطروں میں ان کا تعارف کرایا گیا ہے، خود اپنی تاریخ میں بھی میر محمد طاہر نے اپنے خاندان کے متعلق تو کچھ نہیں لکھا، البتہ اپنے والد کے اور اپنے متعلق کہیں کہیں بر سبیل تذکرہ کچھ اشارے دینے پر اکتفا کی ہے، جس سے خاندان یا ذاتی حالات کی صحیح تصویر سامنے نہیں آتی۔ میر علی قانع نے اپنے دستخطی نسخے کے حاشیے پر سادات استر آبادی کے عنوان سے یہ لکھا ہے:

> — سادات استر آبادی۔ منجملہ سید محمد باقر مشہور باسم اکرائی وسید محمد طاہر دیوان معروف بہ میر سنبلی ولد سید حسین صحرائی ابن میر حیدر استر آبادی اند۔
>
> در تتہ بمحلہ بہائیخان، غربی مزار سید شاہ منبہ علیہ الرحمہ در زمینی کہ ثانی الحال مسکن مرزا حسین وانگاہ کوٹھی انگریز شد، سکونت داشتند۔

– سید محمد حسن معاصر عہد مرزا محمد باقی و متوسل سرکار
وی ، و پسرش میر محمد طاہر نسیانی تخلص میباشد کہ –
تاریخ طاہری – تصنیف اوست –

اکنون (۱۲۸۱ھ) از مدت نبائر ایشان در
موضعی سکونت دارند و لقب ایشان باغائی و صحرائی
است –

.... مزار اسلاف شان ، میان مکلی عقب
درگاہ سید عبد اللہ علیہ الرحمہ جانب جنوب یادگار [1]

اس طرح مقالات الشعرا میں ایک سطر دی ہے جس میں – تاریخ طاہری – کے ساتھ اس کی دوسری تصنیف قصہ عمر ماروئی مسمی بہ – ناز و نیاز – کا نام اور تین بیتیں نمونتہً دے دی ہیں [2]

تاریخ طاہری میں انھوں نے اپنا نام – طاہر محمد نسیانی بن سید حسن تتہ – لکھا ہے [3] – اور معلوم ہوتا ہے کہ تین پشتوں سے ان کا خاندان ارغون اور پھر ترخانوں کی ملازمت میں رہا تھا:-

– پدر کلاں و پدر خورد و خود سہ کرسیں نوکر بدیں
دو خاندان باکرم ارغون و ترخان بودہ [4]

---

[1] نسخہ بخط مصنف ۳۲۵ ب

[2] مقالات ۳۷۶

[3] تاریخ طاہری ۸

[4] " " ۱۰۱

اور لکھا ہے کہ ان دونوں خاندانوں کی ملازمت میں عمر گزاری گئی تھی لہٰذا ان دو گھرانوں کے متعلق جزوی و کلی حقائق ان کے افراد خاندان کو معلوم تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ بیگ کے تسلط کے بعد وسط ایشیا سے مختلف خاندانوں اور افراد کا جو ریلا سندھ میں آیا، اسی میں استر آبادی سادات کا یہ گھرانا بھی وارد ہوا جب شاہ حسن کے دور میں ہمایوں سندھ میں آیا (۲۸ رمضان ۹۴۷ھ — ۱۶ رجب ۹۵۰ھ) اور سرگرداں اِدھر اُدھر پھر رہا تھا، اس وقت یہ سادات موجود تھے، اور یہاں کے باشندوں سے رشتہ داری میں منسلک ہو چکے تھے۔ دربیلہ کے پرگنے کا ارباب عمر شاہ جس نے ایسے آڑے وقت میں شاہ حسن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہمایوں کی ہر طرح سے مدد کی وہ میر طاہر کا پدر کلاں مادری تھا طاہری میں ہے کہ:

— درین وقت ارباب عمر و داؤد سہتہ ولد او، اربابان پرگنہ دربیلہ، کہ پدر کلان مادری این مولف است، سر از آستان بوسی کعبہ راستان سرفراز نمودہ ..... موحیٰ الیہ ہم حکام حضرت در پرگنۂ خود درآوردہ ہرچہ امکان وسعت آذوق در ملک خود داشتند، اندودہ باردوی آذق طلب رساندہ بر عایا چنان نمودند کہ: رو بزراعت و عسارات آورند، تا تمام شدن - انچہ بہم رسیدہ است - غلۂ نوبلشکر ظفر اثر عالی میرسیدہ باشد۔

وخود صباح و مسا پیرامون اردو از روی اعتقاد و اخلاص - کہ عنقریب نتایج پذیر خواہد شد - چوکی و

وپہرہ از بہر بہرہ میداند۔[1]

ہمایوں نے ان باپ بیٹوں کے اخلاص اور مروت کی یہاں تک حالت دیکھی تو ان کو نہ فقط خلعت اور گھوڑے کے انعام سے سرفراز کیا، بلکہ مندرجہ ذیل "فرمان عالی شان، اپنے مبارک ہاتھوں سے، مرقوم فرما کر ان کے حوالے کر دیا۔

"من کہ ہمایوں شاہ بن ظہیرالدین بادشاہ بن عمر شیخ پادشاہ ہستم! عہد کردم بخدای جل وعلا و برسول عربی امی ذکی کہ، در رسالت او شک نیست، کہ: اگر بادشاہ کارساز بہمین ومتعالی اقلیم بجھر بما ارزانی فرماید از۔ او فوا بعہدی اوف بعہدکم۔ ہیچ تجاوز نکنم، وپرگنۂ دربیلہ بمفخر الاخوان ارباب داؤد ولد عمر شاہ سہتہ باولاد و احفاد او بخشیدم! باللہ الطالب الغالب!"[2]

اس خاندان نے نہ فقط دربیلہ میں ہمایوں کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے، بلکہ اروڑ تک بادشاہ کا ساتھ دیا جہاں عمر شاہ نے انتقال کیا۔[3]

سلطان محمود خاں حاکم بھکر نے شاہ حسن ارغون کو عمر شاہ کی کارروائی سے آگاہ کرتے ہوئے اجازت چاہی کہ اس کو اس عمل کی پاداش میں ایسی سزا دی جائے کہ دوسروں کو عبرت ہو! چنانچہ میر طاہر نے لکھا ہے کہ اجازت آنے پر اس

---

[1] طاہری ص۷۵۔ ص۷۶ [2] طاہری ص۷۵۔ ص۷۶

[3] " ص۸۳

(محمود نامسعود)، نے جو مدت مدید سے اس خاندان کے خون کا پیاسا تھا، عمر شاہ کی وفات کو غنیمت شمار کرتے ہوئے اس کے ایک بیٹے کو بوری میں سلوا کر قلعہ بھکر کے مشہور و معروف "خونی برج" سے دریا میں پھنکوا دیا، اور دوسرے بیٹے کی کھال کھنچوا کر اس میں بھوسا بھروا کر میرزا کے پاس بھیج دی۔[1]

سید طاہر نے لکھا ہے کہ اس حادثے کے بعد خاندان کے باقی لوگ ترک وطن کر کے احمد آباد میں جا کر بس گئے۔ اور ہمایوں کا فرمان ٹھٹہ میں مصنف کی دادی کے پاس بھیج دیا:

— فرمان عالی شان کہ حرز بازوی جان و قوت

ایمان بود، نزد والدہ کلان پدری بفرستادند۔

یہ فرمان اس وقت جل گیا یا ضائع ہو گیا جب خان خانان کے حملے میں میرزا جانی بیگ نے ٹھٹہ کو آگ لگوا کر جلوا دیا تھا۔[2] جب بکھر اکبر کے تحت آیا (دوشنبہ ۱۲ جمادی الاول ۹۸۲ھ)[3] اور اس صوبے سے اس محمود کو معدوم کیا گیا اس وقت طاہر نسیانی کا ننھیال احمد آباد سے واپس آ کر اپنے اصلی وطن اور جگہوں میں دوبارہ مقیم ہو گیا۔

میر نسیانی نے لکھا ہے کہ: ہمایوں کا وہ فرمان تو رہا نہیں لیکن خود اس نے تاریخ لکھنے میں اس امید پر مشقت اور محنت اٹھائی کہ اس کا مربی اور ممدوح (عادل خاں بن شاہ بیگ خاندوران) اس تقریب سے جہانگیر کے دربار تک اس کی رسائی کرا دے گا۔[4]

۱ھ ص۸۴ ص۸۵۔

۲ھ تحفۃ الکرام شائع کردہ راقم سطور ص۲۸۵۔

۳ھ معصومی ص۲۳۶۔ ۴ھ طاہری ص۸۵ ص۸۶۔

میر طاہر کے والد سید حسن میرزا باقی کی ملازمت خاص میں تھے، اور جس رات کو میرزا باقی نے خودکشی کی ہے اسی رات سید حسن ملک احمد کی چوکی میں موجود تھے، اور بعد میں مواخذے میں بھی آئے۔ سید طاہر نے میرزا باقی کی خودکشی کا مفصل چشم دید واقعہ اپنے والد کی زبانی بیان کیا ہے جو کسی اور تاریخ میں موجود نہیں ہے، ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

– جس رات مرزا باقی نے خودکشی کی اس رات سید حسن شاہی محل میں ملک احمد کی چوکی میں پہرہ دے رہا تھا۔ مرزا باقی کے کمرے میں اس کے تین خاص ملازم سو رہے تھے۔ مار قدم قورچی۔ چھتہ ہندو۔ اور دریائی آبدار۔

آدھی رات کے بعد میرزا اچانک اپنے پلنگ سے اٹھا، ملازموں کے خوف سے پہلے چراغ بجھا دیا، اس کے بعد:

– شمشیر خاص از قور برداشته بی قراب ساخته عریان نموده، نواب آن بر سینه نهاد۔ قبضه اش برطاق خانه مانده چنان زور داشت که جگر شگافته راست از پشتش برون برآمد۔ چون کار خود به مدعای خاطر آزرده گان[۲] بدست خویش ساخت

---

[۱] از میان حسن پدر خویش دارم که در شب مرگ .... ص ۱۵۶۔

[۲] مظالم کی وجہ سے، سید طاہر نے لکھا ہے کہ، لوگ سخت تنگ آ چکے تھے۔ مسلمان

(جاری)

بی تاب وطاقت گردیدہ بیک دست احشا برآوردہ محکم داشتہ وبدست خون آلودۂ دیگر، درآن شب تار جای جستہ تمام درودیوار ازان نقش پنجہ منقش ساخت، ازبس بی طاقتی کہ خوابگاہ نتواست یافت برین خدمتگاران مذکورہ کہ پیرامون کٹ[1] او خوابیدہ بودند۔ افتاد۔"

تینوں ملازم ہول سے اٹھ کھڑے ہوئے اور چراغ جلاکر دیکھا کہ مرزا خون میں لت پت نہ فقط خود فرش پر نیم مردگی کی حالت میں مرغ بسمل کی طرح افتاں وخیزاں تڑپ رہا ہے، بلکہ ان ملازموں کے تمام کپڑے بھی خون سے تر بتر کر دیئے ہیں۔ یہ صورت

(جاری)

دعائیں اور ہندو ہوم کرتے تھے۔ ہمہ اہل ولایت از زشت خوی او چنان بجان رسیدند کہ مسلمانان ہم بہر مرگ او در مساجد شروع داشتند و ہندویان ہوم نمودہ روز و شب ہمیں استدعا میکردند کہ: خدای تعالی سایۂ چنین حاکم بدسیرت از مفارق ما زائل دارد و اورا از منزل وجود براہ عدم نابود گرداند!۔ ص ۱۵۶

چنانچہ چند روز کے اندر ان کا بیٹا مرزا شاہرخ صوبہ دار نصر پور اچانک انتقال کر گیا اور مرزا باقی اس غیر متوقع صدمے اور مسلسل کشت وخون اور مردم آزاری کی وجہ سے دیوانہ ہو گیا اور نتیجتاً خودکشی کر لی۔

[1] کٹ: کھاٹ۔ چارپائی۔

دیکھ کر ملازم دہل گئے اور چیخے چلائے، جس کی وجہ سے چوکی والے بھی ہوشیار ہو گئے۔

اس حالت میں مرزا نے اپنے خدمتگاروں میں سے منہ لولے بیٹے ملک احمد کو بلوایا۔ ملک احمد ازروی عاقبت اندیشی نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے ہاں جائے اور اپنے کپڑے خون میں لت پت کرا کے کسی مصیبت کا سامان اپنے لیے بہم پہنچائے، لیکن اس تردد میں ایک اور ملازم دوڑتا ہوا آیا کہ مرزا پر نزع کا عالم طاری ہے اور "حسرت دیدارش دارد!"

مجبوراً ملک احمد کو جانا پڑا لیکن وہ احتیاطاً سید محمد حسن کو بھی بطور گواہ اپنے ساتھ لیتا گیا۔

"چون چشم بروی او بکشاد، بوتم! بوتم! گفتہ ہر دو دست برداشت و او را برای تہمت خون خویش چون جان در بغل کشید، گویا کہ لباس و اعضای او کہ دران اوقات از زخم خود خون آلود شاہد تہمت آن پاک سرشت نہاد۔"

اس پر ملک احمد نے چلا کر کہا کہ: مجھے نہیں معلوم کہ یہ حادثہ کس کے ہاتھ سے سرزد ہوا! لیکن فی الحال تو آپ نے مجھ غریب کو خون آلود کر کے گنہگار کر دیا! نہ جانے کل مجھ غریب پر کیا آفت لائی جائے گی! اور میرا کیا حشر ہو گا۔ مرزا نے سب کو کہا کہ:

"شما ہم از زبان ما گواہ باشید کہ کسی را بتہمت خون ما نخواہند گرفت۔ فردا بحکام و فرزندان ہم چنان خواہند گفت کہ: ما خود را کشتہ ایم! از ماست کہ بر ماست!"

آخر شب کو میرزا کا دم نکلا، چیخ پکار پر شہر میں ہنگامہ پیدا ہو گیا، سپاہی امرا اور شہر کے بااثر لوگ ڈیوڑھی پر آکر جمع ہو گئے اور منتظر تھے کہ صبح نکل آئے تو قضیہ معلوم ہو۔

میر طاہر نے لکھا ہے کہ ایسے میں اس کے والد نے ملک احمد کو بہت کچھ سمجھایا اور مشورہ دیا:

"پدر این احقر چون معاملہ بدنامی از گفت و شنود غیر حاضران مدعی ملک احمد ۔ کہ از عشرت و خواری و شرمساری حاصل داشتہ بودند۔ شنید کہ: ہمہ حاضران را، غرض گویان، متہم و بدنام ساختہ، بعقوبت و خواری و رسوائی و شرمساری خواہند کشت! اولیٰ آنکہ مستعد با جمعیت خود بودہ، تا حق ظاہر شدن و واقعہ و قوعی بوقوع آمدن بزور و استعداد مرہون و محبوس منافقان موافق نما و دشمنان دوست صورت باید شد۔ کہ نقش بسے کج نشستہ! ہر چند ملک را مصلحت داد کہ غافل از خرابی خود و فقرای دیگر نباشند، خود را مفت بدست این واقعہ طلبان

چند - کہ تشنۂ خوں شمایند - ندہند گوش نکرد -

آخرکار مشورہ نہیں مانے اور:

" - از بیہوشی چنان گوشمالی یافت کہ ہم خانۂ خود خراب ساخت وہم چند کس دیگر - ورای این احقر کہ دران شب حاضر بود - بی خانمان نمود"[1]

صبح کو جب لوگ اندر آئے اور صورت حال دیکھی تو ملک اور دوسرے حاضر باشوں کو تو بغیر کسی تحقیق اور دلیل کے پکڑ کر فی الفور جیل بھیج دیا اور گھروں پر پہرے بٹھا دیئے[2] اور امرا میں سے خلیل مہردار، خسرو چرکس، ملا محمد فراغی، شمس الدین سلطانی، اور ملا جمال الدین نے مل کر جانشینی کے مسئلے پر صلاح و مشورہ کرنا شروع کر دیا۔

مرزا باقی کے دو بیٹے تھے، پاینده محمد اور میرزا مظفر، پہلے یہ سوچا گیا کہ مرزا مظفر کو، جو بدین میں تھا، طلب کرکے تخت نشین کر دیں، لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ اس کی ماں جاریجہ قبیلے کی ہے، اگر وہ تخت نشین ہو گیا تو جاریجہ قوم کے راجپوت جو شورہ پشت اور فتنہ انگیز ہیں، سلطنت پر چھا جائیں گے اور مغلوں (ارغونوں اور ترخانوں)

---

[1] طاہری ص ۱۵۵ - ص ۱۵۹ [2] طاہری ص ۱۶۰

کو جڑ بنیاد سے اُکھاڑ ڈالیں گے۔ اس لیے اس کو نظرانداز کر کے مرزا پاینده محمد کو جانشین کرنا مناسب معلوم ہوا مگر وہ پاگل تھا، امورِ سلطنت کسی طرح انجام نہیں دے سکتا تھا، اس بنا پر یہ رائے ٹھہری کہ تخت نشین تو مرزا پاینده ہی کو کیا جائے لیکن حکومت اس کے بیٹے مرزا جانی کے حوالے رہے اور وہ اپنے باپ کے نائب کی حیثیت سے پورے شاہی اختیارات کے ساتھ امورِ سلطنت کو انجام دے!

اس تجویز پر اتفاق رائے ہو جانے کے بعد مرزا باقی کو دفن کیا گیا اور مرزا جانی بیگ کو جو سہوان میں تھا، تیز رو قاصد کے ذریعے بسرعت تمام ٹھٹھ پہنچ جانے کا پیغام بھیجا گیا۔ اندیشہ تھا کہ مرزا مظفر اس سے پہلے ٹھٹھ پہنچ کر تخت پر قبضہ نہ کر لے چنانچہ ٹھٹھ سے سہوان تک دو سو کوس کا فاصلہ اس قاصد نے تین روز میں طے کیا، اور مرزا جانی کو ٹھٹھ لے آیا، لیکن مرزا مظفر ٹھٹھ سے ساٹھ کوس کے فاصلے پر قصبہ بدین میں تھا۔ اس کا وکیل علی خان اس کو مرزا جانی کے پہنچنے سے پہلے ٹھٹھ لے آیا۔ ٹھٹھ کے سرداروں نے مرزا مظفر کو ٹھٹھ میں داخل ہونے نہیں دیا اور اسے شہر کے باہر نہر علی جان کے کنارے روک دیا۔ جب مرزا جانی

سہوان سے آگیا تو اپنے باپ مرزا پابندہ کو رسماً تخت نشین کر کے خود نائب سلطنت بن کر سلطنت کا کام چلانے لگا۔

مرزا جانی نے ملک پر دہشت بٹھانے کے لیے سب سے پہلا نشانہ ان بے قصوروں کو بنایا جو میرزا باقی کی خودکشی کے دوران بدقسمتی سے چوکی پر موجود تھے، چنانچہ دریای آبدار کو کاہ[1] میں لپیٹ کر آگ لگوادی۔ مار قدم قورچی کے آرے سے کاٹ کر سر تا قدم دو حصے کر دیئے اور ہر حصے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ویرانے اور بازار میں پھنکوا دیئے۔ اور چھتہ ہندو کو سنگسار کر کے اس طرح نگونسار کر دیا کہ اس کا وجود عدم وجود بن کے اُڑ گیا۔ ملک احمد کا حال سید طاہر کے الفاظ میں سننا بہتر ہے:

"ملک احمد و والد مولف[2] راتا آوردن از

---

[1] تواره در تواره پیچیده آتش داده سوختند (ص ۱۶۳) تواره: خانہ دران سرگینی چهارپایان دکاه و امثال آنها بریزند۔ بمعنی بوته های خار که در سر دیوار و دور باغ و پالیر جا میدہند نیز گفته شده (عمید ص ۳۴۳)

[2] تاریخ طاہری کے مطبوعہ نسخہ میں یہاں کی عبارت کتابت کی گنجلک ہونے کی وجہ سے بغیر غور کیے اور سمجھے یوں چھاپ دی گئی ہے۔ ملک احمد ولد ماسف۔ (۱۶۲) حالانکہ یہ "ولد ماسف" نہیں بلکہ "ملک احمد و والد مؤلف" ہے۔

زندان بحضور میرزا، لباس از بر چنان دور داشتند کر فوطه زہار از فرصت باز کردن بکار د بریدن گرفتند جلادان جان ستان ساعت بساعت آن ہیبت چون گرازان ساطور بر سنگ میزدند و بنوعی ہیئت خود مینمودند کہ مرگ از بیم ایشان پریشان و اجل از شتابان میگشت ۔ و بجہت انگشتری ملک، میخواستند کہ انگشت او در ہمان جا از بند جدا سازند"

سید طاہر نے یہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

" سبحانہ تعالی ہمہ را از قضای برم و قہر سلطان حقیقی و مجازی در امان خویش مامون دارد، وچنان وقت نصیب ہیچ ہندو و مسلمان مباد!"

الغرض اس خواری، خرابی، اذیت اور عقوبت کے ساتھ جب ملک احمد کو میرزا جانی کے سامنے لایا گیا تو اس نے یہ فیصلہ سنایا:

" ملک احمد را در بازار نشانده از پای تا سر پوست بر آورده، پرکاه داشتہ بیاویزند، و تنش را پرچہ پرچہ نمودہ پیش سگان اندازند — !

مولف نے لکھا ہے کہ:

" زہی جرات و دلاوری او کہ، تا از سر تا خون پوستنش بر آوردہ بد ہانش رسانیدند، دم نکشید و تن خود را در قضای الہی دادہ خم نداشت۔

عاقبت کلمہ شہادت عرض نمودہ جان تسلیم داشتہ بعقوبت اراد اللہ رسید[1]

اس کے بعد جب طاہر نسیانی کے والد حسن کو مرزا جانی کے سامنے پیش کیا گیا تو خلیل مہردار نے سفارش کی کہ: نوجوان سید زادہ بے گناہ ہے، اس کا جرم صرف اتنا ہے کہ اس روز ملک احمد کی چوکی میں شامل تھا، دوسروں کی طرح اس کا لباس خون کے دھبوں سے آلودہ نہ تھا، یہ نوجوان صاحب زہد و تقوٰی ہے، صائم الدہر اور قائم اللیل ہے۔ کسی دن یہ آقا کے کام آئے گا، اگر اس کے بعد کبھی اس پر یہ جرم ثابت ہوا تو میں اس کا ضامن ہوں!

خلیل مہردار کی اس پرزور سفارش پر مرزا جانی نے سید حسن کی جان بخشی کی اور اس کو خلیل کے حوالے کر کے کہا کہ: یہ شور و شر کچھ مدت تک رہے گا، اس لیے اس جوان کو وہ اپنی نگرانی میں رکھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اس کو ہمارا معتوب سمجھ کر مار ڈالے![2]

خلیل مہردار کا اس سید زادے کے لیے کہنا کہ: "یک روز بکار صاحب خواہد آمد" بالکل صحیح نکلا، چنانچہ سید حسن اس کے بعد مرزا کی ملازمت

---

[1] ص ۱۶۳ [2] طاہری ص ۱۶۳

میں رہا اور جب خان خانان نے سندھ پر حملہ کیا
اور کئی معرکے ہوئے اس وقت اس سید زادے نے
میدان کارزار میں بڑے جوہر دکھائے[1]، اور ہر جگہ
اور ہر مصاف میں مرزا کے لشکر میں دوسرے بہادروں
کے ساتھ قدم بقدم اور شانہ بشانہ چلتا رہا اور لڑتا رہا۔
سید حسن کے متعلق یہ آخری (۱۰۰۰ھ) اطلاع ہے
جو ہمیں تاریخ طاہری سے ملتی ہے۔

محمد طاہر نسیانی نے اپنے سوانح سے متعلق کوئی خاص مواد نہیں دیا، البتہ جا بجا ضمنی حوالے ملتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد تو غالباً مرزا جانی کے چلے جانے کے بعد گوشہ نشین ہو گئے تھے اور خود اپنی نوجوانی میں مرزا غازی بیگ کی ملازمت میں اگر باقاعدہ شامل نہیں ہوئے تو کم از کم خاندانی تعلق اور توسل کی وجہ سے، ان کے قریب آگئے تھے، البتہ مرزا کی خاص مجلسوں میں ان کا گزر نہیں تھا۔ وجہ بتاتے ہوئے میر نسیانی نے اپنی تاریخ کے دیباچے میں لکھا ہے کہ: ارغونی اور ترخانی دور میں ہر خاص و عام اور وضیع و شریف نے شعر گوئی کو شعار بنا رکھا تھا، نثر یا وقائع نویسی پر کسی کی توجہ نہیں تھی:

"خواص و عوام و وضیع و شریف آندیار، شعار شعر
در پیش میداشتند..... بنوعی و نہجی مردم از فراغت
انتظام یافتہ از منثور بمنظوم مشغول بودند کہ اکثر
سپاہی و شہری از رعیت۔ بامید صلہ و انعام شعر۔

---

[1] طاہری ص۱۸۹

شاعر گشتند و از پیشہ ہائے پریشاں دیگر ، در گزشتند"[1]

طاہر محمد نسیانی شعر کہنا نہیں جانتے تھے ، اور یہی سبب ہوا کہ مرزا کی مجلسوں سے یہ دور دور رہے :

"این خوشہ چین خرد مندان ، کہ از سائر الناس بود، بموجب ناقابلی و بے استعدادی فضل - کہ جوہر گوہر انسانیت و اصالت است - باوجود نسبت قدامت در صحبت خاص آن اہل نواز ، راہ نداشت -"

میر طاہر محمد میرزا غازی کے ساتھ ہندوستان گئے تھے - ان کو اپنی اس کمزوری کا شدید احساس تھا اور انھیں غیرت آتی تھی کہ دوسرے ساتھی تو مرزا کی خاص مجلسوں میں مزے کرتے رہیں اور یہ دور سے یہ تماشے دیکھا کریں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب اکبر نے وفات پائی تو فرط غیرت ندامت و اور پشیمانی سے انھوں نے بادشاہ کی وفات کی یہ تاریخ کہی -

"فوت اکبر شہ"[2]

۱۰۱۴ھ

---

[1] طاہری ص ۱۲ - ص ۱۳

[2] اکبر کی وفات پر دوسروں نے بھی تقریباً اسی قسم کی تاریخیں نکالی ہیں :

(۱) الف کشید ملائک ز فوت اکبر شاہ

(۲) 'فوت اکبر شہ' است تاریخش

(۳) گشت تاریخ فوت اکبر شہ

(مفتاح التواریخ ، ص ۲۰۹)

میرزا غازی بیگ کو جہانگیر نے ۱۰۱۵ھ میں لاہور سے قندھار کی قلعہ کشائی پر روانہ کیا۔ اس وقت میر طاہر محمد ان سے رخصت ہو کر ٹھٹہ چلے آئے، مقصد یہ تھا کہ یہاں رہ کر شعر کہنا سیکھیں اور اساتذہ سے استفادہ کریں۔

اس وقت (۱۰۱۵ھ) ان کی عمر ۲۵ برس کی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی پیدائش ۹۹۰ھ میں ہوئی گویا سندھ پر جب خان خانان نے لشکر کشی کی ہے۔ اس وقت میر طاہر محمد کی عمر ۹ سال کی تھی۔

بہر حال میر طاہر اپنے زاد بوم یعنی دارالسلطنت ٹھٹہ واپس پہنچ گئے۔ لکھا ہے کہ:

"پس بیست و پنج عمر خود۔۔۔۔ مرخص گردیدہ ببلدۂ
ٹھٹہ کہ وطن اصلی است رسیدہ از اشغال دیگر پرداختہ
بخواندن مشغول گشت۔"

ٹھٹے میں اس وقت آخوند شیخ الحق بھکری کا۔ جو سلطان محمود بھکری کی ملازمت میں رہ چکے تھے اور میرزا غازی کے بھی معلم رہ چکے تھے۔ درس جاری تھا، میر طاہر نے ان کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا، بر بنائے غیرت چونکہ طلب صادق تھی اس لیے لکھا ہے کہ:

" در اندک، عبور منظوم و منثور از عنایت لانہایت
رب السمٰوات والارض و توجہ موجہ استاد کامل طبیعت
موزوں داشت، در خدمت استاد خضر طبیعت
آخوند مولانا اسحٰق بھکری الاصل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔
خواندن گرفت۔"

مولانا اسحٰق صاحب دل اور صوفی مشرب و مسلک کے تھے، شیخ سعدی

مولانا روؔمی اور جاؔمی کی کتابوں پر عبور اور دسترس کامل اور ان کے رموز اور نکات پر قدرت حاصل تھی، میر طاہر نے ان کی کتابیں ان کی خدمت میں بیٹھ کر پڑھیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شعر میں ان کو پوری دسترس اور درک حاصل ہو گیا۔[۱]

اسی طرح میر طاہر نے اس دور کے دوسرے فاضل استاد میر ظہیر الدین ثانی عرف سید جادم بن سید شکر اللہ شیرازی، جس کو انھوں نے۔ گوہر بحر عزت و سیادت، دُرِ معدن بلاغت و فصاحت، جامع العلوم و موشگافِ معانی۔ کے القاب سے یاد کیا ہے، خاؔقانی اور انوؔری کے قصائد سبقاً سبقاً پڑھے۔ اور اس طرح انھوں نے زبان و بیان نظم اور نثر میں خاصا مقام پیدا کر لیا۔ یہ سب کچھ میر طاہر نے اسی ایک سال یعنی (۱۰۱۵-۱۰۱۶) میں حاصل کر لیا، اور قیاس یہی ہے کہ شاعری میں درک پیدا کرنے کے بعد طاہر نے اپنا تخلص نسیاؔنی اسی سال رکھا ہو گا۔

مرزا غازی جب قلعہ کشائی کے لیے قندھار گئے تو پیچھے خسرو خان چرکس ان کے نائب الحکومت تھے، مرزا نے بھکر چھوڑتے ہوئے روپیہ اور کمک ان سے طلب کی تھی، جو ان کو قندھار میں داخل ہونے کے بعد پہنچے، جب کہ قحط سے مرزا کے لشکر کا برا حال تھا[۲] میر طاہر محمد بھی اس کمک کے ساتھ مرزا غازی کے پاس قندھار پہنچے:-

"فقیر نیز دران کومک کہ از سختہ بملازمت ایشان

---

[۱] ص۱۴۰

[۲] مرزا غازی کے حالات میں اس قحط کا حال درج ہے۔

میاآمد تعین گردیدہ بود۔"

یہی وہ دن تھے، بقول مورخ مذکور، جب طالب آملی اور شمسائی زریں رقم قندھار میں پہنچے، اور مرزا کی ملازمت میں آکر منسلک ہوئے۔[1]

ظاہر ہے کہ اس کے بعد میر طاہر مرزا غازی کے قریب آگئے اور ان کے لکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا دوسری مرتبہ مستقل طور پر قندھار کے صوبہ دار مقرر ہوکر گئے تو سید طاہر محمد نسیانی بھی قندھار ساتھ ہی یا بعد میں گئے، اور مرزا کی وفات تک (۱۰۲۱ھ) وہیں رہے۔ کیونکہ انھوں نے لکھا ہے، وفات کی رات کو خاص و عام کی زبانی ان کو معلوم ہوا کہ: مرزا کو نمک حرام خانہ زادوں نے زہر دے کر مارا ہے۔ میں نے قطعہ تاریخ کہا اور خود وطن واپس چلے آئے[2] ممکن ہے کہ نعش کے ساتھ جو متعلقین اور ملازمین واپس آئے انہی میں میر طاہر نسیانی آئے ہوں، عبارت کا ایک حصہ یہ ہے:

"آنصاحب فاضل، باذل، اہل نواز، حاتم ہمت،
نیسان کف، ازین عالم فانی بدان ملک جاودانی
رحلت فرمود۔ این بندہ بہرۂ طلب بہرہ وراز کسب
نفیلت۔ کہ بشوق خدمت خلد آیئن او اکتساب
نمودہ۔ برگشت۔[3]

میر طاہر کے مزاج کا میلان ویسے بھی شعر سے زیادہ نثر کی طرف تھا۔

---

[1] طاہری

[2] قطعہ تاریخ اور یہ واقعہ مرزا غازی کے سوانح میں ملاحظہ فرمایئے۔

[3] طاہری صہ ۱۶

چونکہ ارغونی اور ترخانی دور میں لوگوں کو شعر کی طرف توجہ زیادہ تھی، اور خاص طور پر مرزا غازی نے بالکل ہی ملک اور اپنی مجلس کو شاعرانہ مذاق میں رنگ دیا تھا اس لئے مجبوراً بھی اور مصلحتہً بھی میر طاہر نے شاعری کی طرف توجہ دی، ورنہ ان کا ذوق ان کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل نثر سے تھا اور مضمون کے لحاظ سے تاریخ سے ان کو زیادہ دلچسپی تھی۔

انھوں نے افسوس ظاہر کیا ہے کہ: اس ملک سندھ کی تاریخ کسی نے نہیں لکھی کہ جس سے گزشتگان کے حالات معلوم کیے جا سکیں۔

"..... نوبت حکومت ارغون مغل رسید، از منثور بمنظوم مثل بیشتر پیدا شد، ازین ممر کسی تاریخ سند یعنی بندر دیول۔ کہ پای تخت آن بلدہ ننگر تتہ۔ و اسامی بہ تفصیل و تفسیر ننوشت، کہ از روی آن بعض غیر ضروری انتخاب و اکتساب نمودہ، احوال ایشان تحریر و ترجمان نماید[1] بلکہ واقعات ملک و مالک، حقیقت حال و ماضی، مرقوم عین ہزل و محض ہذیان میپنداشتند"[2]

یہی احساس تھا جس نے مرزا غازی ہی کے زمانے میں میر طاہر کو تاریخ لکھنے پر آمادہ

---

[1] سندھ کے حالات میں اس سے پیشتر تاریخ چچ نامہ اور تاریخ معصومی موجود تھیں، بیگلار نامہ بھی لکھا جا چکا تھا، ہندوستان میں لکھی ہوئی تاریخوں میں بھی سندھ کے حالات پر جدا ابواب موجود تھے، میر طاہر نے باوجود تاریخی ذوق رکھنے کے نہ جانے کیوں ان تاریخوں سے استفادہ نہیں کیا۔

[2] طاہری ص ۱۲

کیا تھا، لیکن ان کی مصروفیتیں ایسی تھیں کہ مرزا کے جیتے جی قلم نہ اٹھا سکا، اور مرزا غازی کی وفات کے بعد جب ارغون اور ترخان سلاطین کے باقیات میں سے کوئی نہ رہا۔ یعنی :

"چنان از تخت بہ تختۂ خاک و از کو بگور عدم فرو رفتند کہ گویا از کتم عدم بہ عالم وجود قدم نازدہ موجود نگشتہ بودند۔"

اس وقت میر طاہر کے لیئے لازم ہوگیا کہ ان کے حالات قلمبند کرے، لیکن وہ ۱۰۲۱ھ سے ۱۰۳۰ھ تک برابر اس کوشش اور توقع میں رہے کہ :

"اگر کسی باعث براین امر خیر گردیدہ، غمخوار این خاکسار رہگزار اہل دین گردد، نام او وکام خود حاصل داشتہ احوال این مردم کہ داد مردمی دادند و بعضی ادای کہ موافق طبایع اہل معرفت نیست، بموجب نخوت و نفسانیت، از تبیان بظہور رسیدہ بہر تنبیہ اہل ادراک برقم آورد۔"

خاندوران، شاہ بیگ خان ارغون ولد ابراہیم بیگ چریک صاحب قندھار[۱]

---

[۱] مرزا غازی کے حالات میں ذیلی حاشیہ کے اندر ان کے حالات دیئے گئے ہیں خاندوران بڑا علم دوست امیر تھا، میر محمد قاسم اسیری (ملقب بہ اسیر الحیران) قہستانی اور کئی ایک اور شاعر اس کے ساتھ وابستہ تھے میر اسیر الحیران کا حال صاحب خیر البیان نے یوں لکھا ہے :

اسیر الحیران میر محمد قاسم اسیری از اکابر درج است من اعمال قہستان

(جاری)

نے ان کو اس کام پر اکسایا تھا، لیکن ان کی زندگی تک (۱۰۲۳ھ) تاریخ مکمل نہ

(جاری)

خراسان جامع الحیثیات و مجموعہ فضل است و اطلاع کلی بر اکثر علوم رسمیہ دارد در مبادی حال بگفتن اشعار رغبت بہم رسانیدہ در شہور سنہ تسع و تسعین و تسعمائۃ از ولایت قاین عزم سیستان نمودہ با یاران آن دیار روزی چند بگفتن و شعر سنجیدن مشغول بودہ بحضرت ملک الملوکش ملاقات دست دادہ از موائد اکرام بہرہ مند گردیدہ اصلاح بسیار در سخنش بہم رسیدہ چہ بندگان ملک را در علم سخن رسی رتبہ عالیست باز بوطن خود مراجعت نمودہ بعد از ایامی عود نمودہ طرز خاقانی را روش و دثار خود ساختہ الحق از غزل و قصیدہ و مثنویات بل اقسام سخن، خواہ نثر و خواہ نظم، سرآمد روزگار اہل دیار خود است. تخصیص در علم انشا، ہیچکس را لاف مسابقت با و نمیرسد اگرچہ در طرز تتبع شیخ ابوالفضل بن مبارک آگرہ میکند اما لطائف عبارات او را ہیچکس از اہل ربط کلام نسبتی نیست و در قصیدہ و مثنوی تتبع طرز ملک الکلام خاقانی میکند و مثنوی در بحر تحفۃ العراقین میگوید و بسیار مثنوی خوش است و قصائد غرا بطرز خاقانی گفتہ است و در شہور سنہ عشرین و الف از جانب ہندوستان بایران آمدہ مدتی ساکن دار السلطنت اصفہان بود و دو مرتبہ بہندوستان رفتہ مرتبہ اول چون استماع نمود کہ میر خسروی پسر خالۂ او در ہند فوت شدہ و جمعی از منسوبان او در بند ماندہ اند جہت ادراک حال ایشان بجانب ہندوستان شتافت و با اکثر اعیان ہند آشنا شد و از بزرگان سخن و اعیان ملک معانی کہ در سواد اعظم ہند اند تخلص حیران، حوالہ یافت خود را اسیر حیران، می نوشت بلکہ اکثر اشعار تخلص بحیران شد و باندک زمانی بجانب ایران معاودت نمودہ شور و سودای جنون کہ در اصل بدماغ او استیلا داشت ازین سفر فزون شد باز

(جاری)

(جاری)

بولایت هند شتافت اکنون داخل معسکر خان عالیشان شاه بیگ خان کابلیست از اشعار آن زبده اهل ادراک و معانی این چند بیت تحریر یافت:

غزل:

چشمت بغمزه ساعد خورشید رگ زده | لعلت کباب سوختها بر نمک زده
بیداد کن که از تو کسی مرد شکوه نیست | تو پنجه با فلک زده و ما فلک زده
مهر و وفای خود نستانیم زانکه، دوست | هم نقد ما گداخته، هم بر محک زده
از حسرت جمال تو، چشم نگاه را | در دیده دشنه کرده و بر مردمک زده
ادراک گریز عمر و بصد جهد روزگار | دنبال ما فتاده چو آهوی سگ زده
خاصیت وفاست، که در راه دوستی | کر برگ گل زمین شده، بر پا خسک زده

حیران خسی که کرده بپرواز شوق میل
طعن گریز بر پر و بال ملک زده

وله

از چنگ فتنه ره بنوای نیافتم | کار زمانه را سرو پای نیافتم
در شام غصه مردم و چندانکه دم زدم | در هیچ خانه شمع صفای نیافتم
در قحط انس روزه عزلت گزیده ام | کز خوان هیچ انس صلای نیافتم
بر دولت جهان چه نهم دل که در جهان | یک صبح بی زوال و مسای نیافتم

وله

بر جان سپه کشید غم و درد تازه شد | بیرحمی زمانهٔ بیدرد تازه شد
نقب بلا دو باره بدیوار تن رسید | آشوب جان زلزله پرورد تازه شد

(جاری)

ای آفتاب خانه ز غارت نگاه دار | کز شاه راه نالهٔ من گرد تازه شد
ای سوزن مسیح بفریاد من برس | کان چاکها که صبر رفو کرد، تازه شد
دل قطره قطره از مژه غم بر رخم چکاند | افشان آل بر ورق زرد تازه شد

حیران ز تیرگی و درازی شب منال
زنکار صبح آمد و صد درد تازه شد

ولہ

هوای بزم اسیری کدورت آمیز است | مگر که از تو غباری بر آستان مانده
رواج تفرقه در دیار امید است | که گاه فتنه فروشان بکهربای رفت
بنور حسن تو بیار دوش بردوش است | دلم بروشنی آفتاب میسوزد
بیگانگی مکن که بسی بال پر زوند | مرغان نامه بر که دو دل آشنا کنند
کسی زکوی تو دوری کند که هر قدمی | امیدواری جان دگر تواند داشت
ز درازی شب غم زچه رو کنم شکایت | چو امید شادمانی ز دم سحر ندارم
سبزهٔ بادیهٔ ما نکشد منت ابر | چشم اگر خشک بود آبلهٔ پای هست
سفید جامه بآزار زهد می بودم | بیک نگاه زدی پیرهن بنیل مراد
یک ابر مهربان بلب تشنه ام نشد | در عهد نوح نیز گل من سراب شد
زبان شد از ارنی گفتنم چنان ناسور | که ساخت .... داغ لن ترانی را
تار تار زلف او دارند سهر دل نزاع | ورنه چندین فتنه در زلف پریشانش چراست
گر نه معشوق غم دنیاست حیران خاطرت | همچو یوسف بیگنه در بند زندانش چراست
بلبل داغم، گلستان سحر گم کرده ام | تا قفس دیدم ز شادی بال و پر گم کرده ام

(جاری)

ہو سکی، بعد میں ان کے بیٹے عادل خاں[۱] کی ان کو سرپرستی حاصل رہی[۲] جس پر انھوں نے تاریخ مرتب کرنی شروع کر دی۔

تاریخ کا پہلا خطبہ میر طاہر نے عادل خاں کی خدمت میں لاہور میں آقا ملا برادر آصف خاں (ثالث میرزا قوام الدین جعفر بیگ متوفی ۱۰۲۱ھ) کی حویلی میں ان کے سامنے پیش کیا۔

"یاران بے انصاف" نے اس حصے پر محض بدی کرنے کی خاطر ناپسندیدگی

کعبۂ مقصود دور و بخت خورسندی زبون / صد کبوتر در ہوائی بال و پر گم کرده ام
پای تا سر چشم از شوق تماشایت ولی / بس کہ در حسن تو حیرانم بصر گم کرده ام
غرقہ در خون دل آن صیدم کہ از بیحاصلی / آشیان در جست و جوی بال و پر گم کرده ام
غوطہ در دریای حیرت خورده ام حیران دریغ / کاستین و دامن از ذوق گہر گم کرده ام

تا غم گرہ تن ز رگ جان نکشاید / ہجران تو قفل از در زندان نکشاید
گردیده مخور جلوهٔ بلبل کہ درین باغ / جز نالۂ بلبل دل حیران نکشاید

این آتش فتنہ را کہ عشق است خطاب / در شہر خرابی است و در بحر سراب
زان کوچہ کہ اوست، نا امیدیست حرام / زان پرده کہ اوست، بی نقابیست نقاب
گیرم کہ چو کینہ سنگدل گردد دوست / پیمان شکن و عہد گسل گردد دوست
در سلسلہ رضای او با دل تنگ / چندان بنشینم کہ خجل گردد دوست

[۱] یہ غالباً مرزا شاہ محمد عرف غزنین خاں ہوں گے جن کے علم و فضل کی تعریف کی گئی ہے (مآثر الامرا، ۲: ۴۴۴) [۲] طاہری ص۸ - ص۹ - ص۱۰

کا اظہار کیا، لیکن عادل خاں نے اطمینان دلایا اور کام جاری رکھنے کے لیے کہا[1]۔

عادل خاں جلد ہی کانگڑے کی مہم پر چلے گئے اور میر طاہر دربیلہ میں اپنے اہل و عیال کے پاس واپس آ گئے، جب (۱۰۳۰ھ) میں عادل خاں کو قندھار کا صوبہ تفویض ہوا تو میر طاہر پھر لاہور پہنچے تاکہ ان سے تاریخ لکھنے کے احکامات پھر سے حاصل کریں، چنانچہ ملتان کی منزل پر ایک رات یہ مسئلہ پیش ہوا اور دوبارہ مرزا عادل خاں نے میر کو اطمینان دلایا[2] اور پھر:

— چون گرمی خریدار از فروشندگی خویش بیش دریافت
قلم برداشته دریں راه بشتافت[3]

میر طاہر نے اپنی تاریخ مکمل کر کے مرزا موصوف کی خدمت میں پیش کی اور ان کی خوشنودی حاصل کی اور وہی تاریخ آج ـ تاریخ طاہری ـ کے نام سے سندھ کی تاریخ کا ایک اہم ترین ماخذ شمار ہوتی ہے۔

تاریخ طاہری کی عبارت کہیں کہیں ضمائر کے ہیر پھیر کی وجہ سے بہت کچھ الجھی ہوئی ہے، لیکن واقعات کے لحاظ سے اس کی اہمیت غیر معمولی ہے، اس لیے کہ اس میں:

۱- مرزا باقی کی خودکشی کا مفصل اور چشم دید حال درج ہے جو کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔

۲- اس میں خان خانان اور جانی بیگ کی جنگ کے چشم دید حالات جزئیات کی حد تک مرقوم ہیں۔ جنگ میں دوسرے شریک مورخ میر معصوم نے شاید جنگ کو اپنے تئیں غیر اہم سمجھنے کی وجہ سے یا اختصار کے لحاظ سے واقعات

---

[1] طاہری ص۲۰ - ص۲۱ [2] طاہری ص۲۲ [3] طاہری ص۲۲

اس تفصیل سے نہیں دیئے جیساکہ میرطاہر نے دیئے ہیں۔

۳۔ مرزا غازی ترخان، قندھار کی کمک اور میرزا کی وفات کے معاملات میں بہت اہم ترین گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو کسی اور تاریخ میں نہیں آئے ہیں۔ اس تاریخ کے علاوہ میر طاہر محمد نے ایک اور کتاب بھی تصنیف کی جس کا نام بقول صاحب مقالات الشعرا "نازونیاز" ہے اور اس میں عمرو ماروی کا قصہ قلمبند کیا گیا ہے[1]۔ افسوس ہے کہ اس کا کوئی نسخہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوسکا ہے۔

میرطاہر نسیانی کا انتقال اکسٹھ برس کی عمر میں ۱۰۶۱ھ میں ہوا اور وہ مکلی میں اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے جہاں ان کی قبر موجود ہے اور اس پر یہ تاریخی کتبہ موجود ہے۔

۱۔ بنمود وفات میرطاہر
۲۔ کو اصل نکو سرشتی آمد
۳۔ زین واقعہ دیدہ گشت دریا
۴۔ زان دریا غم آب کشتی آمد
۵۔ از لوح فنا سترده نتوان
۶۔ این حرف کہ سرنوشتی آمد
۷۔ رفتم چو بفکر سال فوتش
۸۔ سید طاہر بہشتی آمد

۱۰۵۱

۱؎ مقالات ص ۳۷۶

ان کا خاندان ٹھٹے میں اب تک ہے اور " باغائی سادات " کے نام سے مشہور ہے۔

میر طاہر کے اپنے اشعار تاریخ طاہری میں بھی جستہ جستہ ملتے ہیں۔ صاحب مقالات الشعرا نے ان کے فقط یہ شعر نمونتہً دیئے ہیں :

زآب حیات قلم ہر کہ زیست — نمیرد، بود زندہ، تا زندگیست
دلی مردہ از زندگانی، کیست — کہ در نامہ، نامش ندانند کیست

زدل نقش غمش زائل نگردد — سویدا خط انسانی نباشد

نشاط، محمد بیگ ترک ٹھٹوی

میرزا کے عہد کا شاعر اور ٹھٹہ میں آباد تھا۔ مقالات الشعرا میں اس کا فقط ایک شعر درج ہے:[1]

بسکہ دارم بہ جگر نشتر فصاد غمش
ہر زمان دیدۂ من چشمۂ خون می گردد

[1] مقالات الشعرا ص۸۱۴۔

نمکین، میر ابوالقاسم ہروی بھکری

میر ابوالقاسم کے والد کا نام ملا میر سبزواری تھا، سبزوار (ہرات) کے نواح میں پتچک، نامی قصبہ زاد بوم تھا۔ ملا میر، امام رضا کے مشہد مبارک کے متولی تھے، ازبکوں کے ہنگامے (۹۰۶-۹۱۶ھ) میں اپنے قصبے کو چھوڑ کر قندھار چلے آئے، جہاں ان کا انتقال ہوا۔ تذکرہ نویسوں نے اس خاندان کو حسینی سادات میں شمار کیا ہے۔

میر ابوالقاسم ابتدا میں اکبر کے بھائی میرزا حکیم (متوفی ۹۹۳ھ) کے پاس کابل میں ملازم تھے، ۹۸۰ھ سے پہلے ان کی ملازمت چھوڑ کر ہندوستان پہنچے اور اکبری امرا کی صف میں شامل ہو گئے۔

غالباً ملازمت میں سب سے پہلے ان کو پنجاب میں بھیرہ اور خوشاب میں جاگیر ملی، جہاں نمک کے پہاڑ موجود ہیں۔ میر ابوالقاسم نے بقول صاحب مآثر الامرا: ایک رکابی اور پیالی اس نمکین پہاڑ کے پتھروں سے بنوا کر اکبر کو اپنی نمک حلالی کی تلمیح میں بھیجی[1] بادشاہ کو یہ ادا پسند آئی اور نمکین خطاب دیا جو بعد میں نام

---

[1] مآثر الامرا، ۳: ۷۳-۷۴

کا جزو بن گیا۔

میر ابوالقاسم نمکین اکبری دور میں سلطنت کے مختلف حصوں میں کبھی صوبہ دار کبھی نائب اور کبھی کسی اور بڑے عہدے پر کام کرتے رہے، بڑی بڑی لڑائیوں میں شرکت کی۔ اپنی فوجی صلاحیت کے جوہر دکھائے اور شاہی انعام حاصل کرتے رہے۔

سندھ سے میر صاحب کا پہلا تعلق اس وقت ہوا جب فتح کے بعد میرزا جانی، خان خاناں مع دیگر امرا شاہی دربار میں پہنچے (۲۴ جمادی الثانی ۱۰۰۱ھ) اور جب از سر نو حکومتیں اور جاگیریں تغیر اور تبدیل ہوئیں، اس وقت میر نمکینؔ کو بھکر کے وہ علاقے بطور جاگیر کے عنایت ہوئے جو سندھ پر لشکر کشی کرتے وقت خان خاناں عبدالرحیم خاں کو ملے تھے[1]

۱۰۰۳ھ میں سیوی پر لشکر کشی ہوئی، اس وقت میر معصوم بھکری، اُچ کے تحویلدار سید بہاؤالدین بخاری، سیوہان کے جاگیردار، بختیار بیگ وغیرہ محلے میں اکٹھے تھے[2]۔ گویا یہی دور تھا جس میں نمکینؔ بھکر میں جاگیرداری اور امیری کرتے رہے۔ میر معصوم کے پاس بھکر کے وہی علاقے بدستور تھے جو سندھ پر حملہ کرتے وقت ان کے سپرد ہوئے تھے۔ یعنی کاکڑی، چانڈوکہ اور دربیلہ۔

۱۰۰۵ھ میں میر نمکین بھکر میں تھے، ۱۰۰۶ھ میں کشمیر گئے ہوئے تھے جہاں سے واپس ہو کر پہلی منزل پر اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ۱۰۰۸ھ میں سیوہان کی صوبیداری پر ہم ان کو فائز دیکھتے ہیں اور وہیں سے ۱۰۱۳ھ میں

---

[1] مظہر شاہجہانی، ۲۴۷-۲۶۵   [2] اکبر نامہ ۳: ۳۶۶

وہ میرزا غازی کے ہمراہ اکبر بادشاہ کے حضور میں پہنچے۔ جہاں ان کے حوالے قندھار کی صوبیداری ہوئی لیکن ابھی عمل درآمد نہیں ہوا کہ اکبر نے وفات (۱۳ر جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ) پائی اور نئے بادشاہ جہانگیر نے پہلا حکم رد کر کے توختہ بیگ کو وہاں بھیجا، سیبی، بھکر اور سیوستان بھی ان کے حوالے ہوا، میر صاحب کسی خاص مہم کے سلسلے میں جلال آباد پر نامزد ہوئے اور گجرات کا علاقہ ان کی جاگیر میں دیا گیا، میر صاحب آگرے سے ذی قعدہ ۱۰۱۴ھ میں اپنی جاگیر میں پہنچے۔ ابھی جلال آباد روانہ نہیں ہوئے تھے کہ جہانگیر کو اپنے بیٹے خسرو کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔

خسرو کو میر نمکین نے گجرات کے اندر حالت فرار میں بروز یکشنبہ ۲۴ر محرم ۱۰۱۵ھ گرفتار کر لیا اور ۳ر صفر ۱۰۱۵ھ کو اپنی نگرانی میں لا کر باغ میرزا کامران (لاہور) میں جہانگیر کے حضور میں پیش کیا۔

میر نمکین اس کے بعد جلال آباد گئے جہاں سے واپس ہو کر درۂ خیبر میں علی مسجد کی منزل پر (۲۸ر محرم ۱۰۱۶ھ) بادشاہ سے آکر ملے۔ غالباً جلال آباد کے بعد اسی سال (ماہ صفر) باجور کی قلعداری ان کے حوالے کی گئی اور وہ وہاں چلے گئے۔

میرزا غازی کو جس وقت دوبارہ قندھار کی حکومت کا حکم ملا (۱۰ر رمضان ۱۰۱۲ھ) اسی تاریخ میر نمکین کو سہیوان کی صوبیداری تفویض ہوئی۔ سہیوان میں سردار خان کا نائب درویش بیگ مقامی لوگوں سے لڑ کر رسوا کن شکست کھا کر قتل ہو چکا تھا، انتظام خراب اور نائب کی نااہلیت کی بنا پر بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں ملکی حالات اس قدر تشویش ناک ہو چکے تھے، جن کا تدارک میر نمکین کے سوا اور کسی کے بس کا کام نہیں تھا۔

میر صاحب آٹھ ماہ باجور میں رہ کر (صفر ۱۰۱۶ تا رمضان ۱۰۱۶ھ) سیوہان پہنچ گئے،[1]

ان کے بیٹے میرک یوسف نے اپنی کتاب "مظہر شاہجہانی" میں لکھا ہے کہ:

— ملک ویران برہم خوردہ را دیدہ، باز درپی دلاسائی رعیت بر ریختہ ملک شدہ ملک را فراہم آوردہ۔ درین اثنا سردار خان در قندھار جان بحق تسلیم کرد۔[2]

میرزا غازی کو بھکر میں حکم ملا کہ فوراً قندھار روانہ ہو جائیں اور ساتھ ہی میر نمکینؔ کو حکم پہنچا کہ وہ بھی بطور کمک کے میرزا کے ساتھ جائیں اور اس وقت تک وہاں رہیں جب تک کہ حالات اور انتظام قبضے میں آجائے۔ جب میر نمکینؔ کو یہ حکم ملا اس وقت ان کے ساتھ دوسرا فرمان بھی پہنچا کہ: درویش بیگ کی کمزوری اور انتظامی نا اہلیت کی وجہ سے سندھ کی لاکھ قوم پر سمیجہ قبیلے نے جو مظالم کیے ہیں ان کا فوراً انسداد کریں۔ میر صاحب نے خیال کیا کہ مرزا غازی کے ساتھ وہ اپنے بڑے بیٹے میر ابو البقا امیر خان کو بھیج دیں اور خود اس دوسرے حکم کی پیروی کر کے بعد میں قندھار جائیں، لیکن جب بھکر پہنچ کر میرزا غازی سے مشورہ کیا تو انھوں نے انکار کرتے ہوئے مصر ہوئے کہ وہ بذات خود ان کے ہمراہ چلیں، میرک یوسف لکھتا ہے کہ:

— مرزا غازی قبول نکرد و گفت: شما بجای پدر من اید! ہمراہ من باشید کہ مرد دانا کار کردہ ورسا اید! یک مرتبہ بقندھار رسانیدہ در ضبط و ربط ملک قندھار بمن

---

[1] مظہر شاہجہانی ص ۳۰۴   [2] مظہر شاہجہانی ص ۳۰۴

شریک بوده ، باز بجاگیر خود بیا بیند[۱]

چنانچہ اپنے بڑے بیٹے میر ابو القاسم کو سمیجوں کی مہم سپرد کر کے خود قندھار کی طرف چلے گئے۔

میر نمکین کا سندھ سے یہ چلے جانا دائمی وداع ثابت ہوا، کیونکہ جب وہ وہاں سے واپس ہو رہے تھے تو راستے میں اس دنیائے فانی ہی سے کوچ کر گئے:

— پیر غلام تا یکسال در خدمت قندھار پیش مرزا غازی
بود، وبعد ازان برخصت مرزا غازی روانہ جاگیر خود شد۔
در اثنای راہ قندھار بقضای الٰہی برحمت حق
پیوست[۲]

میر صاحب نے سکھر کو وطن بنا لیا تھا، اپنے دوران قیام میں دریائے سندھ کے کنارے "صفہ صفا" کے نام سے ایک پُر فضا عمارت بنائی تھی، جس کی چھت پر وہ چاندنی راتوں میں علمی اور ادبی مجلس منعقد کیا کرتے تھے۔ وفات کے بعد غالباً اپنی ہی وصیت کے مطابق اس چھت پر دفن ہوئے اور بعد میں پورے خاندان کا قبرستان وہیں بنا۔

میر صاحب کی قبر کا یہ کتبہ ہے:

(۱)

میر ابو القاسم آن یگانہ عصر
کہ بجز تخم دین وداد نہ کشت
ملک اقبال در تصرف داشت
چوں اجل در رسید، جلہ بہشت

---

۱ مظہر شاہجہانی ۳۰۵، تذکرہ امیر خاں ص۴۳ ۲ مظہر شاہجہانی ص۳۰۹، تذکرہ امیر خاں ص۵

دیدۂ دل کشاد برگیرید
عبرت ای عاقلان پاک سرشت

کتبہ سرہانے کی طرف ہے اوپر کے اشعار باہر کی جانب ہیں اس پتھر پہ اندر کی طرف یہ اشعار ہیں :

(۲)

گر بود بستر از حریر، چہ سود
چون نہد مرگ زیر بالش خشت
خلف خیر او، زداغ ابی
۱۰۱۸
چونکہ تاریخ سال فوت نوشت
گفت ملہم مرا بگوشش ضمیر
سال فوتش کہ "بادجاش بہشت"
۱۰۱۸

یہ کتبہ لوح قبر پر پائینتی کی طرف کندہ ہے :

(۳)

خان زمانہ میرالوالقاسم، آنکہ او
لوح وجود از رقم غیر سادہ کرد
.... دودمان وفا گلبن حیا
سال وفات او طلب از "داغ دادہ" کرد[۱]
۱۰۱۹

---

[۱] تذکرہ امیر خاں ص۵۱، ۵۲

آخری تاریخ میں ایک سال کا اضافہ ہے۔

ان کے بیٹے اور پوتے اکبر سے لے کر عالمگیر کے عہد تک بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے اور درجہ اول کے امرا میں ان کا شمار ہوتا رہا۔ امرا میں امیر ابوالبقا امیر خان، امیر عبدالکریم امیر خان وغیرہ اپنے عہد میں بڑے طنطنے کے مالک تھے، میرک یوسف مولف مظہر شاہجہانی، میر ابوالمکارم شہودؔ مصنف مثنوی پریخانہ، سلیمان سید اشرف صاحب، رقائم کرائم، امین الدین خان حسین مصنف معلومات الآفاق ورشحات الفنون اپنے دور کے عالم فاضل اور بڑے مصنف گزرے ہیں۔ اسی طرح ضیاءالدین یوسف، میر رضی الدین خاں فدائیؔ، میر حیدرالدین ابوتراب کاملؔ، میر محمد عطاؔ، میر ابوالوفا وفاؔ شعر و سخن میں اپنے اپنے دور کے نام آور اصحاب تھے۔

کئی ایک عمارتیں، مساجد اور دیگر یادگاریں ابھی تک اس خاندان کی یاد تازہ کر رہی ہیں۔ صفہ صفا۔ بکھر میں، صفہ وفا۔ سیوھن میں، میر تمکینؔ کی یادگار ہیں، ٹھٹھہ کی مسجد جامع میر ابوالبقا امیر خاں کی یادگار ہے۔ اس کی پشت پر میر عبدالکریم امیر خاں کی مسجد اور محلہ امیر خاں اور مکلی پر امیر خانیوں کا گورستان آج تک اس خاندان کے ذوق کی عمدگی کا پتہ دے رہا ہے۔

یہ خاندان دو ناموں سے مشہور ہوا۔ بکھر میں مقیم بزرگ "قاسم خانی" کہلائے اور ابوالبقا امیر خاں کو۔ امیر خان۔ کا خطاب ملنے کے بعد اس کے پس ماندہ۔ امیر خانی سادات۔ کہلائے۔ اول الذکر شاخ کا قبرستان صفہ صفا۔ پر روہڑی میں دریا کے کنارے ہے، اور امیر خانیوں کا گورستان مکلی پر موجود ہے، اور رہائش کا محلہ ٹھٹھہ میں جامع مسجد کی مشرقی دیوار کے ساتھ ہے۔

میر ابوالقاسم تمکینؔ خود بھی عالم، ادیب، نثر نویس[1] اور شعر و سخن کے دلدادہ

---

[1] تذکرہ امیر خاں ص۹۵ تا ص۹۸

تھے، شعرا اور علما کی مجلسیں ہمیشہ ان کے ہاں رہتی تھیں۔ شعر کا نمونہ نہیں مل سکا لیکن ان کی دو کتابیں موجود ہیں:-

۱- منشآت نمکین: اکبر کے نام ۲۳ رشعبان ۱۰۰۶ھ کو معنون کی[1] اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس میں (شمارہ ۱۵۳۵) ہے، جس کی کتابت ۱۴ رجمادی الاول ۱۰۱۲ھ کو ختم ہوئی ہے[2] دوسرا نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں (لٹن کلیکشن شمارہ ۲۶/۳ و ۲۷/۳) میں دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

۲- جوامع الجواہر: یہ کتاب اسلامی فلسفے پر لکھی گئی ہے، جس کا سال تالیف معلوم نہیں اور میر نمکین نے یہ میرزا غازی بیگ ترخان کے نام پر معنون کی ہے[3]۔

خیال یہ ہے کہ نمکین نے یہ کتاب اپنے آخری ایام میں مکمل کی ہوگی، اور جب میرزا غازی کے ساتھ ان کا ساتھ قندھار جاتے ہوئے ہوا، اس وقت ان کے نام منسوب کی ہوگی[4]

---

[1] تذکرہ امیر خاں ص۶۵ تا ص۶۸

[2] تذکرہ امیر خاں ص۶۵، اور دیکھئے مقالہ ڈاکٹر مومن محی الدین کا جرنل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی شمارہ اپریل ۱۹۶۰ء ص۹۰ - ص۹۶ میں نیز مجلہ انڈو ایرانیکا جون ۱۹۶۶ ص۴۰ - ص۴۵

[3] اس کا ذکر ڈاکٹر مومن محی الدین نے اپنے مقالے میں کیا ہے، دیکھئے انڈو ایرانیکا جون ۱۹۶۶ء ص۴۰۔

[4] اس خاندان کا پورا احوال راقم نے - تذکرہ امیر خاں - نام کی کتاب میں کیا ہے، یہ کتاب ۱۹۶۱ء میں ۳۶۱ صفحات پر اور ۸۲ تصاویر کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

وصلی، میر نعمت اللہ شیرازی

میر نعمت اللہ، شیراز کے طباطبائی سادات سے تھے، بقول صاحب میخانہ فارس کے لوگ اس قبیلے کو سیادت میں صحیح النسب مانتے ہیں[1]، شیراز میں میر نعمت اللہ کے والد "میر پنبہ زن" کے عرف سے مشہور تھے۔

مولانا مرشد بروجردی جب شیراز میں آئے اور وہاں رہے اس وقت میر نعمت اللہ نے ان کی شاگردی اختیار کی تا وقتیکہ:

— تا طبیعت مرا از صیقل صحبت سخنور بروجرد بمرتبہ
موزونیت رسانید.... شوق شعر گفتن و ذوق در سفتن
او را بوادی تتبع انداخت[2]

صاحب میخانہ نے لکھا ہے کہ بچپن سے ہی فارسی کی کتابیں پڑھنے کا ان کو شوق تھا اور فارسی کی اکثر کتابیں پڑھ لی تھیں اور:

---

[1] میخانہ گلچیں ص ۶۶۹۔

— بمرتبہ تحقیق لغات عربی و فارسی و پہلوی نمود کہ، درین
جز و زمان درین فن خود عدیل ندارد و بحدی از اصطلاح
جزوی و کلی متقدمین و متاخرین باخبر گردیدہ کہ، ہر گل و
گیاہی کہ از زمین میروید، از نام و نشان و خاصیت و
منفعت و مضرت آن، بہرزبان اطلاع دارد[1]

گویا ذخیرۂ الفاظ اور اصطلاحات یا خواص گل و گیاہ جاننے میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اور انھوں نے متقدمین، خواہ متاخرین کی تمام کتابیں پڑھ کر تحقیق لغات میں یدطولیٰ حاصل کر لیا تھا۔

ان کے استاد ملا مرشد بروجردی جب اسد قصہ خوان کی تحریک پر میرزا غازی کے پاس ٹھٹہ پہنچے تو کچھ عرصے بعد میر وصلی بھی یقیناً اپنے استاد کی توجہ سے میرزا غازی کے دربار میں پہنچ گئے:

"وصلی بدلگرمی استاد خود از مسکن بملک سند آمد و
قصیدہ - کہ در مدح زبدۂ دودمان ترخانیان میرزا غازی
گفتہ بود - بوسیلہ مرشد خان (مرشد بروجردی) برسبیل
رہ آورد بران قدردان سخنوران گزرانید -"

میرزا قدردان تھے، مرشد بروجردی سے خاص عقیدت اور محبت رکھتے تھے اسے "مرشد خاں" کا خطاب بھی دے رکھا تھا، جب ان کے یہ شاگرد پہنچے تو میرزا نے التفات فراواں دکھایا اور ان کو اپنے ملازمین کے جرگے میں لے لیا اور:

— و خدمت عمدہ در ملک سند بدو فرمود —

---

[1] میخانہ ص ۶۶۹

غالباً حسب دستور ان کو بھی مرزا نے سندھ میں کچھ زمین جاگیر کے طور پر دی ہو گی اور کوئی سرکاری عہدہ بھی تفویض کیا ہو گا جس کی کوئی تشریح اور نشاندہی نہیں ملتی۔

میر وصلی قندھار میں بھی مرزا کے ساتھ رہے اور مرزا جب تک زندہ رہا ساتھ نہ چھوڑا۔ ۱۰۲۱ھ کے بعد جب یہ بساط الٹی اور یہ آشیانہ خزاں رسیدگی کی وجہ سے اجڑ چکا اس وقت دوسرے متوسلین کی طرح میر نعمت اللہ وصلی بھی غالباً پہلے سندھ پہنچے اور پھر وہاں سے ۱۰۲۲ - ۱۰۲۳ھ کے درمیان سیدھے اجمیر گئے کیونکہ اس وقت جہانگیر بادشاہ وہیں منزل انداز تھا، اور یہی دور تھا جب کہ مرزا رستم صفوی کا سندھ پر تقرر ہوا اور اس کے پہنچنے پر میر معصوری ترخانی خاندان اور ان کے تمام متعلقین امرا کو سندھ سے خارج کر کے اجمیر میں بادشاہ کے دربار میں لے جا کر پہنچایا، جس کے بعد سندھ سے اس خاندان کا تمام و کمال قلع قمع ہو گیا۔

میر وصلی کا دربار یا دربار سے باہر کوئی وسیلۂ روزگار نہ بنا، چنانچہ انھوں نے اجمیر کو خیرباد کہہ کر پنجاب کی راہ لی۔ میخانہ کا مصنف اس سفر میں چھ مہینے تک ان کے ساتھ رہا۔ یہ دونوں ادیب اور اپنے دور کے معروف شاعر اور مصنف نارنول کے راستے سے لاہور پہنچے[1]

محمود بیگ ترکمان جو شاعر بھی تھے اور امیر بھی، اس سفر میں بنگش جاتے ہوئے سامبر کی منزل سے ان کے ساتھ ہو لیے، یہ سفر بقول عبدالنبی: ان کی وجہ سے بہت خوش گوار گزرا۔ محمود بیگ ہر منزل پر ایک غزل کی طرح ڈالتے تھے، عبدالنبی اور میر وصلی اس طرح پر غزل تصنیف کرتے تھے، چنانچہ سرہند میں جب پہنچے ہیں تو محمود بیگ نے مطلع کہا:

---

[1] میخانہ ص۶۷۔

کسی ز حال منِ خستہ، گر خبر گیرد　　　شمار سوز درونم، ز چشم تر گیرد

عبدالنبی نے کہا:

دلم براہ وفا، راست میرود ز انسان　　　کہ نیم گام اگر کج نہد، ز سر گیرد

میر وصلی کی غزل کا مقطع یہ ہے:

کنوں کہ نوبت وصلت، بہ وصلی افتاد است　　　بچرخ گوئی کہ: ایام را، ز سر گیرد[۱]

۱۰۲۵ھ میں یہ ساتھ تھے، لاہور پہنچ کر عبدالنبی کشمیر کی طرف چلے گئے اور محمود بیگ وصلی کے ساتھ بنگش چلے گئے[۲] تاکہ وہاں پہنچ کر الہداد خاں (مخاطب بہ رشید خاں) ولد جلال الدین اوشان افغان[۳] کی وکالت پر فائز ہوں۔[۴]

عبدالنبی نے لکھا ہے کہ اس سال (۱۰۲۵ھ) کے بعد سے لے کر (۱۰۲۸ھ) تک پھر وصلی کے متعلق کوئی اطلاع ان کو نہیں ملی۔[۵]

عبدالنبی نے جس وقت میر وصلی سے ملاقات کی ہے اس وقت تک (۱۰۲۵ھ) چار ہزار بیت قصائد، غزل، رباعی اور مثنوی کی صورت میں انھوں نے تصنیف کیے تھے، لیکن ابھی شاید دیوان کے مرتب کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔[۶]

اس وقت تک وصلی کے دیوان کا کوئی نسخہ ہماری نظر میں نہیں ہے ہم یہاں ان کا وہ قصیدہ دے رہے ہیں جو رہ آورد کے طور پر انھوں نے سندھ میں پہنچ کر مرزا کی خدمت میں اپنے استاد مرشد بروجردی کے ذریعہ پیش کیا تھا:

---

۱. میخانہ گلچیں ص ۸۸۵۔ ۲. مہابت خاں کے حوالے بنگش ذی قعدہ ۱۰۲۶ھ میں ہوا رشید خاں اس کی کمک کے لئے بنگش گیا تھا۔ (تزک جہانگیری ۱۹۹)

۳. جلال کے لیے دیکھیے مآثر الامرا، ۱: ۱۰۶-۱۰۹، اکبر نامہ جلد سوم۔ ۴. میخانہ گلچیں ص ۸۸۵۔

۵. کسی تذکرے میں سوائے میخانہ کے میر وصلی کا حال موجود نہیں۔

۶. میخانہ گلچیں ص ۳۶۹۔

قصیده

وقت آنست کنون، کز اثر باد شمال / سبز گردد برخ حوروشان، دانهٔ خال
قوت نامیه اش بدر کند در ساعت / گر تو بر خاک چمن، نقش کنی شکل هلال
در هوا ریشه زند، از مدد فصل ربیع / شیر اگر پنجه کند راست، پی صید غزال
شود از فیض هوا سبز، و گل آرد بیرون / قرعه، بر تختهٔ خاک ار فگنی، از پی فال
در هوا قطرهٔ خون، گل شود از فیض بهار / گر مریض از پی صحت، بکشاید قیفال
نارسیده بزمین، لعل بدخشان گردد / دانهٔ گر شود امروز جدا، از غربال
شود از لطف هوا، سبز تر از خط بتان / باغبان گر، بمثل تخم فشاند از کال
در چنین فصل، که عکس گهر از سینهٔ کان / شعله ور گردد چون شمع، ز فانوس خیال
سرمستان تود پای خمی، کز حملش / نبرد راه به کاشانهٔ زهستی، حمال
من وآن می که، نسیم ار برساند بویش / شخص را، سایه زهستی نرود از دنبال
من وآن می که اگر پرتوش افتد بچمن / لب گلبن زند از غنچه سراپا بتخال
خنده برجام جم و ساغر خورشید زند / شیشه، گر از می گلرنگ بود مالامال
گوهر مدح شهنشاه بساحل فگند / دُره زی از پی آن، رقص کند گرد زلال
شاه غازی که ز بهر فرسش، هر سر ماه / آسمان، نعل زر اندود فرستد ز هلال
ای جوادی که اگر، تربیت چرخ کنی / آفتابش نکند تا بابد میل زوال
جان ز تیغت نبرد خصم، بصد حیله و فن / گر در آئینه گریزد بمثل چون تمثال
جور، در عهد تو، برخاست بنوعی، که دگر / ظلم بر ساق بتان هم نرود از خلخال
عاقبت افتد بر خاک مذلت، چونگه / خصم جاهت کند ار جای بچشم اقبال
هر عدوی که در آید بدیارت، پی جنگ / ناوک تو کندش تا در دل، استقبال

بسکہ در عہد تو منسوخ بود، چین جبین | روی دریا نشود زین پس، پرچین ز شمال
گر بکاوند، نیابند جز اخگر از کان | شعلۂ جود تو، از بس کہ زد آتش بجبال
درد دل را چہ دہد شرح، ببزمت وصلی | آن خبیری تو کہ، ناخواندہ بدانی احوال
ختم کردم کہ حدیثم بنود قابل آن | کہ کند طبع خداوند جہان را خوشحال

مجلس شاہ جہان! بی می و معشوق مباد
تا بود از می و معشوق سخن در اقوال[1]

صاحبِ میخانہ نے وصلی کے ساقی نامہ کے یہ تین اشعار دیئے ہیں :

صراحی، چو بردارد از رخ، نقاب | فرو شد زمین بر فلک آفتاب
بیا! تا دماغی بمی تر، کنیم | رگ شیشہ را تازہ نشتر کنیم
بدہ اے دوای دل خستگاں | شرابی کہ افتد یقین بر گماں[2]

---

[1] میخانہ ص ۶۷۱ - ص ۶۷۳ -

[2] " ص ۶۷۱ -

کتابیات

آتش کدہ	آذر - سادات ناصری	تہران
آئین اکبری - جلد سوم	ابوالفضل	مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۳ء
آئین اکبری - جلد اول	بلاخمن (ترجمہ انگریزی)	طبع کلکتہ ۱۹۲۷ء
اکبر نامہ، دو جلد	ابوالفضل	کلکتہ ۸۶-۱۸۷۹ء
انتخاب نادرہ		
اسٹوری	تاریخ ادب فارسی (انگریزی)	لندن
اشپرنگر	فہرست کتب خانہ شاہان اودھ	لندن -
بلوشے	فہرست کتبخانہ قومی پیرس	
بیاضِ گنجینہ		خطی - مملوکہ راشد مرحوم
بیگلار نامہ	ادراکی بیگلار	خطی - مملوکہ حسام الدین ۱۹۴۳ء
تاریخ اعظمی	خواجہ اعظم دیدہ مری	لاہور
تاریخ افغانستان	در عصر گورگانی ہند، عبدالحی حبیبی	کابل ۱۳۴۱ھ
تاریخ بلوچستان	ہتھورام	" " "
تاریخ طاہری	میر طاہر نسیانی	نسخہ خطی - مملوکہ حسام الدین و مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ
تاریخ محمدی	میرزا محمد بن رستم	(بحوالہ ریو)
تاریخ مظہر شاہجہانی	میرک یوسف	مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۲ء
تاریخ معصومی	میر معصوم بکھری	مطبوعہ بمبئی ۱۹۳۸ء
تحفۃ الکرام	میر علی شیر قانع تتوی	نسخہ خطی بخط مؤلف
تحفۃ الکرام	" " "	مطبوعہ بمبئی و دہلی
تذکرۃ الامراء	کیول رام	نسخہ برٹش میوزیم
تذکرہ امیر خانی	سید حسام الدین راشدی	سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۱

تذکرہ شعرائے کشمیر	سید حسام الدین راشدی	کراچی ۱۹۶۸ء
تذکرۂ میخانہ	مولفہ عبدالنبی مرتبہ مولوی محمد شفیع	لاہور ۱۹۲۱ء
تذکرۂ میخانہ	مولفہ عبدالنبی مرتبہ گلچین معانی	تہران
تذکرۂ نصرآبادی	محمد طاہر نصرآبادی	تہران
ترخان نامہ	سید محمد تتوی - سید حسام الدین	سندھی ادبی بورڈ
تزک جہانگیری	ترجمہ انگلیسی بیوریج	
جام جم	مجلہ ادبی کراچی	ماہ آبان ۱۳۴۶
چنیسر نامہ (مثنوی)	ادراکی بیگلار	سید حسام الدین راشدی ۱۹۵۶ء
حماسہ سرائی در تہران	دکتر صفا	طبع تہران
خزانہ عامرہ	غلام علی آزاد	طبع ثانی مطبع نول کشور
خیرالبیان	شاہ حسین بن ملک غیاث الدین	نسخۂ خطی برٹش میوزیم
دلیل الذاکرین	حاجی پھنور	نسخہ خطی مملوکہ حسام الدین
دیوان طالب آملی		نسخہ خطی مملوکہ محمد حنیف صدیقی
دیوان طالب آملی	طاہری شہاب	تہران ۱۹۶۸ء
دیوان عطا تتوی	عبدالحکیم عطا	سندھی ادبی بورڈ
دیوان مرشد بروجردی		نسخۂ خطی دانش گاہ پنجاب، لاہور
ذخیرۃ الخوانین	شیخ فرید بھکری	نسخۂ خطی مملوکہ سید حسام الدین راشدی
ذخیرۃ الخوانین جلد اول	"	مطبوعہ انجمن تاریخ کراچی ۱۹۶۱ء
ذخیرۃ الخوانین جلد ثانی	"	" " ۱۹۷۰ء
روز روشن	مظفر علی صبا	طبع بھوپال ۱۹۲۷ء
ریاض الشعراء	والہ داغستانی	نسخۂ خطی مملوکہ سید حسام الدین راشدی
فہرست کتبخانۂ خطی فارسی	ریو	برٹش میوزیم، چہار جلد، لندن ۱۸۷۹ء - ۱۸۸۱ - ۱۸۸۳ - ۱۸۹۵ء

سروِ آزاد	غلام علی آزاد	آگرہ - ۱۹۱۰ء
شعر العجم ج ۳	مولانا شبلی نعمانی	طبع لاہور ۱۹۲۴ء
سفینۂ خوشگو	بندرابن داس خوشگو	(بذریعہ میخانہ - محمد شفیع)
صبح گلشن	علی حسن خاں	بھوپال ۱۲۹۵ھ
عالم آرائی عباسی		تہران
عرفات العاشقین	تقی الدین محمد اوحدی	(بذریعہ گلچین معانی)
فہرست کتب خانہ پٹنہ	عبد المقتدر خاں	فارسی ادب ۳ جلد
کلمات الشعراء	سرخوش - دلاوری	لاہور ۱۹۴۲ء
کلمات الشعراء	" " مرتبہ محوی	مدراس ۱۹۵۱ء
لب تاریخ ہند	خداداد خان	امرت سر ۱۹۰۰ء
مآثر الامرا ۳ جلد	شاہنواز خان	طبع کلکتہ ۹۱ - ۹۰ - ۱۸۸۸ء
مآثر رحیمی ۳ جلد	عبد الباقی نہاوندی	طبع کلکتہ ۳۱ - ۱۹۲۵ء
مجلۂ علوم اسلامیہ	شمارۂ اول	علی گڑھ
مجمع النفائس	خان آرزو	نسخۂ خطی سنہ ۱۱۸۵ھ نیشنل میوزیم کراچی
مخزن الغرائب	چاپ دکتر محمد باقر	جلد اول - لاہور
مخزن الغرائب	سندیلوی	(بذریعہ میخانہ محمد شفیع)
مقالات الشعرا	علی شیر قانع تتوی	حسام الدین راشدی - سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۷ء
مکلی نامہ	حسام الدین راشدی	سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۷ء
نتائج الافکار	قدرت اللہ گوپاموی	بمبئی ۱۳۳۶ھ
نشتر عشق	حسین قلی خان عظیم آبادی	(بذریعہ میخانہ محمد شفیع)

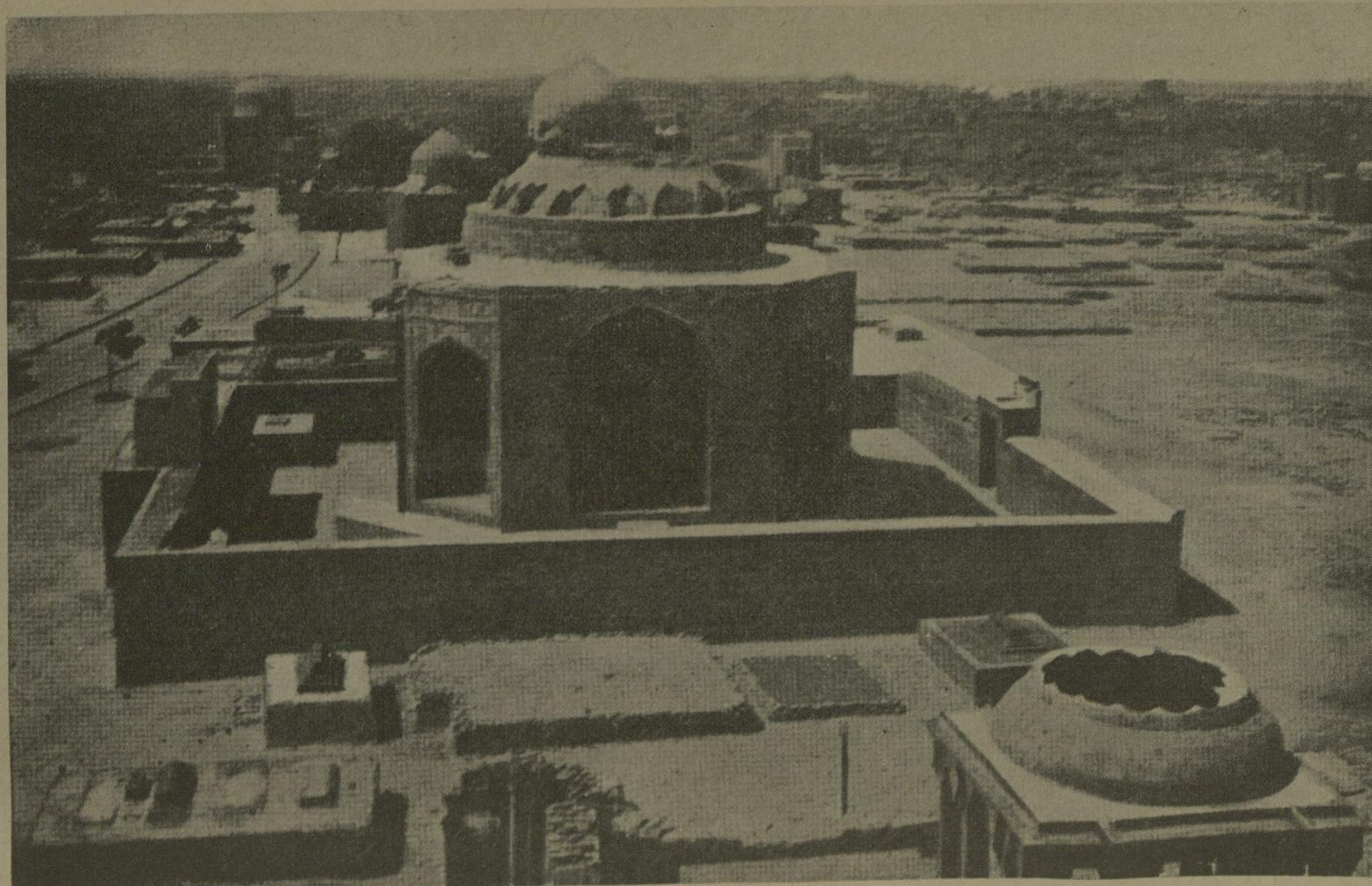
اشاریہ؎

اعلام و اقوام

؎ یہ اشاریہ ابوسلمان شاہجہانپوری صاحب نے ترتیب دیا ہے:

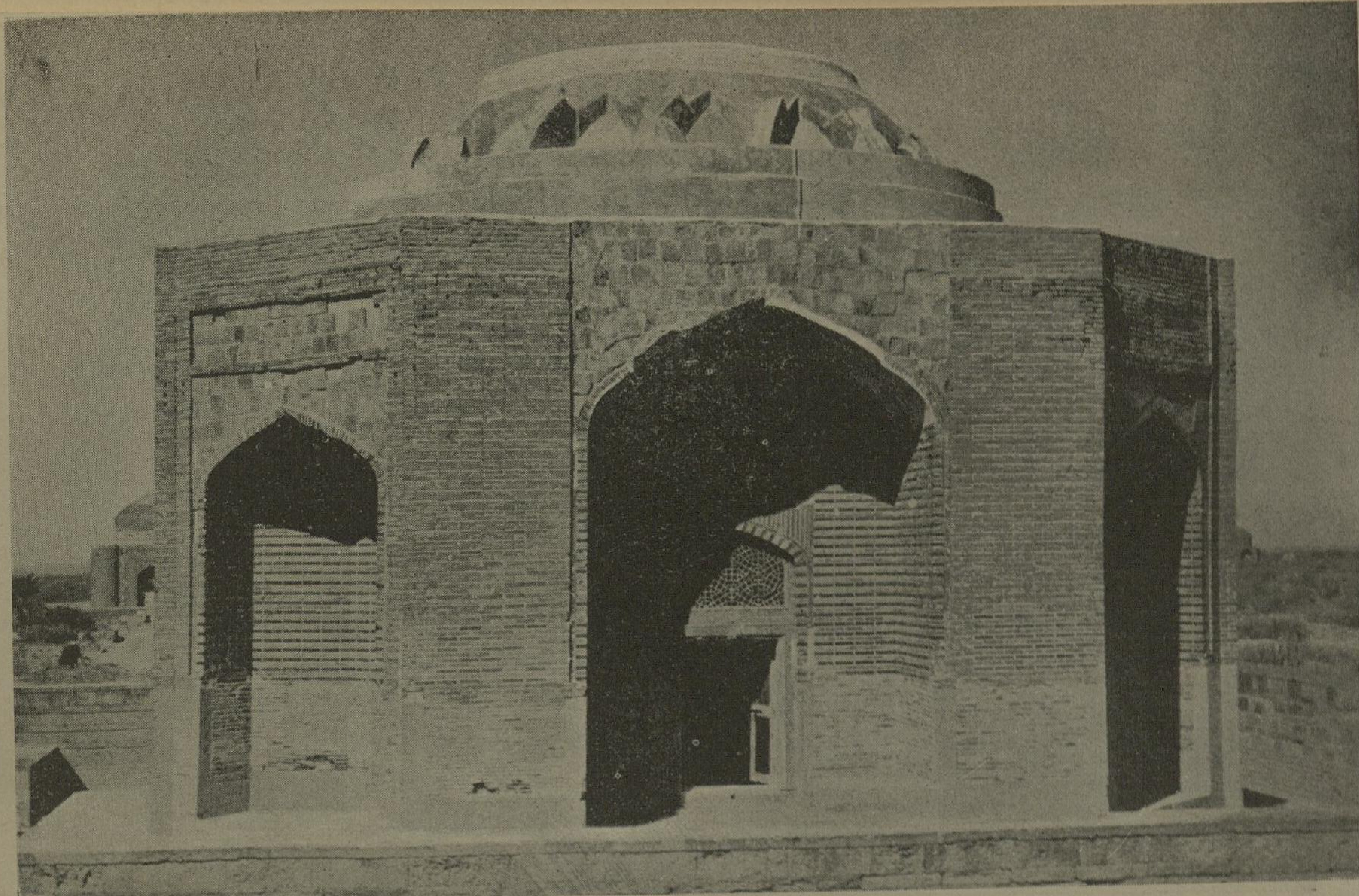
بلاد و اماکن

کتب و رسائل

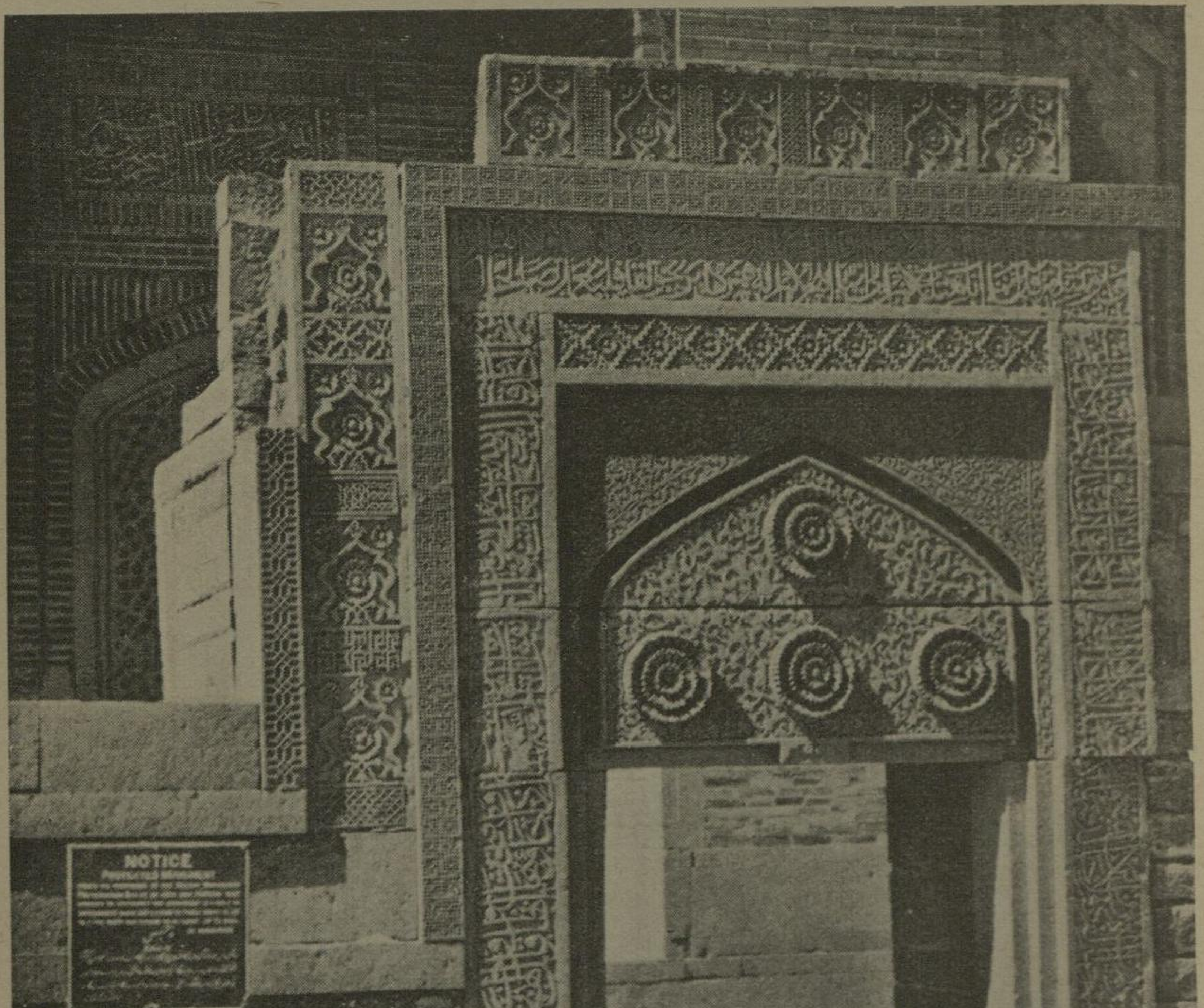


مقبرہ میرزا جانی بیگ و میرزا غازی بیگ

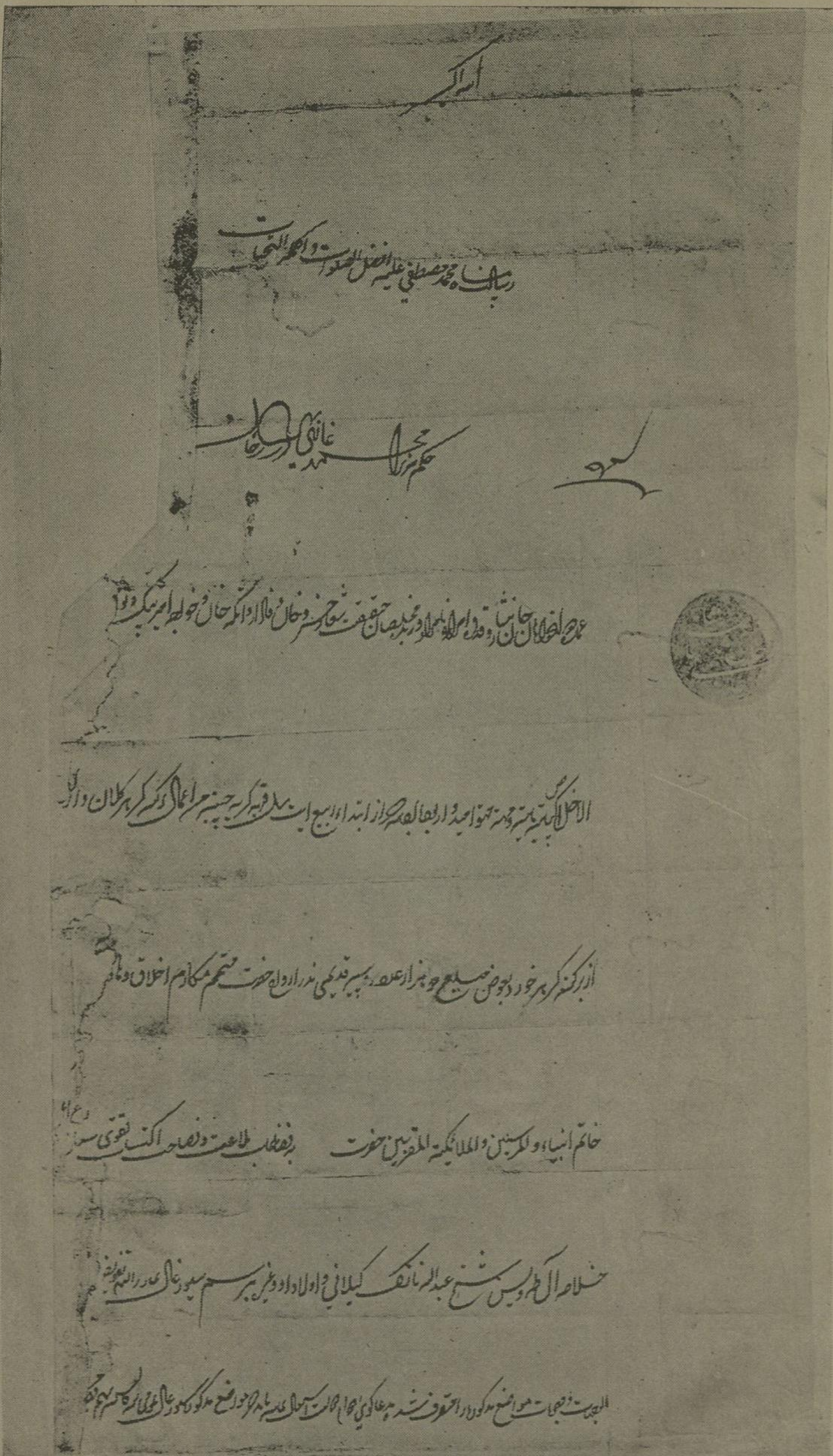
مکلی - ٹھٹھہ



میرزا جانی بیگ اور میرزا غازی بیگ کا مقبرہ
مکلی - ٹھٹھہ



داخلی دروازہ احاطۂ مقبرہ میرزا جانی بیگ و میرزا غازی بیگ،
مکلی - ٹھٹھہ



میرزا غازی بیگ کا فرمان



میرزا غازی بیگ کی مہر